حیرت و سراغ رسانی کا شاہکار

شرلاک ہومز ہندوستان میں

(محمد ابو المظفر)
مظفر حنفی ہسوی

انتساب

اپنی اس تخلیق کو میں بصد خلوص و ادب
اپنے محترم بھائی محمد مظہر الدین صاحب مظہر
کھنڈوی کے نام معنون کرتا ہوں۔ اور ساتھ ہی
"گر قبول افتد زہے عز و شرف"
کہنے کے بجائے کہتا ہوں ؎

آ عندلیب مل کے کریں آہ و زاریاں
تو ہائے گل پکار میں چلاؤں ہائے دل

یعنی آپ غزلیں کہیئے، میں ناولیں لکھتا ہوں۔

مظفر حنفی ہسوی

انتساب

اپنی اس تخلیق کو میں بصد خلوص و ادب
اپنے محترم بھائی محمد مظہرالدین صاحب مظہرؔ
کھنڈوی کے نام معنون کرتا ہوں۔ اور ساتھ ہی
"گر قبول افتد زہے عز و شرف"
کہنے کے بجائے کہتا ہوں ؎

آ عندلیب مل کے کریں آہ و زاریاں
تو ہائے گُل پکار میں چلاؤں ہائے دل

یعنی آپ غزلیں کہیے، میں نادلیں لکھتا ہوں۔

مظفرؔ حنفی ہسوی

اپنے قارئین سے

آج عام طور پر جاسوسی ادب کے خلاف تقریباً ہر گوشہ سے آوازیں بلند ہو رہی ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ پر بھی آپ نے کبھی غور فرمایا ہے؟ کیا وجہ ہے کہ اس صنف ادب کو وہ مناسب مقام نہیں دیا جا رہا ہے جس کی یہ مستحق ہے؟

وجہ مجھ سے سنئے۔ آج کے دور میں کم از کم اردو میں جتنی کتابیں شائع ہو رہی ہیں اور جتنے رسائل نکل رہے ہیں ان میں سے تقریباً پچاس فیصد کا حصہ جاسوسی ادب پر مشتمل ہوتا ہے۔ پڑھنے والوں پر ایک سرسری نظر ڈالئے۔ ننانوے فیصد کا تعلیم یافتہ طبقہ جاسوسی چیزیں ہی پڑھنا پسند کرتا ہے۔ ان میں وہ حضرات بھی شامل ہیں جو بظاہر جاسوسی ادب کی اہمیت کو سرے سے تسلیم ہی نہیں کرتے۔ اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں ایک ایسی دلچسپ اور مقبول عام صنف ادب کو وہ مقام نہیں دیا جاتا جس کی وہ اہل ہے۔ اور میرے خیال میں اس کی وجہ محض یہ ہے کہ آج سستے قسم کی بازاری چیزیں اس کثرت سے منظر عام پر آ رہی ہیں اور عوام کے ذہن کو اس طرح گندہ کر رہی ہیں کہ سنجیدہ طبقے نے سرے سے جاسوسی ادب ہی کو ضرر رساں قرار دے دیا۔

ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ ایک ایسی صنف ادب کو حقارت کی نظر سے دیکھا جائے جسے عام طور پر پسند کیا جاتا ہے۔ جس کی کتابوں کی اشاعت ادب کی اور دوسری شاخوں کی مجموعی اشاعت کے برابر ہے، جو تفریح کا ایک بہترین ذریعہ ہے، جس نے پڑھنے والوں کے دل میں تجسس کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، نئی باتیں جاننے کی خواہش پیدا ہوتی ہے اور دماغ جلا پاتا ہے۔

لیکن سستی شہرت کے طالب مصنفوں اور مترجموں نے اس کی مٹی پلید کر دی گھٹیا درجے کی چیزیں مہیّا کر کے اس صنف ادب کو بُری طرح بدنام کر دیا۔ چند ایک کو چھوڑ دیجئے اور بقیہ جس جاسوسی ناول کو اٹھا لیجئے گا، محض مار دھاڑ، بے معنی اُچھل کود، فحش قسم کے مخرب اخلاق مزاح اور صرف قاری کو متعجب کرنے کے لئے مافوق الفطرت اور ناقابل یقین واقعات سے پُر پائیے گا۔ میرے پہلے ناول "پُراسرار قتل" کی اشاعت کے بعد میرے بہت سے دوستوں نے اپنے خطوط میں میری ہمت افزائی کی اور ایسے ہی سنجیدہ، بازاری سنسنی سے الگ ہٹ کر ٹھوس واقعات اور کارآمد معلومات بہم پہنچانے والے جاسوسی ناول لکھنے کی فرمائش کی تھی لیکن ساتھ ہی چند خاص دوستوں نے جن کے خلوص میں مجھے شبہ نہیں اور جنہیں ملک کے مانے ہوئے چند ادیب بھی شامل ہیں، مجھے رائے دی کہ میں اس بدنام راستے پر نہ چلوں جس میں سوائے کانٹوں کے اور کچھ ہاتھ نہیں لگتا۔ کیونکہ انہیں تیسرے درجے کے جاسوسی ناولوں کی بدولت عام طور پر ہر جاسوسی ناول کو گھٹیا ادب سمجھا جانے لگا ہے۔ اس طرف سستی شہرت کے طالب ناول نگاروں کی فوج کی فوج جاسوسی ادب کے میدان میں اتر آتی رہی ہیں۔

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی
اب آبروئے شیوۂ اہل نظر گئی

کہہ کر اس شاہراہ سے ہٹ کر افسانے کی پگڈنڈی پر آ گیا۔ اس لائن میں مجھے کتنی کامیابی حاصل ہوئی یہ بتلانا میرا کام نہیں ہے۔ یہاں میں صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ پیش نظر ناول لکھنے کے پیچھے کسی قسم کی سستی شہرت کی طلب نہیں ہے اور نہ تھی اب اس کی مجھے ضرورت ہے۔ وہ تو ایک دن کارٹر ڈکسن (CARTER DICKSOM) کا ناول "دی ریڈر از وارنڈ" (THE RENDER IS WARNED) ایک جگہ مل گیا اور اس کا مطالعہ کر چکنے کے بعد بے اختیار

خواہش پیدا ہوئی کہ ایک ایسا ہی ٹھوس جاسوسی ناول اُردو ادب میں بھی پیش کرنا چاہیئے تاکہ جاسوسی ادب کے اوپر عائد کردہ الزامات کی کچھ تلافی ہو سکے۔

لہذا "شرلک ہومز ہندوستان میں" آپ کی نگاہوں کے سامنے ہے۔ پیش نظر ناول کا مرکزی خیال کارٹر ڈکسن کے مذکورہ بالا ناول سے اخذ کردہ ہے اور چند دوسرے واقعات بھی اسی ناول سے مستعار لئے گئے ہیں لیکن بہرحال اس ناول میں میرا اپنا اسلوب نگارش و میری اپنی ایجاد اور اپنی تکنیک ہے۔ لہذا میں اسے ترجمہ کا نام نہ دوں گا، ساتھ ہی ساتھ میں یہ بھی بتلا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس ناول میں بظاہر ایسے واقعات آپ کو قدم قدم پر ملیں گے جو اولین نظر میں آپ کو محض خیالی، اور ناقابلِ یقین نظر آئیں گے۔

ا۔ مثلاً آپ کو ایک شخص ایسا ملیگا جو لوگوں کے دلی حالات معلوم کر لیا کرتا تھا!

ب۔ اور انڈونیشیا کا وہ پروفیسر جو اپنے دماغ کی لہروں کی ضرب پہنچا کر میلوں دور بیٹھے ہوئے لوگوں کو قتل کر سکتا تھا!

ج۔ اور وہ پراسرار لاشیں جو مرنے کے بعد ہچکیاں لیتی تھیں!

د۔ اور وہ خونی موم بتیاں جو ہر شخص کی موت کے بعد نصف اِنچ جل جاتی تھیں اور اُن کے جلانے والے کا کوئی سراغ نہیں ملتا تھا!

ہ۔ اور قتل کے نئے طریقے جیسا کہ فلانی وہ عجیب ذٹ پک جو اسی مکان میں موجود ہونے کے باوجود، جس کے چپے چپے کو جاسوسوں کی پوری فوج نے تلاش کر لیا تھا، کسی کو نظر نہیں آتا!

و۔ اور وہ جادوئی فوارہ جو بند ہونے کے باوجود چلتا تھا!

ز۔ اور جاسوسی ناولوں کی مصنفہ کا وہ خنجر جو اپنا شوہر کی موت کے بعد بھی جاتا ہوا دکھائی دیا!

ح۔ اور پھر اسکی بیوی کی پُراسرار موت جو ایک مقفل اور اندر سے محفوظ کمرے میں بند کر دی گئی کہ

ایک تجربہ کار اور ماہر جاسوس نے کہا تھا کہ وہ "ریزرو بینک آف انڈیا" میں جمع شدہ روپیہ کی طرح محفوظ ہے!

ط۔ اور پھر وہ ہولناک ہستی جو بیک وقت دو مقامات پر ایک ساتھ دکھلائی دیتی تھی!

ی۔ اور ایک ایسا قاتل، جسے عوام اور عدالت قاتل سمجھتے تھے، ہر جگہ یہ بانگ دہل خود کو قاتل کہتا پھرتا ہے۔ عدالت و پولیس اس کا کچھ نہیں کر سکتے!

ک۔ اور ایک ایسا انسان جسے ریڈیو سیلون سے تقریر کر کے کسی کو قتل کرنے کی دعوت دی گئی۔

ل۔ اور پھر وہ پُراسرار لاشیں جن کا پوسٹ مارٹم کرنے پر جسم کے تمام اعضا صحت مند پائے جاتے تھے اور کسی اندرونی یا باہری علامت سے موت کا سبب نہیں معلوم ہو سکتا تھا!

م۔ اور ایک ایسا پیچیدہ کیس جس کے بارے میں ماہرین قانون اور ماہرین میڈیکل سائنس کو از سر نو غور کرنا پڑا کہ کہیں ان علوم کے اصولوں میں کوئی خامی تو نہیں!

ن۔ اور پھر ان تمام ڈراموں کی ڈائرکٹر، وہ پُراسرار اور نامعلوم ہستی، جسے شرلک ہومز جیسی عظیم قوت استدلال رکھنے والی شخصیت ہی مات دے سکتی تھی!

اور اس قسم کے صدہا واقعات اس ناول میں آپ کو ملیں گے اور پہلے آپ بیساختہ سوچیں گے نہیں یہ ناممکن ہے۔ لیکن ان تمام اسرار کو واضح کرنے کے لئے ٹھوس ثبوت پیش کئے گئے ہیں اور مزید تصدیق کے لئے قانون اور سائنس کی مستند کتابوں کے حوالے دیئے گئے ہیں۔ تاکہ آپ کے ذوق تجسس کو ہنسی ہنسی میں نہ ٹالا جائے بلکہ حقیقی تشفی ہو سکے۔

یہاں مجھ سے سوال کیا جا سکتا ہے کہ کتاب کا مرکزی خیال تو کارٹر ڈکسن کی ناول سے ماخوذ ہے، زیادہ تر واقعات میرے اپنے شامل کردہ ہیں، پھر ناول میں آرتھر کانن ڈائل، کا

زندہ جاوید کردار وہ شہرۂ آفاق جاسوس "شرلک ہومز" کہاں سے آٹپکا ـــ؟
اور میں کہتا ہوں کہ یہی اس ناول کا سب سے عظیم راز ہے جسے معلوم کرنے کے لئے آپ کو پوری ناول کا مطالعہ کرنا پڑے گا۔ ہاں اس سلسلے میں اپنی رائے سے مجھے ضرور نوازیے گا۔ اور ساتھ ہی میں نقادانِ فن سے پوچھتا ہوں کہ کیا اس قسم کے جاسوسی ادب کو بھی وہ مضرت رساں سمجھتے ہیں؟

منظر حنفی ہسوی

تمہید

کھُل جا سم سم!

تمہاری بزم کی دلچسپیاں معاذ اللہ
ہر ایک شکل میں اک بات پائی جاتی ہے

تمہید

(ایم فیروز کا خط ڈاکٹر عارف کے نام)

لال کوٹھی ۔ رتن پور

۲۵ر اپریل [illegible]ء

ڈیئر عارف!

کافی عرصہ سے خاموش ہو۔ لکھو کیسے ہو؟ اور اس ماہ کی تیس تاریخ کو تمہارا کوئی خاص پروگرام تو نہیں ہے؟ خیر وہ جو کچھ ہو مجھے یقین ہے کہ تم میری خاطر اس دن کے تمام پروگرام ملتوی کردو گے۔ مجھے از حد مسرت ہوگی۔ اگر تم ۳۰ر اپریل کو ہم لوگوں سے برجیس نگر میں آکر ملو۔ ساتھ میں مسٹر سلطان صدیقی کو بھی لے آؤ تو کیا کہنے ۔۔!

برجیس نگر میں ہم لوگوں کا قیام "پیلی کوٹھی" میں رہے گا جس کا مالک سلیم اختر میرا دور کا رشتہ دار ہے۔ سلیم کو تم یوں نہیں پہچانو گے۔ جان لو کہ وہ مشہور ناول نگار خاتون سلمٰی سلیم کا شوہر ہے۔ ان دونوں میاں بیوی کے از حد اصرار پر ہی میں تمہیں یہ دعوت نامہ بھیج رہا ہوں کوئی خاص تقریب نہیں ہے۔ سلمٰی ناول نگار ہی تو ٹھہری۔ معلوم نہیں کہاں سے ایک ماہر نفسیات کو پکڑ لائی ہے، جسے غیب داں ہونے کا دعویٰ بھی ہے۔ لیکن یہاں میں وضاحت کردوں، ورنہ ممکن ہے کہ تم جو ہمیں میخ نکالنے کے عادی ہو، اس موقع پر شرکت کو فضول گردانو۔ یہ ماہر نفسیات میرے اپنے خیال میں 'کورکھ' اس قسم کی چیزوں سے الگ ہے۔ جس کی منطق کو یوں ہی ہنس کر نہیں ٹالا جا سکتا۔ نہ ہی وہ کوئی مداری ہے۔ علم نفسیات میں خاصہ مطالعہ رکھتا

ہے، انجابات کے جواز میں ٹھوس دلائل پیش کرتا ہے۔ وہ ایک بار اس سے میرا سابقہ پڑ چکا ہے
جس میں ایسی کرامات دکھلاتا ہے کہ فرط تعجب سے گنجا کھوپڑی پر بھی بال اُگ آئیں۔ اس کی تھیوری
کے مطابق قوت متخیلہ ایک ٹھوس مادی طاقت ہے۔

"بینی کوٹھی" میں ایک بہت چھوٹی سی پارٹی ہوگی جس میں سلیم اختر کے علاوہ یہی ماہر
نفسیات جن کا نام پروفیسر خطیب ہے، شریک ہوگا۔ اس کے علاوہ جیسو، میں اور تم دونوں
شریک ہونگے جیسو کا مفصل تعارف ملاقات ہونے پر کراؤں گا۔ فی الحال اتنا جان
لو کہ اچھے خاندان سے تعلق رکھتی ہے اور مجھے دوستانہ تعلقات ہیں۔

غالباً اب تمہیں کوئی تامل نہ ہوگا، ۲۹ اپریل جو کو اسٹیشن ماہم سے پانچ بجیں پر چھوٹنے
والی گاڑی تمہارے لئے بہترین ہوگی تمہیں لینے کے لئے بر جیس نگر اسٹیشن پر کار بھیج دی
جائے گی۔

ممکن ہو تو ایک اطلاعی خط مجھے بھیجدو تاکہ اطمینان ہو جائے۔

تمہارا اپنا

ایم فیروز

باز نوشت:۔ کیا تمہاری منگیتر طلعت پروین نیاب اپنے والدین کے ہمراہ ایران کی سیر کر رہی
ہے؟ میں نے سنا تھا کہ تم اس نسبت سے کچھ کبیدہ خاطر ہو۔ خدا کرے کوئی سنجیدہ معاملہ نہ ہو فقط

(ڈاکٹر عارف کا خط ایم فیروز کے نام)

ڈبلیو۔ آر۔ انسٹی ٹیوٹ
ماہم۔ بمبئی

۲۰ اپریل ۱۹۴۳ء

فیروز ڈیر!

تمہیں مطلع کرتے ہوئے مجھے مسرت ہو رہی ہے کہ میں جمعہ کو تم لوگوں سے مل سکوں گا لیکن شاید سر سلطان میرا ساتھ نہ دے سکیں گے۔ وہ کسی سرکاری کام سے دہلی جانیوالے ہیں۔ لیکن تمھارے اس ماہر نفسیات سے انھوں نے اپنی گہری دلچسپی کا اظہار کیا ہے اور اگر بعد از وقت نہ ہوا تو اتوار تک ضرور لوٹ آنے کا وعدہ کرتے ہیں۔

میں بذات خود پروفیسر خطیب جیسی پراسرار شخصیت سے مل کر محظوظ ہونگا۔ اور تبھی کوئی خیال ان کے اور ان کے فن کے بارے میں ظاہر کر سکوں گا۔ دعوت نامہ کے لئے میں سلیم اختر و سلمیٰ سلیم صاحبہ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ فقط

تمہارا ہی :-

عارف

نوٹ :- ہاں۔ میں "اس نسبت سے کبیدہ خاطر" ہونے کا مطلب نہیں سمجھ سکا۔ اب تک ایسی کوئی بات نہیں ہوئی۔ طلعت ایران ہی میں ہے۔ اس کا آخری خط طہران سے موصول ہوا تھا۔ وہ گرمیوں میں "کوہ البرز" تک جانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ جون تک ان لوگوں کی واپسی کی توقع ہے۔ والسلام

— تمہید ختم ہوئی —

کتاب اوّل

دھندلکا

پراسرار غیب داں

آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں
ساماں سو برس کا ہے پل کی خبر نہیں

(۱)

۲۹ راپریل جمعہ کی شام کو ڈاکٹر عارف پانچ بیس کی ٹرین پر ماہم اسٹیشن سے برجیس نگر کے لئے سوار ہوا۔ اس وقت اس کے سان وگمان میں بھی یہ بات نہ رہی ہوگی کہ وہ پراسرار جرائم کے ایک ایسے ڈرامہ میں اپنا پارٹ ادا کرنے جارہا ہے جو ماہران قانون اور ذمہ داران میڈیکل سائنس کے لئے عرصہ تک سرگرانی کا موجب بنا رہے گا لیکن اس لاعلمی کے باوجود عارف کے دماغ کو سکون نہ تھا، حالانکہ مطلع صاف تھا اور شام کی خنک ہوا مشام جان کو تازگی بخشتی تھی۔ پھر بھی ڈاکٹر عارف مضمحل سا تھا۔ گاڑی میں کافی رش تھا اور اسی بناء پر دلی خواہش کے باوجود وہ اپنی جیب سے ایک خط نکال کر دوبارہ اس کا مطالعہ نہیں کر سکتا تھا اور یہی وجہ اس کی ذہنی الجھن کی تھی۔

بیشک۔ کوئی خاص بات قابل تشویش نہ تھی۔ طلعت پروین اس سے سیکڑوں میل دور ایران میں ضرور تھی۔ لیکن یہ جدائی کوئی دائمی مفارقت نہ تھی۔ اور آخر جولائی تک ان لوگوں کی واپسی متوقع تھی۔ طلعت کو ایران جانے کی کوئی خاص تمنا بھی نہ تھی۔ لیکن والدین اسے ساتھ لے گئے۔ ایران سے اس کے خطوط برابر عارف کو ملتے رہے۔ بڑے جذباتی قسم کے خط۔ جنہیں پڑھ کر عارف کا دماغ گھوم جایا کرتا تھا اور جذبات کی فراوانی اس کے دماغی سکون کو منتشر کر دیتی تھی۔

لیکن ادھر چند دنوں سے طلعت کے خطوط میں ایک نوجوان سیاح جمالی کا تذکرہ ہونے لگا تھا جو اکثر طلعت اور اس کے والدین کے تفریحی پروگراموں میں شریک رہتا تھا۔ یہ چیز عارف کے دل کو بری طرح کھٹک رہی تھی۔ طلعت اپنے خطوط میں اس شخص جمالی کا ذکر جس سادہ اور بے تکلفانہ انداز میں کرتی تھی وہ عارف کو قطعی پسند نہ تھا۔ پہلے خطوط میں جب کبھی اس سیاح کا تذکرہ آتا تو کچھ اس قسم کا کہ "جمالی صاحب ہمارے لئے بڑے اچھے راہبر ثابت ہوئے" اور "مسٹر جمالی نے ایک بڑا اچھا لطیفہ سنایا ــــ" لیکن اب حالات عارف کو تشویشناک محسوس ہونے لگے تھے۔ کیونکہ طلعت کے خطوط میں وہی "جمالی صاحب" اور "مسٹر جمالی"۔ "جمالی ایک اچھا ساتھی نکلا۔ بڑا پر لطف انسان ہے" قسم کے جملوں سے بیان کیا جانے لگا تھا۔ اب آبشاروں کے مناظر سے لطف اندوز ہوتے وقت اور سیر سپاٹے میں طلعت کے ساتھ ہمیشہ جمالی کا تذکرہ پڑھنے میں آنے لگا۔ جب کبھی ایک شہر سے دوسرے شہر کو روانہ ہوتے وقت طلعت کا خط آتا تو اس میں یہ اطلاع بھی ہوتی کہ جمالی بھی ان لوگوں کے ساتھ وہیں جا رہا ہے۔

"کیا واقعی طلعت کو اب مجھ سے وہ پیار نہیں رہا۔ یا میں ہی بے جا شکوک میں مبتلا ہو کر اس سے بدگمان ہو رہا ہوں"۔ باہم سے برجیس نگر جاتے ہوئے ٹرین پر ڈاکٹر عارف سوچتا رہا۔ اور جب ساڑھے چھ بجے ٹرین برجیس نگر پہنچی اس وقت تک اسے اپنے سوال کا جواب نہ ملا تھا بمبئی کی پر شور اور مصروف زندگی کی بہ نسبت برجیس نگر کا ماحول بڑا ٹھہرا ہوا تھا۔ اور اس پرسکون اور خاموش جگہ میں عارف کو بڑا سکون محسوس ہوا۔ دن میں پہلی بار اسے فرحت کا احساس ہوا اور جب سورج کی تیز روشنی ختم ہو چکی تھی شفق کے دھندلکے میں ہر ایک چیز عارف کو بڑی حسین نظر آئی، ہر شے واضح روشن اور کچھ دھلی دھلی سی معلوم ہوتی تھی۔ ہر طرف سے موسم گرما

(۱)

۲۹ر اپریل جمعہ کی شام کو ڈاکٹر عارف پانچ بیس کی ٹرین پر ماہم اسٹیشن سے برجیس نگر کے لئے سوار ہوا۔ اس وقت اس کے سان وگمان میں بھی یہ بات نہ رہی ہوگی کہ وہ پراسرار انجام کے ایک ایسے ڈرامے میں اپنا پارٹ ادا کرنے جا رہا ہے جو ماہران قانون اور ذمہ داران میڈیکل سائنس کے لئے عرصہ تک سرگرانی کا موجب بنا رہے گا لیکن اس لاعلمی کے باوجود عارف کے دماغ کو سکون نہ تھا، حالانکہ مطلع صاف تھا اور شام کی خنک ہوا مشام جان کو تازگی بخشتی تھی۔ پھر بھی ڈاکٹر عارف مضمحل سا تھا۔ گاڑی میں کافی رش تھا اور اسی بناء پر دلی خواہش کے باوجود وہ اپنی جیب سے ایک خط نکال کر دوبارہ اس کا مطالعہ نہیں کر سکتا تھا اور یہی وجہ اس کی ذہنی الجھن کی تھی۔

بیشک۔ کوئی خاص بات قابل تشویش نہ تھی۔ طلعت پروین اس سے سیکڑوں میل دور ایران میں ضرور تھی۔ لیکن یہ جدائی کوئی دائمی مفارقت نہ تھی۔ اور آخر جولائی تک ان لوگوں کی واپسی متوقع تھی۔ طلعت کو ایران جانے کی کوئی خاص تمنا بھی نہ تھی۔ لیکن والدین اسے ساتھ لے گئے۔ ایران سے اس کے خطوط برابر عارف کو ملتے رہے۔ بڑے جذباتی قسم کے خط۔ جنہیں پڑھ کر عارف کا دماغ گھوم جایا کرتا تھا اور جذبات کی فراوانی اس کے دماغی سکون کو منتشر کر دیتی تھی۔

طلعت

جس سا

کبھی اس سیاح

ہوئے" اور "

تشویش ... کے خطوط میں وہی "جمالی صاحب" اور "مسز جمالی"۔ "جمالی ایک اچھا ساتھی نکلا۔ بڑا پر لطف انسان ہے" قسم کے جملوں سے بیان کیا جانے لگا تھا۔ اب آبشاروں کے مناظر سے لطف اندوز ہوتے وقت اور سیر تفریح میں طلعت کے ساتھ ہمیشہ جمالی کا تذکرہ پڑھنے میں آنے لگا۔ جب کبھی ایک شہر سے دوسرے شہر کو روانہ ہوتے وقت طلعت کا خط آتا تو اس میں یہ اطلاع بھی ہوتی کہ جمالی بھی ان لوگوں کے ساتھ وہیں جا رہا ہے۔

'کیا واقعی طلعت کو اب مجھ سے وہ پیار نہیں رہا۔ یا میں بلا سبب جا شکوک میں مبتلا ہو کر اس سے بدگمان ہو رہا ہوں'۔ ماہم سے برجیس نگر جاتے ہوئے ٹرین پر ڈاکٹر عارف سوچتا رہا۔ اور جب سوا چھ بجے ٹرین برجیس نگر پہنچی اس وقت تک اسے اپنے سوال کا جواب نہ ملا تھا۔ بمبئی کی پر شور اور مصروف زندگی کی بہ نسبت برجیس نگر کا ماحول بڑا ٹھہرا ٹھہرا تھا۔ اور اس پُرسکون اور خاموش جگہ میں۔ عارف کو بڑا سکون محسوس ہوا۔ دل میں پہلی بار اسے فرحت کا ہلکا سا احساس ہوا اور جیسے صبح کی تیز روشنی ختم ہو چکی تھی شفق کے دھندلکے میں ہر ایک چیز عارف کو بڑی حسین نظر آئی، ہر شے واضح روشن اور کچھ دھلی دھلی سی معلوم ہوتی تھی۔ ہر طرف سے موسم گرما

کی بکھری ہوئی شام کی جھلک آرہی تھی۔ اسٹیشن پر عارف کو کوئی کار لینے کے لئے نہیں آئی تھی۔ حالانکہ ایم فیروز کے خط میں اس کی اطلاع دی گئی تھی۔ لیکن ڈاکٹر عارف نے اسکا کوئی اثر نہیں لیا۔ پارسل کلرک نے اسے بتلایا کہ بربیس نگر میں اسٹیشن پر بہت کم ٹیکسیاں آتی ہیں۔ کار کا انتظار کرنے میں دیر ہوئی سب تانگے بھی روانہ ہوگئے۔ اور پھر ڈاکٹر عارف کو اپنا سوٹ کیس خود اٹھا کر سیٹی بجاتے ہوئے "پیلی کوٹھی" کی طرف پیدل گامزن ہونا پڑا، "پیلی کوٹھی" جو تھوڑی دیر بعد عارف کو نظر آئی، فن تعمیر کا کوئی اعلیٰ نمونہ نہ تھی۔ غیر قلعی شدہ دیواریں جن پر کائی جم چکی تھی، دھواں کھائے ہوئے سیاہی مائل کھڑکیاں کیا بچھی ہوئی لمبی سڑک پر واقع ایک قدیم عمارت تھی۔ جو اپنے مالکوں کی بے پروائی کا شکوہ زبان خاموشی سے کرتی نظر آتی تھی۔ اس عمارت کو ایک بوسیدہ چار دیواری نے اپنی آغوش میں لے رکھا تھا۔ یہ عمارت اور دوسرے بنگلوں سے کافی ہٹ کر ایک چوراہے کے نکڑ پر واقع تھی۔ کمپاؤنڈ میں پھولوں کے تختے، اور پھلدار درختوں کی قطاریں مکینوں کے شغف باغبانی ——— کا پتہ دیتی تھیں۔ اس سے قبل عارف کو کبھی "پیلی کوٹھی" آنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ ہاں اتنا وہ ضرور جانتے تھے کہ اس کے مکین سلیم اختر اور اس کی بیوی نیلی سلیم سے ایم فیروز کے اچھے تعلقات ہیں۔ ایم فیروز رتن پور کا معروف بیرسٹر تھا اور ڈاکٹر عارف کے دوستوں میں سے تھا۔

پھاٹک سے گذر کر چار دیواری پار کرتے ہوئے عارف کو کوئی شخص نظر نہیں آیا۔ مکان کے دروازے پر پہنچ کر اس نے گھنٹی کا بٹن دبایا۔ اندر دور کسی ہال میں گھنٹی کے بجنے کی آواز اس کے کانوں میں پڑی لیکن کافی دیر تک کوئی جواب نہیں ملا۔ نہ ہی عارف کو مکان میں قدموں کی آہٹ یا زندگی کے دوسرے آثار سنائی دئیے ساتھ ہی اسے یاد آیا کہ

اسٹیشن پر کار بھی نہیں بھیجی گئی تھی۔ کہیں اس نے تاریخ پڑھنے میں تو غلطی نہیں کی، یا شاید مقام غلط لکھا گیا ہو۔ اس قسم کے کئی خیالات ایک ساتھ عارف کے دماغ میں گھوم گئے۔ اس نے سوٹ کیس وہیں دروازے کے سامنے فرش پر رکھ دیا اور اپنے داہنے ہاتھ کی طرف مڑ کر آگے بڑھا۔ کمروں کا ایک سلسلہ سا دور تک چلا گیا تھا۔ لیکن سب کی کھڑکیاں بند نظر آتی تھیں اور ان کے شیشوں پر بدنما جھنے پڑے ہوئے تھے۔ تھوڑی دور پر ایک کھڑکی کچھ کھلی ہوئی نظر آتی تھی۔ اس کے قریب پہنچ کر ڈاکٹر عارف کو کچھ تسکین ہوئی کیونکہ اندر سے کسی عورت کی آواز آ رہی تھی۔ آواز دلکش تھی۔

"نہیں فیروز!" ڈاکٹر عارف نے اسے کہتے ہوئے سنا۔ "تم کسی طرح اسے یہاں سے دور رکھو۔ سلیم اور سلمیٰ کو سمجھا کر اسے یہاں سے روانہ کر دو۔ ورنہ بعد میں مصیبت ہوگی کیا تمھاری سمجھ میں نہیں آتا کہ ——" ڈاکٹر عارف رک گیا۔ کسی مرد کے ہنسنے کی آواز اس کے کانوں میں پڑی اور پھر اسے ایم فیروز کی آواز سنائی دی۔

"کیا بات ہے صبیحہ! تم اتنا گھبراتی کیوں ہو۔ شاید تم ڈرتی ہو کہ کہیں پروفیسر تمھارے دلی خیالات بھانپ نہ لے؟"

"ہاں خیر —— یہی سمجھ لو" لڑکی نے تسلیم کیا۔

ڈاکٹر عارف نے زور سے کھنکار کر اپنے پیر زمین پر پٹخائے۔ اور اس پر بھی جب کوئی اس کی جانب متوجہ ہوتا نظر نہ آیا تو کھڑکی کے قریب جا کر ہاتھ کے کھٹکھٹانے کے بعد اس نے اپنا سر اندر داخل کیا اور کمرے میں پہنچ گیا۔

"اخاہ —— !" ایم فیروز نے اسے دیکھ کر کہا۔ ایک لڑکی جو سیاہ جمپر اور سفید شلوار میں ملبوس تھی جلدی سے کرسی پر سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ مقام جس میں عارف

اس طرح کو ذکر داخل ہوا تھا، کوئی کمرہ نہیں، بلکہ ایک وسیع صحن کے چاروں طرف بنے ہوئے دالان کا ایک حصہ تھا۔ درمیان میں ایک حوض تھا جس کے وسط میں فوارہ ابل رہا تھا۔ چاروں طرف گملوں میں لگے ہوئے پھولوں کے پودے بڑے خوشنما معلوم ہوتے تھے۔ یہ جگہ نسبتاً باہر سے گرم تھی اور یہاں اندھیرا بھی زیادہ تھا حالانکہ فوارہ کے اوپر ایک رنگین قمقمہ بجلی کا روشن تھا جس کے اوپر سے پانی جھالر کی شکل میں چھپ کر حوض میں گرتا تھا اور بڑی سہانی آواز پیدا کرتا تھا۔

"یہ اپنے ڈاکٹر عارف ہیں۔" ایم فیروز نے لڑکی سے کہا اور پھر عارف سے مخاطب ہوکر بولا۔ "معاف کرنا یار! بسم اللہ ہی غلط ہوگئی۔ مجھے افسوس ہے کہ کار اسٹیشن پر نہیں بھیجی جاسکی۔ بہرحال ان سے ملو۔ مس صبیحہ — ڈاکٹر عارف!"

عارف نے گردن کو خفیف سا خم کرکے لڑکی کا سلام قبول کیا اور ایم فیروز کی طرف دیکھا۔ اس کا چہرہ جو پہلے ہی کچھ کم لمبا نہ تھا، اور لمبوترا ہوگیا اور وہ جلدی جلدی آنکھیں جھپکانے لگا۔ فیروز ایک لمبا۔ اکہرے جسم کا لاابالی نوجوان تھا لیکن قانون پر اسکی گرفت مضبوط تھی اور اپنے شہر کا کامیاب بیرسٹر مانا جاتا تھا۔ حد سے بڑھی ہوئی سنجیدگی اس کی شخصیت کو کچھ پراسرار اور کچھ مضحکہ خیز بناتی تھی۔

"مجھے افسوس ہے عارف۔" اس نے کہا۔ "دراصل ہم لوگوں کے ساتھ ایک حادثہ ہوگیا۔ اسی لئے تمہیں لینے اسٹیشن پر نہیں پہنچ سکا۔"

"کیسا حادثہ —؟"

"میں سلیم اختر اور صبیحہ کے ساتھ ٹرین سے یہاں آیا۔ پروفیسر خطیب بھی ہمراہ تھا۔ سلیم اختر کے چاروں نوکر ضروری سامان لیکر اسکی کار سے آرہے تھے۔ خیر سامان تو کسی طرح یہاں پہنچ

گیا، لیکن نوکر نہیں آسکے ۔"

"نوکر نہیں آسکے ۔ !کیوں ۔ ؟"

"معلوم نہیں کیوں ۔ ؟" فیروز نے جواب دیا ۔" رام سنگھ سلیم کے شوفر نے تیزی سے کار کو ایک ڈھلوان سڑک پر سے جانا چاہا تھا ۔ اور کار سمت مخالف سے آتی ہوئی ایک لاری سے ٹکرا گئی ۔ میری سمجھ میں تو کچھ آتا نہیں ۔ رام سنگھ بہت محتاط ڈرائیوروں میں سے ہے ۔ میں کئی بار اس کے ساتھ سفر کر چکا ہوں ۔"

" تو کیا نوکروں کی حالت ......"

" نہیں ، نہیں ۔ کسی نوکر کی حالت نازک نہیں ہے ۔ یوں ہی معمولی خراشیں اور چوٹیں ہیں ۔ لیکن فی الحال وہ یہاں آنے کے قابل نہیں ہیں ۔ اور اس وقت تک کے لئے ہمارے پاس کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو ایک معمولی انڈا تک تل سکے ۔ یعنی ہم لوگوں کی ، جو کافی بھوکے ہیں ، ان سے زیادہ نازک حالت ہے ۔"

" مجھے تو انڈا تلنا آتا ہے ۔ اور آپ کو ڈاکٹر عارف ؟" صبیحہ نے کہا ۔

ڈاکٹر عارف نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا ۔ دھندلکے میں اس کا چہرہ بہت صاف نظر نہیں آتا تھا ۔ صبیحہ کی عمر بھی تقریباً اٹھائیس برس کی ہی رہی ہوگی ، جتنا کہ وہ خود تھا ۔ لیکن وہ اپنی جسمانی ساخت ، چستی اور زندہ دلی کی وجہ سے اصل عمر سے بہت کم کی نظر آتی تھی ۔ گٹھا ہوا مضبوط بدن ، جس سے شباب پھوٹا پڑتا تھا ۔ بہت حسین نہ تھی لیکن عام لڑکیوں سے کہیں زیادہ جنسی کشش رکھتی تھی ۔ اس کی ہنسی بڑی سریلی تھی ۔ عارف نے محسوس کیا کہ اسے ایک بار دیکھ لینے کے بعد لوگ آسانی سے نہیں بھلا سکتے ۔

" کتنی عجیب بات ہے ۔" فیروز نے سکوت توڑا ۔" ہم لوگ بعض حیثیتوں سے تقریباً اس جگہ پر

ہوئے ہیں۔ لیکن ہم چھ کے چھ ایک ایسے جہاز میں سوار نظر آتے ہیں جسے چلانے والا کوئی نہیں۔ آج مجھے معلوم ہوا کہ ذکر بھی کچھ اہمیت رکھتے ہیں۔"

"ہاں بات تو عجیب ہے۔" صبیحہ نے کہا۔ اور پھر گفتگو کا موضوع بدل کر عارف سے پوچھا۔ "کیا آپ سر سلطان صدیقی کے دوستوں میں سے ہیں۔؟"

"ہاں میرے ان سے اچھے تعلقات ہیں۔" ڈاکٹر عارف نے جواب میں کہا۔

"کیا وہ، جیسا کہ آپ نے خط میں لکھا تھا، اتوار کو یہاں آ رہے ہیں۔؟"

"جی ہاں۔"

"ہاں۔" فیروزہ نے عارف سے کہا۔ "محترمہ صبیحہ کو اس ماہر نفسیات یعنی پروفیسر خلیب سے خوف محسوس ہو رہا ہے۔" اس کے لہجے میں لڑکی کو کچھ چھیڑنے کا سا انداز تھا۔

"ہاں۔" صبیحہ نے کہا۔ "مجھے تمہارے نفسیات کے ماہر سے ڈر محسوس ہو رہا ہے آپ ہی سوچئے عارف صاحب! اگر اس شخص پروفیسر خلیب کے دعوے واقعی صحیح ثابت ہوئے گو کہ مجھے کل طور پر یقین نہیں ہے پھر بھی، جیسا کہ اس کا دعویٰ ہے کہ وہ کسی شخص کا چہرہ دیکھ کر اس کے دلی خیالات معلوم کر لیتا ہے، سچ نکلا۔ یعنی وہ کسی ایسی طاقت کا مالک ہوا جس کے تحت وہ دلی خیالات کو اس طرح پڑھ لیتا ہو جیسے ہم اخبار پڑھا کرتے ہیں۔ تب.... آپ سوچئے تب کیا ہوگا؟"

عارف خاموش کھڑا رہا۔ ایم فیروز نے کہا۔ "میں اس قسم کی طاقت کے معتقد نہیں ہیں۔"

"ہاں ابتک تو مجھے کوئی شخص، ایسی قوت کا مالک، مل نہیں سکا۔ لیکن خیر۔ اگر پروفیسر خلیب اپنے دعووں میں سچا نکلا تو کیا نقصان ہمیں پہنچا سکتا ہے۔" عارف نے

صبیحہ سے مخاطب ہو کر دریافت کیا

وہ فوارے کی طرح گھورتے ہوئے پرخیال انداز میں بولی ۔۔ " میں فیروز سے اسی موضوع پر گفتگو کر رہی تھی۔ کالج میں میں نے ایک نفسیاتی مضمون غالباً " لاشعور کے گوشے پڑھا تھا۔ اور مضمون حقیقت پر مبنی تھا۔ ہم سب ایک دوسرے سے گفتگو کرتے ہوئے وہ تمام باتیں زبان پر نہیں لاتے جو دل میں ہوتی ہیں۔ ذہن انسانی میں، ایسے، ایسے خوفناک خیال آتے ہیں کہ اگر عمل میں لائے جائیں تو سیکڑوں جانیں ضائع ہوں لیکن ان میں سے ایک فیصدی پر بھی عمل نہیں کیا جاتا۔ لاشعور غیر ارادی طور پر اسکیمیں سوچا اور بگاڑا کرتا ہے اب ایسے میں کوئی شخص ایسی پراسرار قوت کا مالک، آ کر ہمارے تمام دلی خیالات کو لوگوں کے روبرو بیان کرنا شروع کردے، تو اس کا انجام کیا ہوگا۔۔؟"

وہ کسی فاضل لیکچرار کی طرح اپنا پوائنٹ سمجھا چکنے کے بعد نظر بہ اٹھا کر فیروز کو دیکھنے لگی

"محض سوچنا تو کوئی جرم نہیں ہے۔ اپنے خیالات دوسروں پر عیاں ہو جانے میں خدشہ کیسا۔۔؟" فیروز نے کہا۔

" سوچنا جرم نہیں ہے۔ لیکن ہر وہ خیال جو ایک دن کے عرصہ میں تمہارے ذہن میں آتا ہے درج کیا جائے اور دن بھر کے تمام خیالات کا حال تمہارے دوستوں کے مجمع میں پڑھ کر سنایا جائے تو ۔۔۔؟" صبیحہ نے جواب دیا۔

" خدا بچائے۔۔۔۔۔۔"

" کیا تم اسے پسند کروگے ۔۔۔؟"

" میں اس کی بہ نسبت کھولتے ہوئے تیل میں کود جانا زیادہ پسند کروں گا۔" ایم فیروز نے کچھ دیر سوچ کر جواب میں کہا

" حالانکہ تم نے کوئی جرم، بڑا یا چھوٹا، کوئی جرم نہیں کیا، سچ کہو ۔۔۔؟"

" ہاں ۔ اس کے باوجود دن بھر کے تمام خیالات کا اظہار دوستوں میں کیا میں ہرگز پسند کروں گا۔"

" اچھا ایک چھوٹ اور سہی ۔۔" جیسو نے کہا ۔۔" جرائم کے علاوہ جو جنسی خواہشات تمہارے دماغ میں پرورش پاتی ہیں۔ مثلاً راہ چلتے ہوئے کسی لڑکی کو دیکھ کر جو اچھے بُرے خیالات تمہارے ذہن میں آتے ہیں، انہیں بھی چھوڑ دیا جائے، تب کیا تم بقیہ خیالات کے اظہار کی جرأت کر سکو گے؟"

" نہیں ۔۔" فیروز نے کہا ۔" کیا تم خود پسند کروگی کہ جو چھوٹے بڑے احمقانہ، بچکانہ قسم کے خیالات دن بھر تمہارے ذہن میں رینگتے رہتے ہیں وہ دوسروں کو معلوم ہو جائیں اور وہ تمہاری ذہنیت کی ہنسی اڑائیں ۔۔؟"

مس جیسو نے کہا " نہیں ۔۔"

" اور اگر اس میں سے جرائم و جنس کے متعلق خیالات الگ کر لئے جائیں ۔۔؟"

" تب بھی نہیں ۔۔"

" تو کیا تمہارے دماغ میں بھی جنس اور جرائم کے متعلق خیالات چکر لگایا کرتے ہیں ۔؟"

" بے شک ۔۔!"

" تو بس ۔ اس شخص کے سامنے، میرا مطلب پُراسرار پروفیسر غیب سے ہے ۔ اس کے سامنے اس قسم کے کسی خیال کو دماغ میں جگہ ہی دی جائے ۔۔"

" ناممکن ۔۔" جیسو نے کہا ۔" دماغ کو سوچنے سے روکنا انسان کے بس کی بات نہیں ہے ۔ اور اسی لئے میں چاہتی ہوں کہ ہم لوگ سلمیٰ کو سمجھائیں کہ وہ اس چکر میں نہ پڑے اور اس ماہر نفسیات کو یہاں سے چلتا کر دے ۔۔"

ایم فیروز خاموش کھڑا رہا۔ صبیحہ نے ڈاکٹر عارف کو مخاطب کر کے کہا۔

"آپ دیکھ لیجئے گا۔ یہ شخص تکلیف کا بانی ثابت ہوگا۔ میرا خیال یہ نہیں ہے کہ وہ کسی بُرے ارادے سے آرہا ہے لیکن ہر شخص کا اس میں گہری دلچسپی لینا مجھے سہمائے ڈالتا ہے۔"

"آخر کیوں ——؟" ایم فیروز نے دریافت کیا۔ اس کا لہجہ خود بھی اضطراب ہو چلا تھا۔

"نہ جانے تمہاری سمجھ میں کیوں نہیں آتا فیروز!" صبیحہ نے جھنجلا کر کہا۔ "تمہارا پروفیسر آتا ہے۔ تمام آدمیوں کے درمیان وہ اعلان کرتا ہے کہ تمہارے دماغ میں مثال کے طور پر ڈاکٹر عارف کے خلاف بہت سی باتیں موجود ہیں۔ اپنے آپ کو سچا ثابت کرنے کے لئے وہ مختلف دلیلیں پیش کرتا ہے۔ اگر وہ اپنے فن میں ماہر ہے تو ضرور کامیاب ہوگا اور تب تم دونوں کا کیا عالم ہوگا خود سوچ لو ——"

رات کی تاریکی بڑھتی جا رہی تھی۔ فوارے کی ابلنے کی آواز خاموشی کو قطع کر رہی تھی۔ اس پر چمکنے والا قمقمہ روشن تر ہو گیا تھا۔ اب ڈاکٹر عارف کی سمجھ میں آگیا تھا کہ اسے پہلی کوٹھی میں کس لئے بلایا گیا تھا —— اس نے ایم فیروز سے دریافت کیا۔

"سچ بتانا فیروز! کیا تم نے اسی ارادے سے مجھے اور مسز سلطان کو یہاں نہیں بلوایا تھا کہ ہم دونوں اس کی صداقت اور مکاری کے بارے میں سراغ رسانی کریں ——؟"

فیروز کو کچھ چوٹ سی لگی —" نہیں۔ میں نے تم لوگوں کو ہرگز اس خیال سے نہیں بلایا تھا۔ در اصل سلیم اور بیگم سلیم بذات خود تمہاری اور مسز سلطان کی اس موقع پر شرکت کے خواہشمند تھے۔"

"شکریہ۔ تو اب میں یہاں آگیا ہوں اور اپنے میزبانوں سے ملنا چاہتا ہوں۔ وہ لوگ کہاں ہیں؟"

"وہ دونوں باہر گئے ہوئے ہیں۔ اسپتال میں اپنے نوکروں کی حالت دیکھنے کے لئے بس ابھی

ہی ساتھ کھانا وغیرہ پکانے کے لئے عارضی طور پر کسی دوسرے نوکر کو بھی تلاش کریں گے۔ نہیں واپسی میں دیر ہو گئی۔ ممکن ہے سلمٰی کو کوئی نیا پلاٹ مل گیا ہو۔"

"نیا پلاٹ!؟" صبیحہ نے چونک کر پوچھا

"ہاں — ہاں — اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟" فیروز نے جواب دیا۔ "کیا تمہیں معلوم نہیں کہ سلمٰی سلیم ایک اچھی ناولسٹ بھی ہے۔ نہیں ہنسنے کی ضرورت نہیں ہے عام طور پر ناول نگاروں کو لوگ عجیب الخلقت تصور کرتے ہیں۔ لیکن سلمٰی ایک مکمل مہذب خاتون ہے۔ اپنی کتابیں لکھتے ہوئے وہ دوسروں کا سہارا نہیں لیتی۔ اپنے مشاہدے کی بات کرتی ہے۔ ابھی حال ہی میں اس کا ایک ناول انڈونیشیا کے کسی مندر کے بارے میں شائع ہوا تھا اور شاید تمہیں یقین نہ آئے محض اسی ناول کا مواد حاصل کرنے کے لئے دونوں میاں بیوی چھ ماہ تک انڈونیشیا میں رہ آئے ہیں۔ حالانکہ اس سفر میں دونوں پر ملیریا کا حملہ ہوا۔ سلیم تو مرتے مرتے بچا تھا۔ اب اسے سردی دے کر بخار آیا کرتا ہے تم لوگ دیکھو گے تقریباً ہر کمرے میں آج کل بھی آتشدان دہکا کرے گا اور زیادہ تر کھڑکیاں بند رہیں گی۔ صبیحہ تم ہوشیار رہنا۔ کہیں غلطی سے بہت سی کھڑکیاں نہ کھول دینا ورنہ سلیم ذرا جھکی قسم کا آدمی ہے۔ وہ نہ گردن آدبوچے گا۔"

"ہاں — "صبیحہ نے کہا — "میں نے خود محسوس کیا ہے کہ مجھے سلیم سے کچھ دہشت سی ہوتی ہے سلمٰی البتہ بڑی پیاری سہیلی ہے —"

"نہیں ویسے سلیم برا آدمی نہیں ہے" فیروز نے جواب دیا۔ "بس ذرا جھکی اور چڑچڑا ہے۔ شاید مسلسل بیمار رہنے کا نتیجہ ہو —"

"چلو، چھوڑو —" صبیحہ نے تنک کر کہا۔ "مجھے میاں سلیم کی خصلت

معلوم ہے حضرت عمر میں سلمیٰ سے کم از کم بیس سال بڑے ہیں۔ شکل و صورت میں بھی خاص نہیں ہیں۔ عام طور پر ایسے مرد اپنی کم عمر بیویوں کو پوجا کرتے ہیں۔ لیکن یہ حضرت کسی لونڈی کی طرح حکم اس پر چلاتے ہیں۔ تمام لوگوں کے سامنے اس کے عیوب گناتے ہیں۔ سچ کہتی ہوں اگر میرے ساتھ کسی مرد کا ایسا رویہ ہو تو میں زہر کھا کر مر جاؤں ۔"

"کچھ بھی ہو سلمیٰ تو اسے پسند کرتی ہے ۔" فیروز نے کہا ۔ " اور بس ۔ میرے خیال میں ہمیں اپنے میزبانوں کے مکان میں ان پر نکتہ چینی نہیں کرنا چاہئے ۔" پھر کچھ ہچکچاتے ہوئے اس نے ڈاکٹر عارف سے کہا ۔" عارف ! اس میں تو شک نہیں کہ طویل عرصہ تک ملیریا میں مبتلا رہنے سے سلیم خبطی ہو گیا ہے ۔ کبھی کبھی چڑ چڑے پن اور خشونت کا دورہ اس پر پڑا کرتا ہے ۔ پھر بھی تم اسے پسند کرو گے ۔ رہی بات پروفیسر خطیب کی ، تو اسے سلمیٰ نے کہیں سے کھود نکالا ہے ۔ اور وہ اس کی دنیا خیالات جاننے والی پر اسرار طاقت کا بڑی حد تک معترف ہے ، کبھی کبھی تو مجھے خیال آتا ہے کہ کوئی پر لطف مذاق تو نہیں سوچ رکھا ہے اس نے ؟ سلیم کو پروفیسر خطیب قطعاً پسند نہیں ہے ۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ تم اور تمہارے سراغرساں دوست سر سلطان اس کے بارے میں کیا رائے قائم کرتے ہیں ۔۔ ؟

(۴)

ڈاکٹر عارف نے کہا ۔" تم نے میرے بارے میں شاید غلط اندازہ قائم کر رکھا ہے فیروز ۔۔ ! میں کوئی جاسوس نہیں ہوں ۔ میرا کام تو پولیس اور عدالت کے لئے

مُردوں کا پوسٹ مارٹم کرتا اور رپورٹ تیار کرتا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میرے پیشے کا تعلق تمہارے پروفیسر خطیب سے کہاں پر ملتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ مجھے یہ بھی نہیں معلوم کہ تمہارا یہ پراسرار ماہر نفسیات سائنس کی کس شاخ سے تعلق رکھتا ہے اور کن اصولوں کے تحت کام کرتا ہے۔"

"مجھے خود بھی علم نہیں۔" فیروز نے جواب دیا

"ہاں۔" عارف نے تقریر جاری رکھی۔" اس قسم کے کچھ لوگوں سے میرا واسطہ پڑا ہے وہ سب محض چار سو بیس ثابت ہوئے۔ دو آدمی مل کر کام کرتے ہیں۔ ایک سیاہ کپڑا اوڑھ کر بیٹھ جاتا ہے اور دوسرا ہاتھ میں کوئی چیز لے کر پوچھتا ہے کہ یہ کیا ہے اور اس طرح کھیل جاری رہتا ہے۔ یا پھر کچھ لوگ اکیلے بھی کام کرتے ہیں۔ تماشائیوں سے سوالات پرچے پر لکھوا کر جمع کر لیتے ہیں اور پھر مہر لگے ہوئے لفافے میں سے دوسرے پرچے نکال کر دہی سوالات پڑھ کر سناتے ہیں لیکن آدمی ذرا سا ہوشیار ہے تو اس قسم کے مداریوں کی ہاتھ کی صفائی پکڑی جا سکتی ہے۔ اگر تمہارا پروفیسر خطیب ان دو قسم کے لوگوں میں سے کوئی ایک ہے تو بے شک میں تم لوگوں کی مدد کر سکوں گا۔"

"نہیں ڈیر! وہ ان لوگوں سے مختلف ہے۔" فیروز نے جواب دیا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ ہے کہ۔" صبیحہ نے کہا۔" وہ خاصہ تعلیم یافتہ آدمی ہے اور دنیا کی مختلف یونیورسٹیوں سے سند یافتہ ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ میں اس کی ڈگریوں سے مرعوب ہوں۔ لیکن اس کے صاف دل اور ایماندار ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے۔ علاوہ ازیں وہ یہ کام روپیہ حاصل کرنے کی غرض سے بھی نہیں کرتا۔" "ہاں اس کے

کام کا طریقہ وہ ہے جو ابھی آپ نے مختلف مداریوں کا بیان کیا ہے۔"

"تب پھر وہ کس قسم کا آدمی ہے۔ یوں تو ہو نہیں سکتا کہ وہ تمہیں سامنے بٹھا کر کہنے لگے :" کہ اس وقت تم سوچ رہی ہو کہ اگلے ہفتے میں مجھے آگرہ کی سیر کرنا چاہئے، اور یہ بات پتے نکلے۔؟

"جی ہاں وہ اس قسم کا آدمی ہے!" جیسمو نے الفاظ چبا کر ادا کئے۔ تاریکی اور دبیز ہو گئی تھی لیکن پھر بھی ایم فیروز نے عارف کے چہرے پر حیرت کے آثار دیکھ لئے۔ "کیوں تمہیں بہت تعجب ہوا شاید۔؟" اس نے عارف سے دریافت کیا۔

"ہاں۔" عارف نے تسلیم کیا۔ "سائنس کے اس دور میں اس قسم کی باتوں پر یقین کرنا مشکل ہے۔ پچھلے زمانے میں اس قسم کی روحانی طاقتوں پر کامیاب تجربے کئے گئے تھے۔ شوپنہار اور اس قسم کے دوسرے فلسفیوں کا اس پر اعتقاد بھی تھا لیکن آج کے دور میں سائنس نے ان تمام خیالات کو باطل ثابت کر دیا ہے اب ہمیں ٹھوس اور عملی ثبوت درکار ہوتے ہیں۔ محض ماضی کی روایات کی بنا پر ہم کسی بات کا یقین نہیں کر سکتے۔ مثال کے طور پر مسمریزم کو لیجئے۔ عام طور پر لوگ اس قوت کے معترف ہیں لیکن سائنس اسے نہیں مانتی۔ وہ لوگ کہتے ہیں کہ جب یہ طاقت ٹھوس اصولوں کے تحت کام کرتی ہے تو پھر وقت اور خواہش کا کوئی سوال نہیں اٹھتا۔ محض معمول کے یہ کہہ دینے سے کہ اس وقت وہ موڈ میں نہیں ہے یا حالات سازگار نہیں ہیں، ان کی تسکین نہیں ہوتی۔ وہ کہتے ہیں اگر طاقت حقیقی ہے تو سوئچ دباتے ہی برقی قوت کی طرح اپنا عمل دکھلائے ——— خیر ——— تم اپنے اس پروفیسر کے بارے میں کیا جانتے ہو ذرا تفصیل سے بتلاؤ ———"۔

قدرے توقف کے بعد صبیو نے جواب دیا ـــــــ

"ہم لوگوں کی معلومات اس بارے میں محدود ہیں۔ ہاں وہ اپنے اس پیشہ سے ایک پیسہ کی بھی آمدنی نہیں چاہتا۔ وہ غالباً سلمیٰ کو انڈونیشیا سے واپس لوٹتے ہوئے راہ میں کہیں ملا تھا۔ کہتا ہے کہ وہ کچھ خاص تجربہ کر رہا ہے ـــ"

"کیسے تجربے ـــــ؟"

"قوت تخیل یا قوت ارادی کو ٹھوس طاقت کی طرح استعمال کرنے کے سلسلے میں اس موضوع کو زیادہ بہتر طور پر وہ خود ہی سمجھا سکے گا۔ عجیب پراسرار سا آدمی ہے۔ اپنے آپ میں کھویا کھویا سا۔ بری طرح احساس کمتری کا شکار ہے۔ کبھی کبھی کہتا ہے کہ اس طرح دلی خیالات کا علم حاصل کر کے وہ ایک بہت عظیم مہم کا آغاز کرنے جارہا ہے اور کبھی آپ کے جوتے پر پالش کرنے کے لئے مصر ہو جائے گا۔ عجیب شخص ہے۔ آپ اسی سے گفتگو کیجئے گا اور پھر......"

"کون صاحب مجھ سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں ـــــ؟" ایک نئی آواز سنسناتی ہوئی دریافت کرتے سنائی دی۔

فوارے پر چمکتے ہوئے چھوٹے سے بلب کی روشنی ایک ہیولیٰ داہنی سمت کے دروازے سے اندر آتا ہوا نظر پڑا۔ قریب آنے پر نو وارد کے بارے میں معلوم ہوا کہ اوسط درجہ کی قامت کا چوڑے شانوں والا ایک شخص جس کی ٹانگیں خفیف سا خم لئے ہوئے ہیں۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ ناچ رہی تھی۔ آواز بھاری سی تھی خوش گوار لہجے میں ٹھہر ٹھہر کر گفتگو کرنے کا عادی تھا۔

"اندھیرا ـــــ!" فیروز نے جلدی سے کہا ـــ "میرا مطلب ہے اندھیرا

بڑھ گیا ہے۔ بہتر ہوگا اگر روشنی کر لی جائے۔"

عارف نے اس کے لہجے میں کچھ اضطراب سا محسوس کیا۔ ایم فیروز نے اٹھ کر قریب ہی ایک سوئچ آن کیا۔ چاروں کونوں میں ایک ایک بلب روشن ہو گیا۔

"شکریہ۔!" کہہ کر وہ نووارد عارف کی طرف متوجہ ہوا۔ "آپ کیا ڈاکٹر عارف ہیں؟"

"جی ہاں اور آپ غالباً..... ؟"

"خطیب —" نووارد گویا ہوا — "پروفیسر خطیب کہتے ہیں آپ کے اس خادم کو —" اس نے کھڑکی کے دونوں پٹ پر ہتھیلیاں رکھ دیں اور پیر اٹھا کر اپنے جوتے چوکھٹ سے رگڑنے لگا تاکہ ان میں لگا ہوا کیچڑ چھوٹ جائے۔ پھر مصافحہ کرنے سے قبل اس نے اپنے دونوں ہاتھ دیکھے کہ صاف ہیں یا نہیں۔ عارف نے اندازہ لگایا کہ وہ چالیس سال سے زائد کا نہ ہوگا۔ بھوتے گھنگھریالے بال، گھنے دار بھوؤں کے نیچے گڑھے میں گھسی ہوئی قدرے چھوٹی چمکیلی آنکھیں۔ چوڑی ناک، چہرے پر ذہانت کے کوئی خاص آثار نہ تھے۔ جبڑے پر جھریاں پڑی ہوئی تھیں۔ لیکن مجموعی طور پر اس کی شخصیت اسرار کے ہالے میں ملفوف نظر آتی تھی۔ گفتگو کرتے ہوئے وہ اپنے شانوں کو بہت خفیف حرکت دیتا تھا۔

"آپ کے مزاج کیسے ہیں —؟" وہ کرسی پر بیٹھتے ہوئے عارف سے مخاطب ہوا۔

"معاف کیجئے گا غیر ارادی طور پر آپ لوگوں کی گفتگو کے کچھ جملے کانوں میں پڑ گئے تھے لہٰذا....."

"اور میرا خیال ہے آپ نے ہماری بے تکلفی کا بُرا نہ مانا ہوگا —" ڈاکٹر عارف نے معذرت چاہی۔ "جی نہیں جی نہیں" اس نے جلدی سے کہا۔ "دراصل میں

اس قسم کی سوشل تقریبوں میں شرکت کا عادی نہیں ہوں لیکن مسز سلیم کی خواہش کا احترام لازمی تھا۔

وہ مسکرانے لگا۔ لیکن عارف نے محسوس کیا کہ اس شخص کی آمد سے نقشہ بالکل بدل گیا ہے۔ دانستہ یا نادانستہ اس شخص نے اپنے اردگرد ایک خاص شہرت حاصل کر لی تھی۔ اس کی آمد سے ہر شخص کچھ مضطرب نظر آتا تھا۔ انہی جگہ یہ سوچتا ہوا کہ کہیں یہ شخص میرے دلی خیالات نہ معلوم کرلے۔ اور اسی لئے برے خیالات کو دماغ سے دور رکھنے کی کوشش میں مصروف تھا لیکن عام کلیہ ہے کہ ذہن کو جس بات کے سوچنے سے روکا جاتا ہے وہ اسی طرف زیادہ مائل ہوتا ہے۔ ایک گہری سانس لیکر آخرش ایم فیروز نے کہا۔

" مسٹر خطیب! ہم لوگ ابھی آپ کے بارے میں ڈاکٹر عارف کو بتلا رہے تھے کہ کس قسم کی پُراسرار قوت کے مالک آپ ہیں —"

" شکریہ — پھر ان کا خیال ہے؟" اس نے استفہامیہ نظروں سے عارف کو دیکھا

"سچ پوچھئے تو انھیں بہت حیرت ہوئی" فیروز نے جواب دیا۔

" اچھا —" پروفیسر نے مسکرا کر کہا " کیا میں آپ سے دریافت کرسکتا ہوں کہ آپ کو حیرت کیوں ہوئی؟" اس وقت عارف کی دلی خواہش یہ ہوئی کہ پروفیسر اپنی وہ عجیب سی نگاہیں اس پر سے ہٹالے۔ اس نے کہا —

" حیرت نہیں ہوئی بلکہ میں کچھ چونکا تھا۔ اور حقیقی دنیا میں رہنے والا ہر شخص اس قسم کی بات سن کر چونکے گا —"

" کیوں —؟"

" سائنس ایسی کسی قوت کو نہیں مانتی جو قدرتی نظام کو درہم برہم کرسکے —"

" شاید اسی لئے سائنسدان قوت متخیلہ اور قوت ارادی پر کھوج بھی نہیں کرتے کہ یہ نسل انسانی کے لئے کارآمد ثابت نہ ہوگی ۔"

" بے شک قطعاً کارآمد نہیں ہوسکتی ۔"

پروفیسر کی بھویں سکڑ گئیں اور اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک پیدا ہوئی ۔ کہنے لگا ۔

" لیکن اس سے تو آپ انکار نہیں کرسکتے ہیں کہ عہد گزشتہ میں قوت ارادی پر بڑے کامیاب تجربے کئے جاچکے ہیں ۔"

" لیکن ٹھوس کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا ۔"

" یہ تو کوئی بات نہ ہوئی ۔" خطیب نے مسکرا کر کہا ۔" اگر یہی سوچا جاتا کہ لالٹین کے بارے میں پہلے تجربے کامیاب نہیں رہے اس لئے مزید کوشش ترک کردی جائے تو آج دنیا وائرلیس سے محروم ہوتی ۔"

" یہی تو میں بھی کہنا چاہتا تھا ۔" عارف نے جلدی سے جواب دیا ۔ دلی خیالات معلوم کرنیکی تمام تر تھیوری کچھ اصولوں، چند خاص بیسس پر قائم ہے اور وہ اصول سمجھائے جاسکتے ہیں ۔ کیا آپ خود اس نامعلوم طاقت کے اصول سمجھا سکتے ہیں ؟"

" جی ہاں ۔ مناسب سمجھنے والوں کو ۔"

" اور مجھے نہیں ۔۔؟"

" دیکھئے صاحب!" پروفیسر خطیب نے مطمئن ایماندارانہ لہجے میں زور دے کر کہا ۔" مجھے سمجھنے کی کوشش کیجئے ۔ آپ سمجھتے ہیں کہ میرے دلائل غلط ہیں،

چونکہ میں مثالیں دیکر سمجھانا چاہتا ہوں۔ لیکن جب ایک تخیل بالکل نیا ہوتا ہے سمجھانے کے لئے مثالیں دینی ہی پڑتی ہیں۔ اس کے بغیر میں اپنی بات سمجھا ہی نہیں سکتا۔ فرض کیجئے میں وائرلیس کے اصول افریقہ کے ایک غیر مہذب شخص کو سمجھانا چاہتا ہوں، معاف کیجئے گا۔ لازمی ہے کہ میں مثالیں دیکر اسے سمجھاؤں گا۔ ورنہ اصول اور اس کا نتیجہ دونوں اسے پراسرار سے معلوم ہوں گے۔ یہی حالت عام طور پر میری اسوقت ہوتی ہے جب لوگ مجھ سے قوت ارادی کے اصول سمجھنا چاہتے ہیں ایک بالکل نئی چیز کے بنیادی اصول بھی عجیب معلوم ہوں گے۔ بنیادی اصول اس کا یہ ہے کہ جس طرح پانی، ہوا، روشنی اور آواز کی لہریں ہوا کرتی ہیں۔ اسی طرح خیالات کی لہریں بھی ہوتی ہیں جن میں ٹھوس مادی طاقت ہوتی ہے۔ اب جس طرح وائرلیس کے اصول ایک جنگلی آدمی کو پانچ دن میں اور آپ کو پانچ منٹ میں سمجھ میں آجائیں گے۔ اسی طرح قوت ارادی کے اصول اس کے معتقدوں اور اس سے بہرہ ور ہونے والوں کو پانچ منٹ میں ذہن نشین ہو جائیں گے اور آپکو سمجھنے میں کافی عرصہ لگے گا۔"

ڈاکٹر عارف نے بے یقینی سے کہا — "تو آپ کا کہنا ہے کہ خیالات کی رو میں ویسی ہی مادی طاقت پنہاں ہوتی ہے جیسی آواز اور روشنی وغیرہ میں۔؟"

"جی ہاں —"

"لیکن روشنی اور آواز کی طاقت بھی آج کی سائنسی دور میں ناپی اور تولی جا سکتی ہے!"

"بے شک — آواز کی طاقت سے شیشہ توڑا جا سکتا ہے، بلکہ انسانوں کو قتل کیا جا سکتا ہے۔ بالکل یہی بات خیالات اور قوت ارادی پر بھی صادق آتی ہے۔"

"ذرا ٹھہریئے پروفیسر۔ ار... خطیب صاحب!" ڈاکٹر عارف نے جلدی سے روکا — "آپ کہتے ہیں کہ کسی شخص کو محض اپنے خیالات اور قوت ارادی کے زور

نقل کیا جاسکتا ہے۔ یہ تو قطعاً غیر یقینی بات ہے۔ اور ہم لوگ اس پر بعد میں غور کریں گے فی الحال قوت ارادی کے ٹھوس مادی قوت ہونے کے بارے میں اور کیا ثبوت دے سکتے ہیں؟"

"جی ہاں! میں آپ کو بتلا سکتا ہوں کہ آپ کے دلی خیالات کیا ہیں؟"

ڈاکٹر عارف کو محسوس ہوا جیسے یہ اس کے لئے ایک قسم کا کھلا ہوا چیلنج ہے۔

"یعنی آپ کا دعویٰ ہے کہ آپ ہر شخص کے خیالات دلی معلوم کر سکتے ہیں؟"

"جی ہاں تقریباً۔" پروفیسر خطیب نے تسلیم کیا۔ "اگر کوئی شخص اپنے خیالات کو دل ہی دل میں مجھ سے چھپانے کی کوشش کرتا ہے تو اس صورت میں کچھ دقت ضرور ہوتی ہے لیکن اس کے بھی طریقے ہیں۔"

بات اتنی سادگی اور روانی سے کہی گئی تھی کہ عارف کو ابھی سے کچھ کچھ یقین سا اس کی صداقت پر ہونے لگا۔ پہلے وہ اس شخص کو پاگل سمجھتا تھا لیکن اب، اب عالم یہ تھا کہ اس کے خیالات اندر ہی اندر لاشعور کے کونوں اور گوشوں میں چھپتے پھر رہے تھے کہ کہیں پروفیسر کی تیکھی نگاہ انہیں پکڑ نہ لے۔ آخر ش اس نے کہا۔

"تو کیا آپ مجھ پر تجربہ کرنا چاہتے ہیں۔؟"

"بے شک! اگر آپ کی خواہش ہو۔"

"بہتر ہے۔ شروع کیجئے۔" عارف نے کہا اور سنبھل کر بیٹھ گیا۔

"اچھی بات ہے۔" خطیب نے کہنا شروع کیا۔ "جب سے آپ... نہیں نہیں اس سے کوئی فائدہ نہیں۔"

"جی۔ کس سے کوئی فائدہ؟"

"آپ اپنے دماغ کو ہر قسم کے خیالات سے پاک کرنا چاہتے ہیں لیکن اس کوشش سے کوئی فائدہ نہیں ذہن کے دریچوں کو مقفل کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ مجھ سے خوفزدہ نہ ہوجئے۔ میں آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ ہاں آپ کے دماغ میں آج کسی سا قصہ ان

کی لائبریری سے بدھ کی مورتی اٹھا کر جیب میں رکھ لینے کا خیال پیدا ہوا تھا — !"

بات سو فیصدی درست تھی۔ اس قسم کے خیالات بغیر کسی تحریک یا خواہش کے دماغ میں اکثر پھسل آتے ہیں۔ راہ چلتے ہوئے کسی گمنام آدمی کا سفر خواہ مخواہ ذہن میں کی خواہش ہوتی ہے کسی سے گفتگو کرتے کرتے اچانک کسی فلم ایکٹریس کا خیال آجاتا ہے بڑی عام سی چیز ہے۔ ————— ایک عام خیال کو اس پروفیسر کی زبانی معلوم کر کے عارف کو خود ہی بڑی ندامت محسوس ہوئی۔

" علاوہ ازیں آج آپ ......"

" ذرا ٹھہرو — " جیبو نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے پروفیسر خطیب کو رد کردیا اور عارف سے پوچھا — " کیا ان کی پہلی بات درست تھی — ؟"

" جی ہاں !"

" کیوں عارف !" ایم فیروز نے مسکرا کر اپنی جگہ سے آوازہ کہا — " میں نہ کہتا تھا کہ یہ پروفیسر کوئی عام قسم کے نجومیوں یا مداریوں میں سے نہیں ہیں — اب تبلاؤ وہ کاغذ کے پرچوں پر لکھ کر سوال تبلانے والی بات تو ہاتھ کی صفائی ہوتی ہے اور یہ سامنے بیٹھ کر دل کا حال تبلانے میں کون سی چالاکی ہے — ؟"

" کیسی صفائی — کیسی چالاکی — ؟" پروفیسر خطیب نے کہا " عام طور پر جو بات لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتی اسے ہاتھ کی صفائی یا چالاکی کہہ کر ٹال دیا جاتا ہے۔" ڈاکٹر کیا ایک بازی اور ہو — ؟"

" ہاں ٹھیک ہے۔ شروع کرو۔" ڈاکٹر عارف نے جواب دیا۔

" بہت بہتر ہے۔" اس نے گھور کر عارف کو دیکھتے ہوئے کہا اور پھر اپنا داہنا ہاتھ

پھیلا کر دو تین بار آنکھوں کے سامنے پھرایا اور انگلیوں میں چٹخانے لگا۔

"تمہارے جذبات پر حال ہی میں کاری چوٹیں پہنچی ہیں۔" اس نے کہنا شروع کیا اور پھر تمام باتیں جو طلعت، پروین اور رجالی کے بارے میں ڈاکٹر عارف کو معلوم تھیں دہرا گیا۔ اس تمام عرصے میں جب پروفیسر خطیب، عارف کے دلی خیالات سناتا رہا، اسے یوں محسوس ہوتا رہا جیسے اس کے دماغ سے خیالات اس طرح چن چن کر نکالے جا رہے ہیں جیسے کوئی ماہر ڈاکٹر مریض کے منہ سے دانت نکال لیتا ہے۔

"معاف کیجئے گا۔" پروفیسر خطیب نے خیالات بیان کر چکنے کے بعد کہا۔ "مجھے اتنا بے تکلف نہ ہونا چاہیئے تھا۔ لیکن آپ کے اصرار پر ہی میں نے بے کم و کاست تمام خیالات بیان کئے ہیں۔ ابھی یہ سلسلہ آگے جاری رکھا جا سکتا ہے۔ مثلاً دو خاص باتیں آپ بڑی کوشش کر کے مجھ سے چھپانا چاہ رہے تھے۔" وہ ہچکچاتے ہوئے بولا۔

"کیا میں بیان کر دوں ۔۔۔؟"

"ہاں کہتے چلو ۔۔۔" ڈاکٹر عارف نے دانت میں کر ظاہر اسکون کے لئے ہدایت دی۔

"میرا خیال ہے آپ ۔۔۔" خطیب نے کوئی اعتراض کرنا چاہا۔

"میں کہتا جو ہوں کہ میرے اور خیالات بیان کرو۔"

"ابھی بالکل حال ہی میں ایک نیا خیال آپ کے ذہن میں پیدا ہوا ہے۔" خطیب نے کچھ متعجب ہو کر کہا۔ "جب سے آپ اس مکان میں آئے ہیں۔ مس صبیحہ میں آپ کو خاص کشش محسوس ہوتی رہی ہے۔ غالباً یہ ایک جذباتی ردعمل ہے۔ آپ سنجیدگی سے سوچ رہے ہیں کہ کیا مس صبیحہ اس دوسری لڑکی کی بہ نسبت آپ کے لئے زیادہ بہتر ثابت نہ ہوگی۔"

"مجھے معلوم تھا ۔۔۔" ایم فیروز نے اچھل کر کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ صبیحہ خاموش

رہی۔ معلوم ہوتا تھا جیسے اس نے پروفیسر خطیب کی بات سنی ہی نہ ہو۔ وہ بہ ظاہر فوارے کے پانی کو حوض میں گرتے ہوئے دیکھنے میں مصروف تھی۔

"کیا میرا بیان درست ہے ڈاکٹر صاحب؟" پروفیسر خطیب نے پوچھا۔ لیکن اس بار الفاظ کے بجائے اس کا لہجہ کچھ اتنا عجیب تھا کہ صبیحہ اپنی ظاہری بے التفاتی کو بھول کر اسے حیرت آمیز نگاہوں سے دیکھنے پر مجبور ہو گئی۔

ڈاکٹر عارف نے کوئی جواب نہ دیا۔

"ہاں ۔ تو تم پروفیسر کے بیان کو سچ تسلیم کرتے ہو۔" ایم فیروز نے کہا۔ "اچھی بات ہے مسٹر خطیب! بتلائیے تو میں کیا سوچ رہا ہوں ۔۔۔ ؟"

"افسوس میں بیان کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا ۔۔۔"

"یعنی اس طرح آپ میرے پست ذہنیت ہونے کی سند دے رہے ہیں ۔۔۔ خیر یہی بتلائیے کہ مس صبیحہ، جنہیں میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ گذشتہ ہفتہ سے کیا سوچ رہی ہیں؟"

خوش قسمتی سے اسی وقت مکان کے اندرونی تاریک حصے میں سے قدموں کی ملی جلی آوازیں سنائی دینے لگیں اور وہ لوگ اس طرف متوجہ ہو گئے۔ پھر اچانک پردہ ہٹا اور ایک عورت تیزی سے چلتی ہوئی مسکراتی ہوئی اندر آ گئی۔ ان لوگوں کو وہاں موجود پا کر اس نے اپنا دوپٹہ درست کیا۔ اس اثناء میں ڈاکٹر عارف نے جان لیا تھا کہ وہ اور کوئی نہیں ان لوگوں کی میزبان اور مشہور ناول نگار سلمیٰ تسلیم ہے۔ اس کے آنے کا اس وقت پروفیسر خطیب کے پنجے سے ان لوگوں کو چھٹکارا دلا سکتے تھے۔

ڈاکٹر عارف محسوس کرنے لگا تھا کہ یہ دلی خیالات معلوم کرنا اور لوگوں کے سامنے بیان کرنے والا کھیل کچھ دیر اور جاری رہا تو باقاعدہ ہاتھا پائی کی نوبت پہنچ جائے گی۔

لیکن انسانی فطرت سے مجبور ہوکر ہر شخص محض رسماً یا صرف اظہارِ برتری کے لئے اس تعین کو جاری رکھنے کا اصرار بھی کر رہا تھا۔ اگر یہی عالم رہا جو کہ ابھی اس کی آمد کے آغاز سے شروع ہوا تھا تو پھر اس تقریب کا انجام کیا ہوگا؟ ڈاکٹر عارف کی کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔

"بھئی معاف کرنا —" آپ لوگ بڑی دیر تک اکیلے رہے —" سلمیٰ سلیم نے معذرت چاہی۔" اس کے علاوہ تمام انتظام درہم برہم ہوگیا ہے کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کام کیسے چلے گا؟"

ڈاکٹر عارف نے اسے غور سے دیکھا۔ عورت قبول صورت، مخلص اور خوش اخلاق معلوم ہوتی تھی۔ متناسب قد کی پھرتیلی اور چست و چوبند خاتون تھی۔ آنکھیں بڑی بڑی اور خوبصورت تھیں۔ گہرے سیاہ بال گوندھ کر دو چوٹیوں کی شکل میں پیٹھ پر پڑے ہوئے تھے لباس کی تراش نیشن ایبل ہونے کی دلیل تھی۔ مجموعی طور پہ عورت پرکشش تھی۔ عرصہ تک ملیریا میں مبتلا رہ چکنے کے آثار ابتک اس کے چہرے اور آنکھ کی پتلیوں سے ظاہر ہوتے تھے۔

"دراصل میں ......" سلمیٰ نے کچھ ہچکچاتے ہوئے پھر کہا۔" آپ لوگوں کو اس نے تلاش کرتی مجبور ہی تھی کہ سلیم صاحب کے بارے میں کچھ بتلا دوں۔ دوسرا غلط فہمی کی بنا پر شاید کوئی غلط فہمی آپ لوگوں کو ان کی طرف سے پیدا نہ ہو جائے جو میرے لئے افسوس کا باعث ہوگی۔ دراصل وہ مسلسل بیماری کی وجہ سے چڑچڑے مزاج

شہرناک ہو غرضیکہ ہندوستان میں
ہو گئے اگر موڈ ٹھیک نہ ہوا تو تنک مزاجی عود کر آتی ہے۔ اور آج نوکروں نے حاضر نہ
ہونے کی وجہ سے ان کا موڈ ... اوہ ـــ "

وہ ڈاکٹر عارف کو دیکھ کر خاموش ہو گئی۔ ایم فیروز نے آگے بڑھ کر دونوں کا تعارف کرایا۔

" یہ ڈاکٹر عارف ہیں سلمیٰ باجی ـ !" اس نے ہنستے ہوئے کہا اور پھر عارف
کی طرف مڑ کر دفعتہً بولا ـ " یہ ہیں مشہور ناول نگار سلمیٰ سلیم صاحبہ! میری رشتے کی
بہن بھی ہوتی ہیں۔ انھیں زیادہ تر جاسوسی ناولیں لکھنے کا ذوق ہے۔ حال ہی میں
ان کا ناول " دوسری شخصیت " منظر عام پر آیا ہے۔"

سلمیٰ اور عارف دونوں نے مسکرا کر ایک دوسرے کو دیکھا۔

" دوسری شخصیت " کا مطالعہ میں نے بھی کیا ہے ـ" ڈاکٹر عارف نے مصنفہ سے
کہا ـ " اور مجھے وہ ناول بہت پسند آیا تھا۔ خصوصاً آپ نے اس میں جس پُر اسرار
زہر کا تذکرہ کیا ہے وہ عجیب ہے اور سائنس کے اصول کے مطابق ہے۔ اس کا خیال
آپ کے ذہن تک کیسے پہنچا ـ ؟ "

" میں آپ کو کیا بتاؤں ـــ " سلمیٰ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا " مختلف قسم
کے لوگوں سے مختلف موضوعات پر گفتگو کرتے ہوئے بعض باتیں معلوم ہوتی ہیں اور
ذہن کے گوشے میں محفوظ رہ جاتی ہیں ـ" پھر اس نے موضوع تبدیل کر دیا " چلئے
آپ لوگ اندر تشریف لے چلئے۔ مجھے بہت رنج ہے کہ محض نوکروں کی کمی نے
وہ محفل میں بھنگ کر دیا۔ ہاں آپ کو بر جیس نگر اور یہ " پیلی کوٹھی " پسند آئی یا نہیں۔؟
میں نے بچپن کہا سے " پیلی کوٹھی " جیسے مقامات کی دلدادہ رہی ہوں۔ بہت سے لوگ ہیں
جو ایسی جگہوں کو دیکھ کر ناک بھوں چڑھاتے ہیں۔ لیکن مجھے یہ پسند ہے۔ مجھے یہاں

کی فضا اور ماحول پسند ہے۔ سلیم صاحب کو بھی پسند ہے ـــــ ارے بھیا فیروز! ذرا فرمانبردار بچے کی طرح چلے تو جاؤ۔ بھئی نوکر نہ ہوں تو کام خود بھی کرنا پڑتا ہے سفری تھرماس میں چائے موجود ہے۔ بس ٹرے میں لے آنا ہے۔ ٹھیک ہے نا ـــــ اوہ تم بھی آگئے ڈیر ـــــ!

وہ اپنے مہمانوں کے ساتھ اندر جانے ہی والی تھی کہ سلیم اختر بھی وہیں آپہنچا۔ وہ کچھ کہنا ہی چاہتا تھا لیکن ایک اجنبی کو وہاں پاکر خاموش رہ گیا۔ اس کی سانس تیز تیز چل رہی تھی۔ عمر پچاس کے قریب رہی ہوگی۔ خوش شکل اور خوش اخلاق نہ تھا لیکن چہرے سے متانت اور رعب جھلکتا تھا۔ سوٹ جو اس وقت زیب تن کئے ہوئے تھا۔ قیمتی عمدہ سلا ہوا اور ہر طرح کی شکنوں سے پاک تھا۔ ان لوگوں کے قریب آکر وہ تھوڑی دیر تک خاموش کھڑا رہا اور پھر اچانک اس کی نگاہ کھلی ہوئی کھڑکی پر جا پڑی ـــــ ایک بار پھر وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ ایک طائرانہ نظر ان لوگوں پر دوبارہ ڈالی اور ڈاکٹر عارف سے مخاطب ہوا ـــــ

"کیوں بھئی ـــــ کیا بات ہے؟"

سلمیٰ سلیم نے جلدی سے بوکھلا کر کہا "کچھ نہیں ڈیر! بات کچھ بھی نہیں۔ اپنے فیروز بھیا ہم لوگوں کے لئے چائے کا انتظام کرنے جا رہے ہیں۔ جاؤ نا فیروز۔ اس کے علاوہ عارضی طور پر زہرہ نامی ایک عورت نے ہم لوگوں کے لئے کھانے کا انتظام کر دینے کا وعدہ بھی کیا ہے اور....."

لیکن اس کے شوہر نے اس کی باتوں کو سنی ان سنی کر کے ڈاکٹر عارف کو گھورنا جاری رکھا اور بولا ـــــ

"کیا نام ہے آپ کا مسٹر — آپ خوش قسمت معلوم ہوتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح آج کھانے کا انتظام ہو گیا ورنہ نوکروں نے مجھ کو بھی مار ڈالا ہوتا۔ یہ عورت زہرہ اچھا کھانا تو خیر کیا پکائے گی بہرحال فاقہ کرنے سے بچا ہی لے گی۔" اور یک لخت اس کا لہجہ کرخت ہو گیا۔ "لیکن محض میں پیٹ بھرنا پسند نہیں کرتا۔ آیا سمجھ میں۔ مجھے نفیس کھانا پسند ہے۔ ویسے تو کتے بھی پیٹ بھر لیتے ہیں آیا سمجھ میں —"

"سنو....." سلمیٰ نے اسے سمجھانے کی غرض سے کہا۔ "کبھی کبھی ناموافق حالات میں اس طرح بھی گزر کرنا پڑتا ہے —"

"ناموافق حالات!" سلیم نے بھاری آواز میں کہا۔ "کیا یہ میری غلطی ہے۔"

"نہیں یہ کون کہتا ہے کہ تمہاری غلطی ہے" سلمیٰ بڑے میٹھے لہجے میں بولی۔ "لیکن حادثات پر تو کسی کا بس نہیں ہے۔ نوکر اگر کار کے حادثہ میں زخمی ہو گئے ہیں تو ہمیں تھوڑی بہت تکلیف تو بھگتنی پڑے گی —"

"وہ سب ٹھیک ہے۔ لیکن میرا اس سے کوئی تعلق نہیں" سلیم غرایا — "کیا تم چاہتی ہو کہ نوکر نہیں ہیں تو میں خود نوکری کر کے سودا سلف خریدتا پھروں۔ تمہیں ہر طور میری تکلیف اور آرام کا خیال رکھنا چاہئے۔ میں تمہاری خوشنودی کے لئے انڈونیشیا کا سفر کرتا پھروں اور اپنے آپ کو ملیریا میں مبتلا کر لوں لیکن تم میری ذرہ برابر پرواہ نہ کرو۔ یہ کہاں کی انسانیت ہے سلمیٰ!" پھر اچانک اس کا لہجہ نرم پڑ گیا — "خیر یہ کوئی بات نہیں — کوئی بات نہیں۔ میں اپنے مہمانوں کے روبرو آپس میں جھگڑنا نہیں چاہتا۔"

"جی ہاں —" پروفیسر خطیب نے ذرا ماتمی انداز میں آگے بڑھ کر کہا — "آپ لوگوں کو کھانے کے بارے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر آپ کا خیال

یہ ہے کردہ عورت، کیا نام ہے اس کا۔ اررر۔ زہرہ آپ کے لئے اچھا کھانا نہیں تیار کرسکے گی تو آپ کے لئے میں عمدہ کھانا تیار کردوں گا۔"

ہر شخص پروفیسر کی اس عجیب پیشکش پر متحیر ہو کر اسے دیکھنے لگا۔ ایم فیروز جو تھرماس لینے جارہا تھا۔ حیرت زدہ ہو کر مڑا اور خطیب کو عجیب نظروں سے تاکتا رہ گیا۔ سلیم اختر کو بھی غالباً بہت تعجب ہوا۔ اس نے کہا۔

"اوہو! کیا تم باورچی بھی ہو پروفیسر خطیب؟" اس کا لہجہ کچھ مضحکہ خیز سا تھا۔ "یعنی غیب دانی اور دوسروں کے خیالات معلوم کرنے کے ساتھ ساتھ تمہارا پیشہ کھانا پکانا بھی ہے!"

"جی ہاں۔" پروفیسر خطیب نے حد درجہ انکسار کے ساتھ کہا۔ "آپ کا یہ خادم بعض اوقات باورچی کی خدمات بھی انجام دے لیتا ہے۔ آپ میری تیار کی ہوئی چیزیں نوش کر کے محظوظ ہوں گے۔"

صبیحہ اپنی ہنسی کو نہ روک سکی۔ اپنی سیٹ سے اٹھتے ہوئے اس نے کہا۔ "سلیم ــ اگر محض اتنی سی بات آپ لوگوں کے لئے پریشانی کا باعث بنی ہوئی ہے تو اطمینان رکھئے۔ میں بھی پروفیسر صاحب کو کھانا تیار کرنے میں یا کم از کم کھانا چننے میں مدد دے سکوں گی۔"

"نہیں ــ نہیں ــ" خطیب کچھ بوکھلا کر بولا۔ "مجھے اس سلسلہ میں تمام کام خود کر کے مسرت حاصل ہوگی۔"

"بہت خوب۔" سلیم بولا۔ اب اس کے لہجے کی کرختگی اور تنک مزاجی مفقود ہو چکی تھی اور اس کی جگہ مسخرہ پن نے لے لی تھی۔ "صبیحہ تمہاری پیشکش بھی کچھ کم دلچسپ

نہیں ہے۔"

سلمیٰ جو یہ سوچ سوچ کر خجل ہو رہی تھی کہ لوگ اس کے شوہر کے بارے میں کس قسم کی باتیں سوچ رہے ہوں گے۔ کہنے لگی۔

"شکریہ مسٹر خطیب! آپ کو تمام ضروری سامان باورچی خانے میں تیار ملے گا۔ آپ سے ہمیں شرمندگی تو ضرور رہے گی لیکن وقت ایسا ہی آن پڑا ہے کہ آپ کی خدمت حاصل کرنے سے گریز نہیں کیا جا سکتا"

"ٹھیک ہے۔" سلیم اپنے اسی انداز میں بولا۔ "لیکن پروفیسر! کہیں تم ہم لوگوں کے کھانے میں زہر کی آمیزش نہ کر دینا۔ آیا سمجھ میں۔"

اسی اثناء میں ایم فیروز ایک ہاتھ میں بڑا سا تھرماس اور دوسرے میں چند پیالیاں لٹکائے ہوئے وہاں آپہنچا۔ چیزیں ایک ٹی تپائی پر رکھتے ہوئے اس نے سلیم سے کہا۔

"نہیں بھائی جان! آپ نے یہ کیسے سوچ لیا کہ پروفیسر صاحب کھانے میں زہر ملا دیں گے۔ انہیں اس سے کیا حاصل ہو گا بھلا۔؟"

اس نے پیالیوں میں چائے انڈیلی۔ سب چسکیاں لینے میں مشغول ہو گئے۔ جینو نے ایک گھونٹ پی کر گردن اٹھائی اور بولی۔

"خطیب صاحب پہلے تو کہتے ہی تھے کہ خیالات کی مدد میں آواز کی لہروں کی جیسی طاقت ہوتی ہے۔ لیکن اب ان کا کہنا ہے کہ خیالات کے ذریعہ کسی انسان کو قتل بھی کیا جا سکتا ہے"

"کیا واقعی۔" سلیم نے پیالی ہونٹوں سے علٰحدہ کرتے ہوئے دریافت کیا۔ "کیا تم لوگوں نے چہرے سے وہ دلی خیالات معلوم کرنے والا کھیل شروع کر دیا تھا۔؟"

"جی ہاں۔" ایم فیرڈ نے جواب دیا۔" ذرا ڈاکٹر عارف سے دریافت کیجئے۔ انھوں نے اپنی دلی خیالات چھپانے کی بہت کوشش کی لیکن پروفیسر خطیب نے ان کے دل کا حال معلوم ہی کر لیا۔"

"ہوں۔" سلیم اختر نے ڈاکٹر عارف کو مخاطب کیا۔" کیا آپ محکمہ پولیس انسداد جرائم کے طبی مشیر ہیں۔"

"جی ہاں۔"

" پھر کیا آپ کو بھی ان فضول سی باتوں پر اعتقاد ہے؟"

" اعتقاد وغیرہ کی بابت میں کچھ نہیں کہوں گا۔ ہاں اس کا مجھے اعتراف ہے کہ آج پروفیسر خطیب نے میرے دلی خیالات بغیر میرے بتلائے ہوئے معلوم کر لیا تھا۔"

لیکن سوال کرنے کے بعد ڈاکٹر عارف کے جواب کو ان سنی کر کے سلیم اختر اپنی بیوی سلمیٰ کی طرف دیکھنے لگا تھا اور پھر بات ختم ہوتے ہی وہ پیر ٹیکتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا اور زور سے بولا۔

" سلمیٰ! بھئی خدا کے لئے یہ چمچے سے پیالی کو بجانا بند کرو۔ اگر تم نے......"

پھر اچانک وہ سنبھل گیا۔" اوہ! ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔ مجھے افسوس ہے سلمیٰ۔ دراصل میں بے اختیار ہو ں معلوم نہیں کیا بک گیا۔ معاف کرنا۔ دراصل تم لوگوں کو مجھ پر ترس کھانا چاہئے۔ میری طبیعت میں عجیب طرح کی الجھن سی پیدا ہو جاتی ہے جب زیادہ شور وغل پیدا ہوتا ہے یا چیزیں آپس میں ٹکراتی ہیں۔ خیر۔ لیکن یہ دلی خیالات معلوم کر لینے والی بات۔ یہ سب بکواس ہے فضول چیز۔ خلاف فطرت۔ کون ایسی باتوں پر یقین کرنے بیٹھے گا۔"

سلمیٰ، جس کی آنکھوں میں تارے سے چھوٹنے لگے تھے، جلدی جلدی پلکیں جھپکا کر نمی دور کرتے ہوئے بولی — "کوئی بات نہیں سلیم! — لیکن تمہیں اپنے اوپر قابو پانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ رہی بات پروفیسر خطیب کی۔ تو ان کی آزمائش تم خود کر چکے ہو۔ اور تم نے دیکھا کہ تمہاری سوچی ہوئی تمام باتیں انہوں نے سچ سچ بتلا دی تھیں۔ اس کے بعد تم غلط، غلط سمجھتے ہو تو حقیقت دب نہیں سکتی۔ تم خود جانتے ہو کہ ان کا دعویٰ صادق ہے —"

"خیر اب اس موضوع کو تبدیل کرو —" سلیم نے اپنی بیوی کو چبھتی ہوئی نظروں سے دیکھ کر کہا۔ پھر اپنی رسٹ واچ دیکھ کر بولا — "سوا سات بج رہے ہیں۔ کھانے تیار ہونے تک ہمارے لئے لباس تبدیل کرنے کو کافی وقت ہے —" اس نے پیالی اٹھا کر بقیہ چائے ایک گھونٹ میں نگل لی۔

سلمیٰ نے دبی آواز میں کہا "! کیا تم ڈنر سوٹ پہن کر رات کا کھانا کھانے کی بات سوچ رہے ہو؟"

"بے شک —" اس نے پھر سلمیٰ کو گھور کر دیکھا — "کوئی خاص وجہ تو نہیں ہے کہ اپنے روزانہ کے معمولات کو تبدیل کر دیا جائے۔ جب میں انڈونیشیا کے غیر مہذب جنگلیوں کے درمیان ڈنر سوٹ پہن کر رات کا کھانا کھاتا رہا ہوں تو پھر آخر اپنے ہی مکان میں کیوں نہ استعمال کروں۔ آیا سمجھ میں —!"

"خیر — جیسی تمہاری مرضی —" کہہ کر سلمیٰ خاموش ہو گئی۔

"اور میری مرضی یہی ہے کہ آج میں ڈنر سوٹ ضرور استعمال کروں گا، لیکن مشکل یہ ہے کہ لطیف خان، جو واحد شخص اس دنیا میں میری ضروریات کو سمجھنے والا

معذور ہو جانے کی وجہ سے اسپتال میں ہے۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ میری خاطر آج اس کے فرائض تم انجام دے دو گی سلی ڈیر۔ آیا سمجھ میں۔" بیہودہ اپنی ٹھوڑی کھجلاتا ہوا تھوڑی دیر سوچتے رہنے کے بعد پروفیسر خطیب سے بولا۔" پروفیسر میں تمہارا مشکور ہوں کہ تم نے کم از کم ہماری ایک مشکل تو دور کر دی۔ کیا میں تم سے درخواست کر سکتا ہوں کہ تم کوشش کر کے رات کا کھانا آٹھ بجے تک تیار کر دو۔؟"

جیسی آپ کی خواہش ہو۔" پروفیسر خطیب نے کہا۔ پھر خلا میں گھورتا ہوا سنائی ہوئی آواز میں بولا۔" لیکن میرا خیال ہے مسٹر سلیم کہ آج آپ شاید ہی رات کا کھانا کھا سکیں گے۔"

سلیم اختر نے سنبھل کر اپنی کرسی پر بیٹھتے ہوئے استفسار کیا۔" کیا مطلب؟ میں آج رات کا کھانا نہیں کھا سکوں گا۔ میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا پروفیسر آیا سمجھ میں!"

مطلب یہ ہے کہ جہاں تک میرا خیال ہے آپ اس وقت تک زندہ نہیں رہ سکیں گے۔!"

پروفیسر کے ان الفاظ کا، جو قطعاً غیر متوقع طور پر کہے گئے تھے، دس سکنڈ تو مطلب ہی کسی سننے والے کی سمجھ میں نہ آیا۔ اور جب ان لوگوں کی سمجھ میں یہ پیشین گوئی آ گئی تو اس قسم کی سنسنی خیز خاموشی طاری ہو گئی۔ جو عظیم طوفان کی آمد کی خبر دیتی ہے۔

پروفیسر خطیب نے اتنے پرسکون انداز میں یہ جملہ ادا کیا تھا کہ جیسے کوئی خاص بات ہی نہ ہو۔ اور اب بھی اپنا شارک اسکن کا سوٹ پہنے ہوئے کرسی سے پشت لگائے ایک پیر دوسرے پر رکھے اسی طرح اطمینان سے بیٹھا تھا۔ اتنی گہری خاموشی اس وقت طاری تھی کہ خفیف سے خفیف آواز تک صاف سنائی دے رہی تھی۔ فوارے کے ابلنے کی آواز صاف آ رہی تھی۔

سلیم اختر نے یہ کہہ کر خاموشی کو توڑا کیا۔" میں ابتک تمہارا مطلب نہیں سمجھ سکا پروفیسر؟"

"مطلب واضح ہے۔" پروفیسر خطیب نے جواب دیا۔ "جیسا میں کہہ چکا ہوں۔ آپ آج رات کا کھانا نوش کرنے کے لئے زندہ نہیں ہوں گے۔"

ایم فیروز بوکھلا کر اپنی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"پروفیسر!" سلیم اختر نے للکار کر کہا۔ "تم کہنا کیا چاہتے ہو۔ کھل کر کہو۔ کیا تم مجھے ان بچکانہ حرکتوں سے خوفزدہ کرنا چاہتے ہو؟" پھر اس نے حاضرین پر ایک گھومتی نظر ڈال کر پُر خیال انداز میں دریافت کیا۔

"کیا تمہارا خیال ہے کسی نے میری چائے میں زہر ملا دیا ہے۔؟"

"جی نہیں۔ میرا یہ مقصد نہ تھا۔" پروفیسر نے اپنے سابقہ اطمینان کے ساتھ جواب دیا۔

یہ سن کر ایم فیروز دوبارہ اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔

"ٹھہرو سلیم۔! شاید میں پروفیسر کا مقصد سمجھ گئی ہوں۔" سلمیٰ نے اپنی جگہ سے کہا۔ "خطیب صاحب۔ کیا اس وقت بھی حاضرین کے دلوں میں پیدا ہونے والے خیالات کا علم آپ کو ہے۔؟"

"جی ہاں۔"

"اور کیا کسی نے اس دوران میں یہ ارادہ کیا ہے کہ وہ سلیم کو قلیل عرصہ میں ہی قتل کر دیگا؟"

"جی ہاں۔"

اس کے بعد تھوڑی دیر پھر خاموشی رہی جس کو خطیب کی آواز نے قطع کیا۔ وہ دھیمی ٹھہرے ہوئے لہجے میں اپنے ہاتھ کو ملتا ہوا بولا۔ "جہاں تک میرے علم کا تعلق ہے، مجھے یہ معلوم ہوا ہے ضروری نہیں سچ ہی ثابت ہو۔ میں کھانے کی میز پر آپ کی کرسی بھی لگواؤں گا۔ لیکن میرا علم کہتا ہے کہ آپ اس پر موجود نہ ہوں گے۔ اسی لئے میں نے ضروری خیال کیا آپ کو

تمہارا پینے کی تاکید کر دی جائے۔"

"پناہ بخدا۔!" ایم فیروز نے زور سے کہا۔" یہ سب کیا گورکھ دھندا ہے۔"

تھوڑی دیر سر جھکائے ہوئے سوچتے رہنے کے بعد سلیم اختر نے اوپر دیکھا اور اپنی گفتگو میں ظرافت کا عنصر شامل کرتے ہوئے، جس کے لئے عارف دل ہی دل میں اسے داد دیئے بغیر نہ رہ سکا، اس نے پروفیسر سے کہا۔

"بہت اچھا جناب پروفیسر خطیب صاحب! آپ کی اس بر وقت تنبیہہ کے لئے بہت بہت شکریہ، میں محتاط رہوں گا۔ لیکن کون ہے وہ جو مجھے قتل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے؟ کیا میری اپنی بیوی۔ ؟ کیا وہ مجھے قتل کرنے کے بعد میری موت کو اسی طرح ایک حادثہ ثابت کر دینے کا خیال رکھتی ہے جیسا کہ اس کی تحریر کردہ اپنی ایک ناول میں ہے۔ دیکھو سلمیٰ! اپنی ناول" دوسری شخصیت" کی ہیروئن کی طرح تم مجھے قتل بے شک کر دینا لیکن اسکی طرح کسی دوسرے شخص سے شادی مت کر لینا ورنہ مجھے لو میں بھوت بن کر.....؟"

ہنستے ہنسے وہ کچھ کہنے ہی جا رہا تھا کہ اس کی کہنی کی ٹکر سے چائے کی خالی پیالی سرک کر فرش پہ گر پڑی اور ایک جھنکار پیدا کرتی ہوئی ٹوٹ گئی ـــ سلیم کا سارا مسخرہ پن یکلخت دور ہو گیا۔ اس نے جھنجھلا کر کہا۔ "یا خدا! جتنا میں شور وغل سے نفرت کرتا ہوں اتنا ہی میرے سامنے آتا ہے ـــ میں بالائی منزل پہ جا رہا ہوں۔ نہا کر کپڑے تبدیل کروں گا۔ اور کون چل رہا ہے اوپر ـــ" وہ جانے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔ سلمیٰ نے جرأت کر کے لرزتی ہوئی آواز میں کہنا چاہا ـــ

"سنو تو سلیم..... اس کا مقصد ـــ"

"اس کے مقصد کو گولی مارو۔ اس قسم کی احمقانہ پیشین گوئیوں پر سرگردانی کی ضرورت

نہیں۔ آیا سمجھ میں۔ اس باہر دروازے کے سامنے ایک سوٹ کیس پڑا ہوا تھا۔ کیا؟ آپ کا تھا عارف صاحب؟ اچھا ٹھیک ہے۔ وہ میں نے ہال میں رکھوا دیا ہے۔ اگر آپ میرے ساتھ چلیں تو میں آپ کے کمرے تک پہنچا دوں۔ سلمیٰ تم مس صبیحہ کو ان کا کمرہ بتلا دو۔ باقی سب ٹھیک ہے۔ ایں۔ ہاں پروفیسر خطیب کو باورچی خانے میں پہنچا آنا۔ بس۔ بس۔ اُف بڑی سردی ہے۔ آیا سمجھ میں؟"

سب لوگ چلنے لگے۔ خطیب نے کہا۔

"ذرا سنئے مسٹر فیروز! بس ایک منٹ۔ مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے۔"

وہ دونوں میز کے قریب رک گئے۔ باہر جاتے ہوئے عارف نے غیر ارادی طور پر مڑ کر دیکھا معلوم نہیں پروفیسر خطیب نے جھک کر کون سی بات کہی جس پر ایم فیروز بڑی زور سے چونکا۔ اس وقت سلیم اختر دروازے سے باہر جا چکا تھا مجبوراً عارف کو ان دونوں کو گفتگو میں محو چھوڑ کر خود بھی باہر چلا جانا پڑا۔

اسی وقت ہال کی کلاک نے ساڑھے سات کا گھنٹہ بجایا۔

(۴)

آٹھ بجنے میں پندرہ منٹ باقی تھے کہ ڈاکٹر عارف کو اپنی بغلی کمرے سے ایک ہلکی چیخ کی آواز سنائی دی!

وہ اس وقت اپنے کمرے کی کھڑکی سے برجیس نگر کے نواح کا منظر دیکھ رہا تھا۔ نو آرے والے دالان سے اس کمرے تک، جس میں سر دست اسے ٹھہرایا گیا تھا، آتے

ہوئے ڈاکٹر عارف کو ایک مختصر سی گیلری، وسیع ہال پار کرتے ہوئے زینہ طے کرکے بالائی منزل پر آنا پڑا تھا جہاں درمیان میں گذرگاہ چھوڑ کر تین طرف دو دو کمرے واقع تھے اور چوتھی جانب ایک دیوار تھی جس پر کلاک لگا ہوا تھا۔ زینے پر اور ہال میں مدھم روشنی والے قمقمے روشن تھے۔ ڈاکٹر عارف کو مس صبیحہ کے کمرے سے ملا ہوا دوسرا کمرہ دیا گیا تھا۔ انہیں دونوں کمروں کے عین سامنے سلمیٰ اور سلیم کے کمرے تھے بقیہ دو کمرے غالباً ایم فیروز اور پروفیسر خطیب کے لئے تھے۔

کمرہ پرتکلف سامانِ آرائش سے سجا ہوا تھا کھڑکیوں پر پرانے فیشن کے مطابق دبیز پردے پڑے ہوئے تھے۔ ایک دیوار سے لگا ہوا لوہے کا پلنگ پڑا ہوا تھا۔ ایک ٹیبل پر جو کھڑکی کے قریب پڑی ہوئی تھی، ایک نیا چینی لیمپ رکھا ہوا تھا۔ بجلی کو ٹھی میں غسل خانوں کا کافی اچھا انتظام تھا۔ ایک چھوٹا سا غسل خانہ اسی کمرے ہی کے ایک کونے میں عارف کے لئے بھی موجود تھا۔

پروفیسر خطیب کے ساتھ آج گذرے ہوئے واقعات ڈاکٹر عارف کے دماغ میں چکر لگا رہے تھے۔ تازہ ہوا داخل ہونے کے لئے عارف نے کھڑکیاں کھول دی تھیں پردوں کو باندھنے کے لئے کوئی طریقہ نہ تھا لہٰذا انہیں یونہی چھوڑ کر وہ باہر دیکھنے لگا تھا۔ کھڑکیوں کے سامنے پوری پوری دیوار کے ساتھ ساتھ ایک نیلا سا چھپا ہوا تھا جس کا کوئی فائدہ عارف کی سمجھ میں نہیں آیا۔ ایک گہری سانس لے کر ڈاکٹر عارف نے جلدی جلدی ٹھنڈے پانی سے غسل کیا اور اپنے کپڑے تبدیل کئے اور ایک سگریٹ سلگا سوچنے کے لئے کھڑکی کے پاس کھڑا ہو گیا تھا اور سوچ رہا تھا کہ یہ پروفیسر خطیب کس قسم کا آدمی ہے۔

اور اسی وقت اسے ہلکی سی چیخ سنائی دی۔ وہ قسم کھا کر کہہ سکتا تھا کہ چیخ مس صبیحہ کے کمرے سے آئی تھی۔ گو کہ کمروں کو الگ کرنے والی دیوار کافی موٹی تھی جسے پار کر کے آوازیں دوسرے کمرے تک مشکل سے پہنچ سکتی تھیں۔ اس نے اپنے کان کھڑے کر لئے کوئی آواز کسی کھڑکی کے کھلنے جیسی اس کے کانوں میں پہنچی اور پھر کئی واقعات ایک ساتھ رونما ہو گئے۔

اس کے کمرے کی کھڑکی کا پردہ کسی نے بڑی تیزی سے کھولا۔ ٹیبل جو کھڑکی کے سامنے پڑی تھی۔ الٹ گئی اور اس پہ رکھا ہوا چینی لیمپ تیز تیکھی جھنکار پیدا کرتا ہوا فرش پہ لڑھکنے لگا۔ پردے کے درمیان سے پہلے ایک پیر سیاہ سلیپر پہنے ہوئے کمرے میں آیا پھر گلابی ساری اور سبز بلاؤز بر آمد ہوا اور پھر مکمل مس صبیحہ کمرے میں آ گئی۔ اس کی سانس پھولی ہوئی تھی۔ فرط خوف سے اس کا چہرہ سفید ہو رہا تھا اور آنکھیں کسی وحشی ہرن کی طرح چمک رہی تھیں۔

"معاف کیجئے گا۔ مجھے اس طرح آپ کے کمرے میں آنا پڑا۔" اس نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "لیکن مجبوری تھی۔ وہاں میرے کمرے میں کوئی گھس آیا ہے۔"

"کون گھس آیا ہے؟"

"کھڑکیوں کے ساتھ لگی ہوئی ایک تنگ بالکنی ہے۔" صبیحہ نے اپنے حواس مجتمع کرتے ہوئے کہا۔ "میں اسی سے گذر کر آئی ہوں۔ دل بڑی طرح ہول رہا ہے۔ ذرا مجھے دم لینے دیجئے۔"

وہ رک رک کر جلدی جلدی سانس لینے لگی۔ اس کا بلاؤز ایک بٹن ٹوٹ جانے کی وجہ سے شانے پر کھسک آیا تھا۔ اسے اس نے اوپر سرکایا۔ ہاتھوں میں چند تنکے خراشیں

آگئی تھیں۔ انہیں دیکھتی ہوئی وہ بستر پر بیٹھ گئی۔

"گھبرائیے نہیں۔" ڈاکٹر عارف نے اس سے نرم لہجے میں کہا۔ "اور مجھے بتائیے یہ سب کیا گڑبڑ ہے۔"

لیکن صبیحہ کو جواب دینے کا موقع نہیں ملا۔ کیونکہ اسی وقت کمرے کے دروازے پر کسی نے زوردار دستک دی۔ صبیحہ اچھل کر بستر سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ عارف دروازہ کھولنے کے لئے بڑھ رہا تھا۔

"دروازہ مت کھولئے۔" اس نے سرگوشی کے انداز میں عارف سے کہا۔ "ازراہ کرم دروازہ مت کھولئے۔ معلوم نہیں باہر کون ہے۔"

لیکن اس وقت تک عارف دروازہ کھول چکا تھا۔ کوئی اندر داخل نہیں ہوا۔ ڈیوڑھی کے قریب سلیم اختر سلیپر اور گاؤن پہنے ہوئے کھڑا نظر آیا جسے دیکھ کر صبیحہ نے ایک اطمینان کی گہری سانس کھینچی۔

"یہ آپ کے کمرے میں کیسی اودھم چوکڑی تھی۔ معلوم ہوتا تھا جیسے زلزلہ آگیا ہو۔ کیا غضب کہ آدمی اطمینان سے اپنے کپڑے بھی نہیں تبدیل کر پاتا۔"

"مجھے افسوس ہے کہ آپ کے سکون میں خلل پڑا۔" ڈاکٹر عارف نے کہا۔ "کوئی خاص بات نہ تھی۔ ٹیبل الٹ جانے کی وجہ سے لیمپ فرش پر گر پڑا تھا۔"

لیکن شاید سلیم اختر نے عارف کا جواب سنا ہی نہیں۔ وہ صبیحہ کو مشکوک نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے ایک بار نظر گھما کر عارف کو گھورا اور پھر سنجیدہ آواز میں کہنے لگا۔

"ہوں — یہ بات ہے تو آپ لوگ یہاں...."

صبیحہ حالات کی سنجیدگی کا تصور کرکے کانپ اٹھی —

"نہیں نہیں مسٹر سلیم!" اس نے اس کی بات قطع کرتے ہوئے کہا۔ "اتنی جلدی کوئی غلط نتیجہ اخذ کیجئے۔ آپ کو غلط فہمی ہوئی ——"

"اور کیا میں آپ سے دریافت کر سکتا ہوں مس صبیحہ ——" اس کا وحشی پن پورے طور پر عود کر آیا تھا۔ "کہ میں نے کون سا غلط نتیجہ اخذ کیا ہے؟ میں نے تو آپ سے کسی قسم کی صفائی نہیں طلب کی تھی؟ اس نے فرط جوش میں اپنا ہاتھ بالوں میں لے جا کر تین چار بار پھیرا —" مجھے دیکھئے میں ایک پر شور آواز کے بارے میں معلومات حاصل کرنے یہاں آتا ہوں۔ معلوم ہوتا ہے کہ میرا قیمتی لیمپ ضایع ہو گیا ہے آپ دونوں کو مشکوک حالت میں ایک ہی کمرے میں پاتا ہوں، لیکن اس بارے میں کوئی سوال نہیں کرتا اور آپ ہیں کہ.... آیا سمجھ میں۔

"در اصل مس صبیحہ مجھ سے کہنے ......" ڈاکٹر عارف نے کچھ کہنا چاہا۔

"میرے کمرے میں کوئی گھس آیا تھا۔" صبیحہ نے عارف کی بات قطع کر کے کہا۔ "اور میں از حد خوفزدہ ہو گئی تھی۔ اس لئے میں بالکنی کی راہ سے اس کمرے میں آ گئی۔ اگر آپ کو یقین نہ ہو تو میرے ہاتھوں پر یہ خراش دیکھئے۔ مجھے لیمپ کے ٹوٹنے کا افسوس ہے۔ کھڑکی کے اندر سے آتے ہوئے ٹیبل الٹ جانے کی وجہ سے یہ گر گیا تھا۔"

"خیر کوئی بات نہیں ——" سلیم اختر نے کچھ شرمندہ ہو کر کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ کسی چیز کی بنا پر آپ خوفزدہ ہو گئیں۔ غالباً چوہوں کی اچک پھاند سے؟"

"جی نہیں چوہے نہیں تھے —؟"

"پھر کیا چیز تھی۔ مجھے بتلائیے کہ آپ نے کیا دیکھا تھا میں آپ کا زیادہ وقت

نہیں ضائع کروں گا۔"

عارف نے یہ سوچ کر کہ اپنی صفائی میں مزید کچھ کہنا اپنے میزبانوں کو اور زیادہ پریشان کرنا ہے، اس نے موضوع گفتگو تبدیل کرنے کی غرض سے کہا۔

"مسٹر سلیم۔ جہاں تک میرا خیال ہے ابتک آپ کو کوئی خطرہ تو پیش نہیں آیا جیسا کہ ہمارے پروفیسر خطیب نے پیشین گوئی کی تھی ۔؟"

"جی نہیں۔" اس نے جواب دیا۔" ابتک تو کسی نے مجھے قتل کرنے کی کوشش نہیں کی اور وہ خطرناک یادداشت کی کتاب بھی ابتک بک شیلف میں موجود ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ آج رات میں اس پاگل کی پیشین گوئی کے خلاف ڈٹ کر کھانا کھاؤں گا۔ اچھا میں تو چلتا ہوں۔"

وہ پلٹ کر اپنے کمرے میں چلا گیا اور دروازے بند کر لئے۔ ڈاکٹر عارف نے صبیحہ سے کہا۔" کیا مطلب تھا اس کی اس بات کا۔؟"

"کس بات کا مطلب؟" صبیحہ نے دریافت کیا۔

"کہہ رہا تھا کہ یادداشت کی کتاب ابھی بک شیلف میں موجود ہے!"

"میری سمجھ میں خود نہیں آرہا کہ اس جملے سے اس کا مقصد کیا تھا اور نہ ہی میری سمجھ میں آتا ہے کہ اس تمام واقعہ پر ہنسا جائے یا ماتم کیا جائے۔ میرا نے ابھی آ ہ سے آپ کو بھی مفت میں بدنام کیا۔"

"اوہ۔ آپ بھی کیا حقیر سی بات سوچنے لگیں۔ اس میں پریشانی یا ندامت کی کوئی بات نہیں ہے لیکن اصل سوال تو رہا ہی جاتا ہے۔ آپ نے بتلایا نہیں ابھی تھوڑی دیر پہلے آپ کو اپنے کمرے میں کیا واقعہ پیش آیا تھا؟"

صبیحہ خاموش کھڑی رہی۔ معلوم ہوتا تھا اس کے خیالات کی رو دور دور تک پہنچی ہوئی ہے۔ تھوڑی دیر بعد عارف کے سوال کا جواب دینے کے بجائے کہنے لگی۔

"کیا میں آپ کا غسل خانہ استعمال کر سکتی ہوں۔ کپڑوں میں اور بدن پر دیوار کے سہارے چپک کر بالکنی سے آتے ہوئے کافی مٹی اور کائی لگ گئی ہے اور میں ابھی تھوڑی دیر تک اپنے کمرے میں جانے کی جرأت نہیں کر سکتی ہے۔"

"جی ہاں۔ شوق سے۔"

وہ غسل خانے میں چلی گئی اور عارف سگریٹ سلگا کر لمبے لمبے کش پینے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ابھی ذرا سی دیر پہلے ہونے والا خفیف سا واقعہ کتنی بدنامی کا باعث ہو سکتا تھا وہ یوں ہی سوچتا ہوا دھوئیں کے مرغولے اڑاتا رہا۔ چند منٹ بعد صبیحہ منہ ہاتھ دھو کر اپنے کپڑے درست کرتی ہوئی غسل خانے سے باہر نکل آئی۔ عارف نے اس کی طرف دیکھا تو بولی۔

"میں غسل خانے میں حالات پر غور کرتی رہی ہوں عارف صاحب اور اس نتیجہ پر پہنچی کہ اس مکان میں آپ کی وجہ سے جو پُراسرار فضا طاری ہے، اس میں اپنے حقیر سے خوف اور گھبراہٹ کا تذکرہ کر کے اضافہ کرنا مناسب نہیں ہے۔ لہٰذا از راہ کرم آپ اس سلسلے میں زیادہ سوالات نہ کیجئے گا۔"

عارف نے کہا "پھر بھی آپ کے کمرے میں کوئی گیا ضرور تھا آخر کچھ تو بتائیے آپ نے کسے دیکھا تھا؟"

"مجھے معلوم نہیں کون تھا۔"

"کیا واقعی ۔۔۔؟"

"جی ہاں! خیر وہ جو کچھ ہو۔ میں ایک اور معاملے میں آپ سے تبادلہ خیالات کرنا چاہتی ہوں۔ وہ ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی "آپ کیا اس پراسرار غیب داں پروفیسر کے بارے میں گفتگو کرنا پسند کریں گے۔"

"جی ہاں۔ کہیئے — عارف نے جواب دیا۔

"بچپن میں میرے پاس ایک کہانیوں کی کتاب تھی —" صبیحہ نے کہنا شروع کیا "اس میں زیادہ تر کہانیاں ہیبتناک تھیں۔ ان میں ایک ایسی عجیب دنیا کا تذکرہ ہوتا تھا جہاں انسانوں کو ہر وہ چیز آسانی سے مل جاتی تھی جس کے حصول کا وہ خواہشمند ہوتا تھا۔ انھیں میں ایک کہانی "جادوئی قالین" کے بارے میں تھی۔ ایک پری نے کسی لڑکے کو ایک جادو کا قالین دیکر کہا کہ اس پر سوار ہو کر وہ جہاں کے لئے کہے گا قالین اڑا کر اسے وہیں پہنچادیگا۔ لیکن شرط یہ تھی کہ قالین جس وقت اُڑنے لگے اس وقت لڑکا "گانے" کا خیال ہرگز نہ کریئے۔ ورنہ قالین زمین پر آجائے گا۔ اب کوئی ایسی وجہ نہ تھی کہ لڑکا خواہ مخواہ 'گانے' کا خیال کرے۔ لیکن ہوتا یہ تھا کہ کبھی گانے کا خیال آئے یا نہ آئے لیکن لڑکا جیسے ہی اس قالین کو دیکھتا تھا، واحد خیال جو اس کے دماغ میں آتا گانے کے بارے میں ہوتا تھا۔

اس وقت میری سمجھ میں اس کہانی کی نفسیات نہیں آئی تھی اور کہانی بھی مجھے اچھی نہیں لگتی تھی۔ لیکن اب معلوم ہوا کہ کہانی تقریباً سچ تھی۔ اب دیکھئے۔ کوئی کہتا ہے کہ یہ شخص ایک خاص پراسرار طاقت کا مالک ہے اور آپ کے دلی خیالات معلوم کرسکتا ہے اور اس وقت آپ ہزار کوشش کریں لیکن دماغ میں وہی بُرے خیالات آئیں گے جو آپ دوسروں پر ظاہر کرنا پسند نہیں کرتے۔ ہم چاہے جتنی کوشش کریں اُن خیالات سے

اپنے ذہن کو صاف نہیں کر سکتے۔"

" لیکن اس سے کیا ہوتا ہے؟" عارف نے کہا۔

" اوہ!" صبیحہ نے کہا۔" دیکھئے عارف صاحب! تجاہل عارفانہ نہ برتئے۔"

ڈاکٹر عارف نے کچھ دیر سوچ کر کہا۔" بخدا میں تصنع نہیں برت رہا ہوں۔ لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اگر ہمارے دلی خیالات کسی کو معلوم ہو جاتے ہیں تو اس سے ہمارا کیا بگڑتا ہے۔ بقول ایم فیروزیہ درست ہے کہ کوئی اپنے تمام دلی خیالات دوسروں پر ظاہر کرنا نہیں چاہتا۔ لیکن یہ ایسے ہم لوگ مجرم تو نہیں ہیں۔"

" کیوں نہیں ۔۔۔ براہ راست نہیں تو بالواسطہ سہی۔ مثلاً دیکھئے۔ میری ایک سوتیلی ماں ہے۔ میں اس سے نفرت کرتی ہوں۔ میری خواہش ہے کہ وہ مر جائے۔ بتلائیے آپ اس خیال کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔؟"

" یہ کوئی خاص جرم نہیں ہے۔"

" میں اس کی دولت پر قابض ہونا چاہتی ہوں۔" صبیحہ نے بے تکلفانہ کہا۔" یا اس کی دولت نہیں بلکہ اپنے مرحوم والد کی دولت، جو کہ ان کے انتقال پر میری ماں کو منتقل ہو گئی ہے۔ انھوں نے اس سے اس عمر میں شادی کی تھی جتنی کہ اب سلیم اختر کی ہے۔ وہ عمر میں تقریباً میرے ہی برابر ہے۔ میرے دل میں اس کے لئے برے سے برا خیال پیدا ہوتا ہے۔ اور میں دل ہی دل میں اُسے راہ سے دور کرنے کی اسکیمیں بناتی ہوں۔ کیا اب بھی میں مجرم نہیں ہوں ۔۔۔ خیر آپ بتلائیے پروفیسر خطیب کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟"

" میرے خیال میں وہ محض ڈھونگ رچاتا ہے ۔۔۔" ڈاکٹر عارف نے جواب دیا۔

صبیحہ جو زمین کی طرف دیکھ رہی تھی، چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ وہ اب کچھ بے فکر نظر آتی تھی۔ ایک عارف جانتا تھا کہ اب بھی پروفیسر خطیب کی پر اسرار قوت کے بارے میں خفیف سا اعتقاد اس کے دل میں پنہاں تھا۔ تھوڑی دیر بعد صبیحہ نے کہا۔

" آپ اسے ڈھونگی یا مکار کیسے کہہ سکتے ہیں۔ جبکہ آپ کے اپنے خیالات اس سے بغیر تبلائے ہوئے معلوم کر لئے تھے۔"

" ہاں۔ میں نے بھی اس بات پر غور کیا تھا۔ بہت ممکن ہے اس نے ان میں سے خاص خاص باتیں کسی طور پر ایم فیروز سے معلوم کر لی ہوں اور پھر ایک اور ایک ملا کر دو بنانے کی طرح بقیہ باتیں اپنے دل سے گڑھ لی ہوں۔"

" کیا کہا آپ نے۔؟ ایم فیروز سے معلومات حاصل کر لی ہوگی!" صبیحہ نے چونک کر کہا۔ " کیسے بھلا۔"

" ایم فیروز کو تو تم جانتی ہوگی ۔" عارف نے کہا۔ " عجیب سٹلڑ قسم کا آدمی ہے کسی شخص کی پوری زندگی کے حالات تمہارے سامنے بیان کر دیگا اور بعد میں قسمیں کھا کھا کر اسے اپنے دل میں بھی یقین کر لیگا کہ اس نے کچھ نہیں کہا ۔ اب میں تسلیم کرتا ہوں کہ طلعت پہودین کے بارے میں اس سے میری کبھی گفتگو نہیں ہوئی لیکن اپنے خط میں اس کا تذکرہ کیا تھا اور اب اگر پروفیسر خطیب لوگوں سے باتوں باتوں میں کوئی خاص راز معلوم کر لینے اور انہیں اس کا علم نہ ہونے دینے میں ماہر ہے تو پھر تمام تضحیک صاف ہو جاتا ہے۔"

" لیکن پھر بھی پروفیسر خطیب کو یہ کیسے معلوم ہو سکتا ہے کہ تم کسی خاص بات کے بارے میں کس وقت سوچ رہے ہو گے؟"

"ہاں۔ اس بارے میں ابھی میں نے غور نہیں کیا۔ پھر بھی اس کے ماہر نفسیات ہونے میں تو کوئی کلام نہیں ہے۔ اور زیادہ تر تجویٰ محض نفسیات کے ماہر ہونے ہی کے سہارے کوئی نتیجہ اخذ کر لینا اس کے لئے امر دقت طلب نہ رہا ہوگا۔"

"اور آپ اس بدھ کا مجسمہ لائبریری سے اٹھا لانے والے خیال کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔ نیز وہ۔" صبیحہ نے کچھ ہچکچاتے ہوئے پوچھا۔ "معاف کیجئے گا بغیر تذکرہ کئے کام نہیں چلے گا۔ اس آخری خیال کے بارے میں آپ کیا جواز پیش کریں گے۔"

"ہاں وہ مجسمہ والی بات اسے کیسے معلوم ہوگئی۔ مجھے خود تعجب ہے۔" ڈاکٹر عارف نے تسلیم کیا۔ "اور آخری خیال کے بارے میں تو وہ میرے جذبات اور حرکات سکنات سے اندازہ لگا سکتا تھا۔"

بڑی دیر تک وہ دونوں خاموش بیٹھے رہے۔ پھر صبیحہ کرسی سے اٹھ کر کمرے میں آہستگی سے ٹہلتے ہوئے بولی۔ "اور ہاں! اس نے سلیم اختر کے بارے میں بھی تو ایک پیشین گوئی کی ہے۔"

"سلیم اختر اب تک تو صحیح سلامت ہے۔" ڈاکٹر عارف نے نرمی سے کہا۔ "اور چاہے پروفیسر خطیب واقعی دلی خیالات معلوم کرنے کی طاقت رکھتا ہو لیکن مجھے سولی پر چڑھا دیا جائے تب بھی میں یہ تسلیم نہیں کر سکتا کہ وہ غیب داں بھی ہے۔"

"تو کیا یہ شخص، پروفیسر خطیب پکا چار سو بیس ہے۔؟"

"کہہ نہیں سکتا۔" عارف نے جواب دیا۔

"بہر حال آپ خیالات کو ٹھوس مادی طاقت تسلیم نہیں کرتے۔"

"جی ہاں۔ تمام عمر میں اس قسم کے احمقانہ نظریے کو تسلیم نہیں کر سکتا۔"

ڈاکٹر عارف نے اپنی رسٹ واچ میں دیکھا۔ آٹھ بجنے میں صرف ایک منٹ رہ گیا تھا۔ اسی وقت اُن لوگوں کو سلمیٰ کے زور زور سے چیخنے کی آواز سنائی دی!

وہ کچھ عجیب اور ہیبتناک سی چیخیں تھیں۔ ان چیخوں سے مختلف جو خوف کی حالت میں دہن انسانی سے بلند ہوتی ہیں۔ یہ تو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی کو سخت جسمانی چوٹ پہنچائی گئی ہو۔ معلوم ہوتا تھا سلمیٰ چیخنے کے ساتھ ساتھ کچھ کہنے کی کوشش بھی کر رہی ہے۔ لیکن چیخوں کے ساتھ سے جلے جو الفاظ ان کو سنائی دیئے وہ محض سلیم سلیم کی لامتناہی تکرار تھی۔ صبیحہ بری طرح سہم کر اپنی جگہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کا چہرہ کسی لاش کی مانند زرد ہو رہا تھا اور نگاہیں کسی سہمی ہوئی فاختہ کی طرح خوفزدہ تھیں۔ عارف کو خدشہ ہوا کہ کہیں وہ بھی ساتھ ساتھ چیخنا شروع کر دے۔ سلمیٰ کی چیخیں ابھی ختم نہیں ہوئی تھیں کہ عارف نے لپک کر اپنے کمرے کا دروازہ کھول دیا۔ اور اس کے بعد اس نے ایک ایسا ہولناک منظر دیکھا جسے بعد میں اسے کئی بار بیان کرنا پڑا!

سلیم اختر اپنے مکمل ڈنر سوٹ میں ملبوس گھماؤ دار زینے کے ریلنگ پر جھکا ہوا جھول رہا تھا۔ اس نے ایک ہاتھ سے ریلنگ کو پکڑ رکھا تھا اور دوسرا ہاتھ عجیب طریقے پہ اٹھا ہوا تھا جس کی مٹھیاں کبھی کھل جاتی تھیں کبھی بند ہو جاتی تھیں۔ ایک لمحے کے لئے اس کا جسم اس طرح پیچھے کی طرف جھکا کہ معلوم ہوتا تھا زینے پر گر پڑے گا لیکن پھر اچانک اس کا جسم آگے جھکا اور توازن ختم ہو جانے کی وجہ سے وہ ریلنگ سے پھسل کر خلا میں غائب ہو گیا۔ دوسرے لمحے نیچے فرش پر زوردار دھماکہ سنائی دیا!

ڈاکٹر عارف تیزی سے تقریباً بھاگتا ہوا زینہ طے کرکے نیچے ہال میں پہنچا۔ اور جھک کر سلیم اختر کو دیکھا جو آخری ہچکیاں لے رہا تھا پھر اس کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی تھی۔ دوسرے لمحے سلمیٰ بھی دانتوں میں رومال دبائے کانپتی ہوئی اس کے قریب آ پہنچی اور لاش کے قریب دو زانو ہو کر سسکنے لگی۔

ڈاکٹر عارف نے نگاہ اٹھا کر اوپر دیکھا۔ چھ کمروں میں سے تین کے دروازے کھلے ہوئے تھے۔ ایک اس کا کمرہ اپنا، دوسرا سلمیٰ سلیم کا اور تیسرا اصغیبو کا۔ اور اصغیبو کے کمرے میں جو وہاں سے صاف نظر آتا تھا، ڈرینگ ٹیبل کے نیچے ایک سفید سی چیز پڑی ہوئی نظر آئی جس پر اس وقت اس نے کوئی دھیان نہیں دیا لیکن بعد میں اسے یاد آیا کہ وہ ایک دیسی سفید ٹوپی تھی جیسی کہ عام طور پر بڑے گھرانوں کے باورچی احتیاطاً اوڑھ لیتے ہیں کہ کھانے وغیرہ پر ان کے بال نہ گرنے پائیں۔

اور ٹھیک اسی وقت گھرگھراہٹ کے بعد ہال کے کلاک نے آٹھ گھنٹے بجائے!

(۵)

ڈاکٹر عارف نے ادھر اُدھر گردوپیش دیکھا تو ہال میں لاش کے پاس تین اشخاص اور آ گئے تھے۔ سلمیٰ، جو شدتِ غم یا فرطِ خوف سے کانپ رہی تھی۔ جمیمہ جو لاش سے کچھ ہٹ کر سہمی ہوئی کھڑی تھی اور ایم فیروز جو ابھی بالائی منزل سے اتر کر آیا تھا۔ سب پتھر کے مجسموں کی طرح ساکت و مبہوت کھڑے تھے۔ ہال میں زیادہ تیز روشنی نہیں تھی۔ کلاک کے پاس ہو یا ایک اس کے بالکل مخالف سمت میں دو ہلکی روشنی والے بلب روشن

تھے اور کلاک تو ٹک ٹک کرنے کے بجائے زور زور سے ٹھک ٹھک کرتا محسوس ہو رہا تھا۔

کوشش کرکے اور ہر طرف سے خالی الذہن ہو کر ڈاکٹر عارف نے اپنی تمام تر توجہ سے لاش کا معائنہ کرنا شروع کیا۔ لیکن جو کچھ بھی نتیجہ اس نے اخذ کیا ہو، دیکھنے والوں کو اتنا یقین تھا کہ اس نے کوئی تعجب خیز نتیجہ اپنے معائنہ سے نہیں اخذ کیا تھا، نہ وہ کسی بات سے چونکا تھا۔ اس کام سے فارغ ہو کر اس نے دیکھا کہ فیروز عجیب نظروں سے تاک رہا ہے۔

"کیوں عارف؟ کیا پتہ چلا۔ ابھی یہ زندہ تو نہیں نا ہے؟" اس نے ڈاکٹر سے دریافت کیا۔

"جی نہیں ——"

"یعنی سلیم اختر کی موت واقع ہو گئی —!"

"ہاں - یہ قطعی طور پر مر چکے ہیں۔ خود دیکھ لو ——" عارف نے جواب دیا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے ——" فیروز نے بوکھلا کر ڈاکٹر عارف کے شانے جھنجھوڑ ڈالے —" یہ غلط ہے۔ اس کا یہ مقصد نہیں تھا؟"

"کس کا یہ مقصد نہیں تھا —؟"

"کسی کا نہیں —!" اچانک فیروز سنبھل کر بولا — "لیکن ان کی موت کیسے واقع ہوئی۔ خدارا ذرا جلد بتاؤ۔"

"بندۂ خدا ہوش میں آؤ —" عارف نے فیروز کا دھکا کھا کر کہا —" کیا مجھے لاش پر گرا دو گے — ہاں اب ٹھیک ہے۔ اس طرح گھبرانے سے کوئی فائدہ نہیں۔

ان کی موت غالباً حرکت قلب بند ہو جانے سے واقع ہوئی ہے۔ تمہیں کچھ معلوم ہے اس بارے میں آیا ان کا دل کمزور تھا یا نہیں — ؟"

"میرے خیال میں ان کے دل کی حالت خراب تھی۔" یزدز نے جواب دیا۔ "لیکن سلمیٰ باجی تمہیں زیادہ یقینی طور پر بتلا سکیں گی۔ انھیں سے دریافت کرو۔"

"ہاں ٹھیک ہے۔" عارف نے کچھ سوچ کر کہا۔ "میں انھیں کمرے میں لے جا کر مفصل حالات معلوم کرتا ہوں اس وقت تک تم اور آپ بھی مسٹر جینیچہ — دونوں اس مقام پر لاش کے قریب رہیئے میں بہت جلد آتا ہوں اس وقت یہیں ٹھہر کر نگرانی کیجئے۔ نہ لاش کو ہاتھ لگایا جائے نہ کسی دوسرے کو اس کے قریب آنے دیا جائے۔ خاص خیال رکھنا۔"

تمام ہدایات ختم کرنے کے بعد وہ سلمیٰ سلیم کو سہارا دے کر اس کے کمرے تک لے گیا اور اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر دیا۔ اندر پہنچ کر سلمیٰ دھم سے ایک کرسی پر گر پڑی۔ عارف نے اب غور سے اس کی طرف دیکھا۔ اس کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ اس نے ابھی اپنا لباس بھی تبدیل نہیں کیا تھا ایک بہت میلی گلابی ڈریسنگ گاؤن پہنے ہوئے تھی جس کی داہنی آستین پر موم کے دھبے بھی نظر آرہے تھے۔ اس نے اپنے بال لاپرواہی سے جوڑے کی شکل میں سر کے پیچھے لپیٹ رکھے تھے اور اس کے جسم کی ساری دلکشی مفقود ہو چکی تھی۔ ہونٹ بالکل سفید پڑ گئے تھے اور تھرتھرا رہے تھے۔ اچانک اس نے زور زور سے رونا شروع کر دیا —

"صبر کیجئے سلمیٰ صاحبہ! مشیت ایزدی میں کیسے دخل ہے۔"

"لیکن وہ مرے نہیں۔ وہ مرے نہیں میں سچ کہتی ہوں میں نے دیکھا تھا۔ وہ..."

"افسوس کہ اب ان کی موت میں کسی قسم کا شک نہیں ہے۔"

"ہاں آپ کو معلوم ہونا چاہیئے۔ آپ ڈاکٹر ہیں نا۔ ؟ آپکو تو معلوم ہونا چاہیئے۔"

وہ کافی دیر تک سسکیاں لے لے کر روتی رہی۔ اس کی بڑی بڑی گہری آنکھوں میں آنسو دیکھ کر ڈاکٹر عارف کو خود بھی بہت رنج ہو رہا تھا۔ آخر تھوڑی دیر بعد سلمیٰ نے اپنے جذبات پر قدرے قابو پالیا۔

"کیا سلیم صاحب کا دل کمزور تھا۔ ؟" ڈاکٹر عارف نے آہستہ سے پوچھا۔

"جی۔ ؟"

"میں پوچھ رہا ہوں کیا سلیم صاحب دل کے کسی عارضے میں مبتلا تھے ؟"

"جی ہاں۔ وہ ہمیشہ۔ نہیں نہیں۔ نہیں۔" اچانک وہ اپنا لہجہ بدل کر کہنے لگی۔ "ان کا دل کسی تندرست جوان کی طرح مضبوط تھا۔ ابھی ایک ہفتہ قبل ڈاکٹر گھوش نے انھیں بتلایا تھا کہ ان کا دل ہر طرح سے ٹھیک ہے۔ عام انسانوں کی بہ نسبت ان کا دل کافی مضبوط تھا۔ لیکن ان سوالوں کا ان کی موت سے کیا تعلق۔ ؟" افسوس کہ میں ان کے دونوں رومال انھیں نہ دے سکی۔ میرے لئے ان کا آخری حکم یہی تھا کہ میں ان کے دو رومال بکس سے نکال کر لادوں۔"

"لیکن یہ سب واقعات کیسے رونما ہوئے مسز سلیم۔ ؟" عارف نے پوچھا۔

"کچھ نہیں معلوم۔ مجھے کچھ نہیں معلوم۔ مجھے کچھ نہیں معلوم۔" وہ ہسٹریائی انداز میں چیخی۔

"اچھا آپ زور زور سے چیخ کس لئے رہی تھیں۔ ؟" عارف نے پھر دریافت کیا۔

"عارف صاحب! از راہ کرم اس وقت آپ مجھے تنہا چھوڑ دیجئے۔"

ڈاکٹر عارف نے اس وقت ہمدردی کا اظہار کرنا مناسب سمجھا۔ بڑے نرم لہجے میں بولا۔
"آپ جانتی ہیں مسز سلیم کہ میرا مقصد اس قسم کے سوالوں سے آپ کو تکلیف پہنچانا نہیں ہے۔ میرا دلی ہمدردیاں آپ کے ساتھ ہیں۔ لیکن پھر بھی ہمیں اس موت کے سلسلے میں کچھ ضروری کام کرنے ہیں۔ ہمیں ڈاکٹر کو بلوانا پڑے گا۔ میرا مطلب ہے اُن کا اپنا نجی ڈاکٹر۔ اور غالباً پولیس میں بھی اطلاع دینی ہوگی۔ آپ اگر مجھے حالات سے واقف کر دیں تو پھر کوئی ذمہ داری آپ کے کندھوں پر نہیں رہے گی۔"
"جی ۔ جی ۔ آپ ٹھیک کہتے ہیں ۔" سلمیٰ نے طبیعت پر ٹھہراؤ پیدا کرنے کی کوشش کی لیکن آنسو اور تیزی سے بہنے لگے۔ "میں آپ کا احسان کبھی نہ بھولونگی۔"
"ہاں تو بتلایئے کہ یہ واقعہ ہوا کیسے ؟"
"وہ یہاں تھے ۔" سلمیٰ نے ایک طرف اشارہ کیا۔ جس کمرے میں وہ لوگ اس وقت موجود تھے وہ سلمیٰ کی خوابگاہ تھی اور نئی فیشن کے فرنیچر سے آراستہ تھی۔ درمیان میں ایک مشترکہ غسلخانہ پڑتا تھا اور پھر اس کے شوہر کا کمرہ تھا۔ درمیان کے دروازے کھلے ہوئے تھے۔ غسلخانے کے بعد دوسرے کمرے کا کچھ حصہ نظر آرہا تھا۔
"وہ، وہاں اپنے کمرے میں تھے۔ انھوں نے ابھی تھوڑی دیر قبل اپنے کپڑے تبدیل کئے تھے۔ میں اپنے اس کمرے میں ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے ابھی تک اپنے کپڑے اسلئے نہیں تبدیل کئے تھے کہ شاید انھیں نہاتے وقت کسی چیز کی ضرورت نہ ہو۔ دروازے جو درمیان میں پڑتے ہیں، کھلے ہوئے تھے۔ انھوں نے مجھے آواز دے کر کہا کہ 'میں اب نیچے جا رہا ہوں'۔ یہ آخری جملہ تھا جو انھوں نے مجھ سے کہا۔ میں نے جواب دیا 'اچھی بات ہے'۔"

اتنا کہنے کے بعد اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کا ایک دوسرا ریلا آگیا اور اس کی پلکیں ابھی ساکت تھیں۔

"ہاں سلمیٰ صاحبہ! پھر کیا ہوا۔" عارف نے بڑی نرمی سے پوچھا۔

"پھر میں نے باہر کی طرف ان کے کمرے کا دروازہ بند ہونے کی آواز سنی۔"

"جی ہاں۔"

"اسی وقت مجھے خیال آیا کہ انھوں نے مجھ سے دو رومال، ایک کوٹ کی اوپر جیب میں اور دوسرا استعمال کے لئے رکھ دینے کو کہا تھا، معلوم نہیں میں نے رکھ دیئے کہ نہیں۔"

"جی، پھر۔"

"میں نے سوچا کہ اُن سے دریافت کروں۔ اس لئے میں اٹھ کر گئی اور اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر دیکھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ نیچے اتر چکے ہوں گے۔ لیکن نہیں۔ وہ وہاں ریلنگ کے سہارے، میری جانب اپنی پیٹھ کئے ہوئے کھڑے تھے۔ ان کے ہاتھ اور پیر اس طرح اوپر نیچے اٹھ رہے تھے جیسے ڈانس کر رہے ہوں۔ یا معلوم نہیں کیا کر رہے تھے۔"

پھر اسے اپنی تقریر جاری رکھنے میں کافی دقت لگا۔ اپنے جذبات پر قابو حاصل کرنے کے لئے اس نے جبڑے بھینچ لئے اور جلدی جلدی پلکیں جھپکانے لگی۔ ڈاکٹر عارف اسے ترحم آمیز نگاہوں سے دیکھتا رہا۔

"پھر وہ ہینڈ ریلنگ پر جو زینے کی اردگرد بنی ہوئی ہے، اور زیادہ جھک گئے۔ اور میں انھیں گھبرا کر آوازیں دینے لگی۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ مر رہے ہیں۔"

" یہ آپ کو کیسے معلوم ہوا ہے؟"

" میں کچھ باتوں کو محسوس کر سکتی ہوں۔ اور پھر وہ تو میرے شریکِ حیات تھے۔"

" اچھا خیر — پھر —؟"

" پھر آپ باہر نکل آئے۔ اور اس کے بعد سارے واقعات آپ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں —"

" بہتر ہے۔ اتنا کافی ہے۔ بقیہ کام میں ٹھیک کر لوں گا۔ اب آپ اپنے بستر پر تھوڑی دیر لیٹ جائیے اور طبیعت کو سکون دینے کی کوشش کیجئے — ہاں! سلیم صاحب کے علاوہ اور کسی کو تو آپ نے برآمدے یا زینے پر نہیں دیکھا تھا اس وقت؟"

" نہیں —"

میں نے جب آپ کو آخری بار آواز دی تھی اور پھر جب آپ نے انھیں ریلنگ کے پاس کھڑے ہوئے دیکھا۔ ان دونوں واقعات کے درمیان آپ کے خیال میں کتنا وقفہ حائل تھا —؟" عارف نے دریافت کیا۔

" تقریباً ایک منٹ — اب آپ لیٹ جائیے —"

" اوہ —" وہ پھر رونے لگی — " آپ کیا کہتے ہیں عارف صاحب! یہ لیٹنے یا آرام کرنے کا وقت ہے۔ میں جا کر ان کے پاس بیٹھوں گی۔ مجھے ان کے پاس بیٹھ کر رونے دیجئے مسٹر عارف، مجھے رونے دیجئے۔"

" میری بات مانئے مسز سلیم۔ تھوڑی دیر آرام کیجئے تاکہ دل کو سکون حاصل ہو۔" ڈاکٹر عارف نے اسے لے جا کر پلنگ پر لٹا دیا اور ایک چادر اس پر ڈال دی۔ سلمیٰ نے آنکھیں بند کر لیں۔

معلوم نہیں اس جگہ کہیں نیند لانے والی گولیاں یا برومائیڈ وغیرہ ہے کہ نہیں قبل اس کے کہ سلمیٰ کے دماغ میں پروفیسر خطیب اور بشین گوئی کا خیال آئے، اس کا سوجانا ہی بہتر ہے۔ ورنہ اور زیادہ پریشان ہوگی —" عارف نے دل ہی دل میں سوچا۔

وہ غسل خانے میں گیا۔ عجیب طرح کی بو، جیسے نم مقامات کے لئے مخصوص ہوتی ہے اس کی ناک میں پڑی۔ وہاں اندھیرا تھا ہلکی ہلکی روشنی سلیم اختر کے کمرے سے چھن کر وہاں تک آرہی تھی۔ عارف نے سوئچ آن کیا۔ ایک ہلکی روشنی کا بلب جگمگانے لگا۔ غسل خانے میں بہت کم سامان تھا ایک نہانے کا ٹب، تولیہ ٹکانے کا ہینگر اور پانی پلانے کا ایک برتن وہاں موجود تھا۔ ایک طرف آئینہ لگا ہوا تھا اور دیوار کے سہارے لگے ہوئے ایک تختے پر کنگھا، صابن دانی، ٹوتھ برش اور منجن، تیل اور چند دواؤں کی شیشیاں رکھی ہوئی تھیں۔ انھیں میں اسے مارفیا کی چوتھائی گرین کا ایک چھوٹا سا ٹیوب بھی مل گیا۔ جس پر ڈاکٹر جے۔ ایل۔ گھوش کے نام کا لیبل لگا ہوا تھا۔

"ڈاکٹر عارف نے اس میں سے دو گولیاں نکال لیں اور ٹیوب کو دوبارہ بند کر کے رکھ دیا۔ اور پھر اس نے اپنا عکس آئینہ میں دیکھا۔ کچھ دیر کھڑا سوچتا رہا پھر خود بخود بڑبڑایا۔ نہیں" — اور ٹیوب کھول کر گولیاں اس میں واپس رکھ دیں اور غسل خانے سے نکل آیا۔ سلمیٰ سلیم، خاموش اپنے بستر پر ساکن پڑی تھی آنکھیں چھت کی طرف لگی ہوئی تھیں اور ان میں آنسو تیر رہے تھے۔

" اچھا اب آپ لیٹئے۔ ڈریئے گا نہیں۔ میں آپ کی آواز پر فوراً آجاؤں گا۔

ڈاکٹر عارف نے اطمینان دلایا ۔۔۔ "اپنے شوہر کے نجی ڈاکٹر کا پتہ بتا دیجئے ۔"

" نہیں ۔ ہاں ۔ نہ یہیں قریب رہتا ہے ۔" سلمٰی نے اپنے حواس مجتمع کرتے ہوئے جواب دیا ۔" ڈاکٹر جے ۔ ایل ۔ گھوش ۔ نہرو اسٹریٹ ۔ آپ اسے نمبر ۵۴ پر فون کر سکتے ہیں ۔"

" نمبر ۵۴ ۔ بہتر ہے ۔" ڈاکٹر عارف نے کہا ۔" کیا میں یہ لائٹ آف کر کے ہلکی روشنی کا بلب آن کردوں ۔۔ ؟ "

" نہیں ۔۔ "

عارف نے ایسے مقام پر جہاں ۔ اس قسم کے پراسرار واقعات ظہور میں آرہے تھے ، کسی عورت کو تسلی دوا دینا مناسب نہیں سمجھا تھا اور اسی لئے اس نے نیند کی گولیاں واپس رکھ دی تھیں ۔ عارف نے دیکھا کہ اس کے بستر کے قریب ہی ایک چھوٹی سی میز رکھی ہوئی ہے جس پر ایک ٹیبل لیمپ ، ایک رائٹنگ پیڈ ، کچھ چھلی ہوئی نوکدار پنسلیں پڑی تھیں ۔ تمام پنسلوں کے نچلے سرے اس طرح کچلے ہوئے تھے جیسے انہیں دانتوں سے کچلا گیا ہو ۔ اسی ٹیبل کے نیچے دو چھوٹے چھوٹے بک شیلف رکھے ہوئے تھے جن میں سے بستر پر بیٹھے لیٹے کتابیں نکالی جا سکتی تھیں ۔ جن میں ایک آکسفورڈ ڈکشنری ، ایک اردو لغت ، اخبار کے تراشوں کی ایک فائل اور ایک لمبی سی نوٹ بک رکھی تھی جس میں جلی حرفوں میں " قتل کے نئے طریقے " لکھا ہوا تھا ۔

تمام سامان پر ایک سرسری نظر ڈالتا ہوا عارف کمرے سے دھیرے دھیرے چلتا ہوا باہر آگیا ۔ اور پھر زینہ طے کر کے نیچے ہال میں آپہنچا جہاں ایم فیروز اور نبیحہ

خاموش کھڑے ہوئے اس کا انتظار کر رہے تھے۔

"کہئے ـــ" ایم فیروز نے اس پر سوالیہ نگاہ ڈالی۔

سوال کو اَن سنا کر کے ڈاکٹر عارف نے کہا ـــ

"فیروز! غالباً تمہیں معلوم ہوگا فون کس جگہ ہے، ذرا جاکر نمبر ۵۴ پر فون کر کے ڈاکٹر گھوش کو کہو کر وہ یہاں آجائیں۔ ابھی ہم پولیس کو فون نہیں کریں گے۔"

"پولیس ـــ؟" فیروز نے کہا ـــ "تمہارا مقصد کیا ہے ـــ؟"

"میرے مقصد کو جاننے کی کوشش نہ کرو ـــ اور جاکر فون کرو ـــ ارے ہاں وہ پروفیسر خطیب کہاں ہے؟"

"تم مجھ سے اس کے بارے میں کیوں پوچھتے ہو۔؟" ایم فیروز نے کہا ـــ "مجھے کیا معلوم وہ کہاں ہے؟"

"کیونکہ ہم لوگ اسے تمہارے پاس ہی باتیں کرتا چھوڑ کر گئے تھے۔"

"اوہ ـــ" ایم فیروز نے کہا ـــ "میں اس کے پاس شاید مشکل سے دو منٹ رہا ہوں گا۔ اور یہ آدھا گھنٹہ پہلے کی بات ہے۔ میں اسے باورچی خانے تک چھوڑ کر اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔ اس کے بعد سے میں اپنے کمرے میں ہی رہا۔ ہاں تم نے کیا نمبر بتلایا تھا۔ چار پانچ۔ ڈاکٹر گھوش ـــ؟ میں فون کرنے جا رہا ہوں۔"

وہ جلدی میں ڈاکٹر عارف کو دھکا دیتا ہوا ایک جانب چلا گیا۔ اس تمام عرصے میں ڈاکٹر عارف صبیحہ کی طرف دیکھتا رہا تھا۔ وہ بھی جانے کے ارادے سے مڑی لیکن عارف نے اسے روک لیا

کیا بہتر نہ ہوگا کہ میں جاکر مسز سلیم کو تسلی نہ دوں۔ وہ بیچاری اپنے کمرے میں پڑی

ڈاکٹر عارف نے اطمینان دلایا ۔۔۔ " اپنے شوہر کے نجی ڈاکٹر کا پتہ بتا دیجئے ۔ "

" نہیں ۔۔ ہاں ۔ وہ یہیں قریب رہتا ہے ۔ " سلمیٰ نے اپنے حواس مجتمع کرتے ہوئے جواب دیا ۔ " ڈاکٹر جے ۔ ایل ۔ گھوش ۔ نہرو اسٹریٹ ۔ آپ اسے نمبر ۵۴ پر فون کر سکتے ہیں ۔ "

" نمبر ۵۴ ۔ بہتر ہے ۔ " ڈاکٹر عارف نے کہا ۔ " کیا میں یہ لائٹ آف کر کے ہلکی روشنی کا بلب آن کر دوں ۔۔ ؟ "

" نہیں ۔۔ ،

عارف نے ایسے مقام پر جہاں ، اس قسم کے پراسرار واقعات ظہور میں آ رہے تھے ، کسی عورت کو نشیلی دوا دینا مناسب نہیں سمجھا تھا اور اسی لئے اس نے نیند کی گولیاں واپس رکھ دی تھیں ۔ عارف نے دیکھا کہ اس کے بستر کے قریب ہی ایک چھوٹی سی میز رکھی ہوئی ہے جس پر ایک ٹیبل لیمپ ، ایک رائٹنگ پیڈ ، کچھ چھلی ہوئی نوکدار پنسلیں پڑی تھیں ۔ تمام پنسلوں کے نچلے سرے اس طرح کچلے ہوئے تھے جیسے انہیں دانتوں سے کچلا گیا ہو ۔ اسی ٹیبل کے نیچے دو چھوٹے چھوٹے بک شیلف رکھے ہوئے تھے جن میں سے بستر پر بیٹھے لیٹے کتابیں نکالی جا سکتی تھیں ۔ جن میں ایک آکسفورڈ ڈکشنری ، ایک اردو لغت ، اخبار کے تراشوں کی ایک فائل اور ایک لمبی سی نوٹ بک رکھی تھی جس میں جلی حرفوں میں " قتل کے نئے طریقے " لکھا ہوا تھا ۔

تمام سامان پر ایک سرسری نظر ڈالتا ہوا عارف کمرے سے دھیرے دھیرے چلتا ہوا باہر آ گیا ۔ اور پھر زینہ طے کر کے نیچے ہال میں آ پہنچا جہاں ایم فیروز اور جمیرہ

خاموش کھڑے ہوئے اس کا انتظار کر رہے تھے۔

"کہیئے —" ایم فیروز نے اس پر سوالیہ نگاہ ڈالی۔

سوال کو اَن سُنا کر کے ڈاکٹر عارف نے کہا —

"فیروز! غالباً تمہیں معلوم ہوگا فون کس جگہ ہے؛ ذرا جاکر نمبر ۵۴ پر فون کرکے ڈاکٹر گھوش کو کہو کہ وہ یہاں آجائیں۔ ابھی ہم پولیس کو فون نہیں کریں گے۔"

"پولیس — ؟" فیروز نے کہا — "تمہارا مقصد کیا ہے — ؟"

"میرے مقصد کو جاننے کی کوشش نہ کرو — اور جاکر فون کرو — ارے ہاں!! پروفیسر خطیب کہاں ہے ؟"

"تم مجھ سے اس کے بارے میں کیوں پوچھتے ہو — ؟" ایم فیروز نے کہا۔ "مجھے کیا معلوم وہ کہاں ہے ؟"

"کیونکہ ہم لوگ اسے تمہارے پاس ہی باتیں کرتا چھوڑ کر گئے تھے —"

"اوہ —" ایم فیروز نے کہا۔ "میں اس کے پاس شاید مشکل سے دو منٹ رہا ہوں گا۔ اور یہ آدھا گھنٹہ پہلے کی بات ہے۔ میں اسے باورچیانہ تک چھوڑ کر اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔ اس کے بعد سے میں اپنے کمرے میں ہی رہا۔ ہاں تم نے کیا نمبر بتلایا تھا۔ چون پانچ۔ ڈاکٹر گھوش — ؟ میں فون کرنے جا رہا ہوں۔"

وہ جلدی میں ڈاکٹر عارف کو دھکا دیتا ہوا ایک جانب چلا گیا۔ اس تمام عرصے میں ڈاکٹر عارف صبیحہ کی طرف دیکھتا رہا تھا۔ وہ بھی جانے کے ارادے سے مڑی لیکن عارف نے اسے روک لیا

کیا بہتر نہ ہوگا کہ میں جاکر مسز سلیم کو تسلی نہ دوں۔ وہ بیچاری اپنے کمرے میں پڑی

رو رہی ہو گی۔ بد نصیب عورت!"

"سنو صبیحہ ۔۔۔! ڈاکٹر عارف نے کہا۔ "میں تمہیں کسی قسم کا حکم یا ہدایت دینے کا اختیار نہیں رکھتا۔ لیکن مجھ پر یقین کرو۔ میں اس سے قبل جرائم کے سلسلے میں کچھ کام کر چکا ہوں اور..... " وہ کچھ ہچکچایا پھر جی کڑا کر کے بولا۔" اور عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ اگر سارا حال شروع میں سچ سچ نہ بیان کر دیا گیا، تو آخر میں کیس پیچیدہ سے پیچیدہ تر ہوتا جاتا ہے۔ اب کیا آپ از راہ کرم میرے ایک سیدھے سے سوال کا جواب دے سکیں گی مس صبیحہ ۔۔؟"

"جی نہیں ۔۔!"

"لیکن ۔۔۔" عارف نے کچھ کہنا چاہا۔

"نہیں۔ میں آپ کے کسی سوال کا جواب نہیں دوں گی۔ میں سلمٰی کے پاس جا رہی ہوں ۔" وہ چلی، پھر کچھ سوچ کر رک گئی ۔۔۔" خیر..... " اس نے رکتے رکتے کہا ۔۔ "معلوم تو ہو آپ کیا سوال کرنا چاہتے ہیں۔"

" آج رات کو کسی چیز یا کسی آدمی نے آپ کے کمرے میں گھس کر آپ کو بری طرح سہما دیا تھا۔ کیا وہ پروفیسر خطیب نہیں تھا۔ کیا وہ آپ کے کمرے میں گھس گیا تھا؟"

"پناہ بخدا ۔۔ ہرگز نہیں ۔۔!"

" اوہ ۔۔ ۔" ڈاکٹر عارف نے اطمینان کی لمبی سانس کھینچی ۔" تب تو سب ٹھیک ہے۔"

" لیکن آپ کے دماغ میں یہ خیال کیسے پیدا ہوا کہ خطیب میرے کمرے میں گھس گیا تھا ۔۔؟"

" کوئی خاص بات نہیں ۔۔ یہ محض ایک امکانی خیال تھا ۔۔"

"خاص بات کیسے نہیں ۔۔۔" مس صبیحہ کچھ جوش میں آگئی ۔۔" میں دیکھ رہی ہوں کہ جسے دیکھئے وہی مجھ پر شک کرتا نظر آتا ہے۔ پہلے ایم فیروز، پھر سلیم اختر اور اب آپ میرے بارے میں مشکوک نظر آرہے ہیں۔ آخر آپ نے یہ سوچا کیسے کہ خطیب میرے کمرے میں تھا۔ ؟"

" مجھے آپ پر کسی قسم کا شک نہیں ہے مس صبیحہ ۔۔۔ ؟" عارف نے سمجھاتے ہوئے کہا۔ ہم میں سے کوئی آپ پر شک نہیں کرتا۔ ہم لوگ خود اپنے بارے میں مشکوک ہیں ۔۔"

" کیا مطلب ۔۔ ؟ ذرا وضاحت کیجئے اپنے اس جملے کی ۔۔۔ ؟"

" افسوس ہے ان حالات میں نہیں بیان ۔۔۔۔"

" کیسے حالات۔ آپ بتلایئے تو سلیم اختر مر چکا ہے وہ آپ کی بات نہیں سن سکے گا ۔" ڈاکٹر عارف خاموش کھڑا رہا ۔ اچانک صبیحہ پر جذبات کی فراوانی طاری ہوگئی۔ اس نے اپنی انگلی کا ناخن دانتوں سے کترنا شروع کر دیا اور آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے۔

عارف کا لہجہ کچھ نرم پڑ گیا ۔ اس نے کہا۔

" یہی تو میں بھی کہنا چاہتا تھا کہ سلیم مر چکا ہے اور وہ ہماری گفتگو نہیں سن سکتا لہٰذا آپ بتلا کیوں نہیں دیتیں کہ کس چیز نے آج رات کو آپ کو اس بُری طرح سہما دیا تھا ؟"

صبیحہ نے آنسو خشک کرتے ہوئے کہا ۔" پہلے آپ یہ بتایئے کہ میرے کمرے میں خطیب کی موجودگی کا شک آپ کے دل میں کیوں پیدا ہوا ۔۔۔ ؟"

"ادھر میرے ساتھ آئیے۔" اس نے صبیحہ سے کہا اور اسے لے کر اس زینے سے جو کہ چھ سات سیڑھیوں پر مشتمل تھا اوپر پہنچا اور صبیحہ کے کمرے کے کھلے ہوئے دروازے کے سامنے کھڑے ہو کر کہا۔

"ذرا اس ڈریسنگ ٹیبل کے نیچے پڑی ہوئی اس سفید سی چیز کو دیکھئے۔ کیا یہ باورچیوں کے استعمال کی ٹوپی نہیں ہے ـــ؟"

"جی ہاں۔ ٹھیک ہے۔ پھر ـــ؟"

"پھر یہ کہ آج پروفیسر خطیب کے علاوہ باورچی خانہ میں اور کوئی نہیں ہے۔ میں حیرت میں ہوں کہ یہ ٹوپی یہاں کس طرح آگئی ـــ؟" پھر صبیحہ کی غیر ہوتی ہوئی حالت کو دیکھ کر اس نے جلدی سے کہا ـــ "لیکن یہ محض میرا خیال تھا کہ خطیب یہاں آیا ہوگا اگر آپ کہتی ہیں کہ وہ نہیں آیا، تو ٹھیک ہے۔"

"عجیب پراسرار قسم کا شخص ہے یہ پروفیسر خطیب ـــ!" صبیحہ نے کہا۔

ڈاکٹر عارف نے کہا ـــ "جی ہاں ـــ اور سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہمارا پراسرار پروفیسر اس وقت کہاں ہے؟"

اسی وقت بے آواز چلتا ہوا ایم فیرڈز ان کے پاس آ پہنچا اور بولا ـــ

"میں نے ڈاکٹر گھوش کو فون کر دیا ہے۔ اس نے کہا ہے کہ وہ بہت جلد یہاں پہونچ رہا ہے اور مسٹر عارف؟" اس نے ڈاکٹر کا شانہ تھپک کر کہا ـــ "میرے خیال میں چاہے بعد میں کچھ ثابت ہو۔ لیکن اس وقت غالباً ہمیں پولیس اسٹیشن فون کرنے کی ضرورت ہے ـــ؟"

"نہیں۔ میں فی الحال وہاں فون نہیں کرونگا۔ کیوں تم اتنی جلدی اسکی ضرورت

کیوں محسوس کرتے ہو ایم فیروز!؟"

"کیونکہ ۔۔" ایم فیروز نے آواز دبا کر کہا ۔ " ڈاکٹر گھوش کہتا ہے سلیم کو کبھی دل کے کسی عارضے کی شکایت نہیں رہی ۔ اس کا قلب مکمل طور پر صحتمند تھا ۔؟ دوسرے یہ کہ پروفیسر خطیب بھی ۔۔

"کیا تم نے حال ہی میں پروفیسر کو دیکھا ہے ۔" عارف نے قطع کلام کرکے پوچھا۔

فیروز کی گرفت عارف کے شانے پر مضبوط ہو گئی ۔

" نہیں دیکھا تو نہیں ہے ۔۔" اس نے جواب دیا ۔" لیکن اس بارے میں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں، وہ نیچے باورچیخانہ میں موجود ہے ۔ میں نے اس کی آواز ابھی سنی تھی اور بہت جلد ہم لوگ اس سے مل سکیں گے ۔ میں نے نیچے کھانے کے کمرے میں دیکھا تھا وہ وہاں نہیں تھا لیکن باورچیخانے میں چولھا پھونکنے کی آواز مجھے سنائی دی تھی ۔ اس نے ڈرائنگ روم میں کھانا میز پر چن دیا ہے کھانا اچھا پکا ہوا معلوم ہوتا ہے میز پہ تازہ پھولوں سے سجا ہوا ایک گلدان بھی رکھا ہے ۔ لیکن سُنو ۔۔ ." اس کی آواز حد درجہ پراسرار ہو گئی ۔

" میز پر کھانا محض پانچ آدمیوں کے لئے چنا گیا ہے ۔ ہاں صرف پانچ آدمیوں کے لیئے ۔ یعنی اسے پہلے ہی سے یقین تھا کہ ہم چھ میں سے کھانا صرف پانچ ہی کھا سکیں گے !!!

-: کتاب اوّل ختم ہوئی :-

کتاب دوم

ہوائی قتل

کیسی کی جان گئی آپ کی ادا ٹھیری!

شرلاک ہومز ہندوستان میں
(کرائم رپورٹر ڈیلی بمبئی سے ماخوذ)

سلیم اختر کا انتقال

۲۰ اپریل ۱۹۳۸ء - پیلی کوٹھی، برجبیں نگر کے سلیم اختر صاحب کے دوستوں کو یہ جان کر سخت صدمہ ہوگا کہ کل رات کو اچانک ان کی موت واقع ہوگئی۔ کہا جاتا ہے کہ سلیم اختر رات کا کھانا کھانے کے لئے بالائی منزل سے نیچے جا رہے تھے کہ غیر متوقع طور پر ان کے دل کی حرکت بند ہوگئی۔

سلیم اختر صاحب جن کی عمر ابھی ۵۰ سال کی تھی، خان بہادر حفیظ اختر کے لڑکے تھے۔ اپنی ابتدائی تعلیم بمبئی کے ایک ہائی اسکول میں حاصل کر کے وہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے آکسفورڈ یونیورسٹی چلے گئے تھے اور پھر سول سروس میں کامیاب ہوکر ایک اچھے عہدے پر فائز ہوئے۔ دوران ملازمت میں ان کی کارگذاریاں حکومت برطانیہ کے لئے اطمینان بخش رہیں۔ ۱۹۲۱ء میں اپنے والد کے انتقال پر انھوں نے استعفیٰ دے دیا۔ ۱۹۲۲ء میں انھوں نے مشہور ناول نگار سلمیٰ سلطانہ سے، جسے جاسوسی ادب سے دلچسپی رکھنے والے سلمیٰ سلیم کے نام سے جانتے ہوں گے، شادی کر لی تھی۔

اپنی موت کے بعد انھوں نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔

(روزنامہ "انقلاب" کے ۲۰ اپریل ۱۹۳۸ء کے مارننگ ایڈیشن سے)

سنسنی خیز ناولوں کی مصنفہ کا شوہر پراسرار موت کا شکار ہوگیا!

موت کا سبب کیا ہے۔ پولیس کی سرگردانی!

ہمارے مخصوص نامہ نگار نے برجبیں نگر سے اطلاع دی ہے کہ سلیم اختر سنسنی خیز

شرلاک ہومز ہندوستان میں

جاسوسی ناولوں کی مصنفہ سلمیٰ سلیم کا مالدار شوہر کل رات کو اپنے مکان پر کئی دوستوں کے سامنے پر اسرار موت کا شکار ہو گیا۔

کون سی باتیں اس کی وفات کا باعث ہوئیں ـــ؟

پہلے معلوم ہوا کہ حرکتِ قلب بند ہو جانے سے موت واقع ہوئی ہے۔ لیکن کارونر کی ہدایت پر، پوسٹ مارٹم کرنے سے کیونکہ ان کے نجی ڈاکٹر نے موت کے قدرتی ہونے میں شبہ ظاہر کیا تھا، دونوں ڈاکٹروں میں سات گھنٹے متواتر بحث ہوتی رہی۔ پوسٹ مارٹم سلیم کے نجی ڈاکٹر جے۔ ایل۔ گھوش اور محکمہ پولیس کے مشہور ڈاکٹر عارف نے مل کر کیا تھا۔

یہ بحث کس بارے میں تھی ـــ؟

خیال کیا جاتا ہے کہ مرحوم کی موت کا کوئی معقول سبب معلوم کرنے میں دونوں ڈاکٹر قاصر رہے۔ مرحوم کے جسم کا ہر حصہ مکمل طور پر صحت مند تھا!

"کیا ڈاکٹروں نے موت کے بارے میں کوئی نظریہ قائم کیا ہے؟" ہمارے نامہ نگار نے محکمہ پولیس کے ایک ذمہ دار افسر سے سوال کیا تھا۔

"معاملات پیچیدہ ہیں۔" اس کا مختصر سا جواب تھا۔

"لیکن کیا کسی آدمی کی موت کسی سبب کے بغیر بھی واقع ہو سکتی ہے!؟" ہمارے نامہ نگار نے دوبارہ پوچھا۔

"میں اس وقت کسی قسم کا بیان نہیں دے سکتا ـــ!" ذمہ دار افسر پولیس نے جواب دیا۔

معاملہ اس طرح اور پر اسرار ہو جاتا ہے کہ چشم دید گواہوں کے بیانات شائع کرنے کے بارے میں اخبارات کے پاس امتناعی احکامات بھیج دیئے گئے ہیں!

اسٹاپ پریس۔۔ سیکرٹ سروس کے چیف انسپکٹر فیاض حیدری کل بمبئی کے

شرلاک ہومز ہندوستان میں
نے سلیم اختر کی پر اسرار موت کے سلسلے میں تفتیش کی غرض سے روانہ ہو رہے ہیں۔

(۹)

دوسرے دن اتوار کی اس خوشگوار صبح کو ڈاکٹر عارف "نشاط ریسٹورانٹ" کے ایک پرائیویٹ کیبن میں کھلی ہوئی کھڑکی کے پاس ایک کرسی پر بیٹھا ہوا کافی کی چسکیاں لے رہا تھا۔ ماحول پر سکون تھا باہر سے چڑیوں کے چہچہانے کی آوازیں اس کے کانوں میں آرہی تھیں۔ ایک کار پر شور آواز پیدا کرتی ہوئی ہوٹل کے سامنے آکر ٹھہری اور کھڑکی کی راہ سے ڈاکٹر عارف نے چیف انسپکٹر جعفری کو اس میں سے اترتے ہوئے دیکھا۔

اور پھر تھوڑی دیر بعد وہ ہوٹل کے ہال سے گذر کر ڈاکٹر عارف کے پاس آتے ہوئے مسکرا کر بولا — "ہیلو ڈیر عارف — ! مزاج کیسے ہیں؟ آج کی صبح تو بڑی خوشگوار ہے۔"

"بے شک — " عارف نے جواب دیا۔

ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے نیاز نے کافی کا آرڈر دیا اور پھر ڈاکٹر سے پوچھا — "کیوں نہ کچھ متفکر سے نظر آتے ہو۔"

"ہاں —" مختصر سا جواب ملا۔

"وہ کوئی بات نہیں —" نیاز نے ہنس کر کہا۔ "ہم لوگ بہت جلد سب کچھ معلوم کرلیں گے۔" بیرا کافی لے آیا تھا۔ پیالی لبوں تک لے جاتے ہوئے اس نے پوچھا۔

"کہو پیارے؟ تمہارے معاملات کیسے چل رہے ہیں۔؟ طلعت پر دین کے بارے میں کوئی نئی خبر تو نہیں ملی — ؟"

" ہاں وہ خیریت سے ہے ـ " ڈاکٹر عارف نے عجیب نظروں سے چیف انسپکٹر کو دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ نیاز کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں اسنے اپنی کرسی اور قریب سرکا کر اس پر خلوص لہجے میں ڈاکٹر عارف سے دریافت کیا ــــ

" کیوں بھئی کیا بات ہے ؟ تم طلعت پروین کے ذکر سے کچھ رنجیدہ ہو گئے شاید ـ"

" نہیں میں اس سلسلے میں فکر مند نہیں ہوں "

نیاز نے اُسے غور بین نظروں سے دیکھ کر کہا۔" خیر ــ یہ بتلاؤ کہ تم نے مجھے تار دیکر پہلے اس ہوٹل میں ملنے کی ہدایت کیوں کی تھی ـ ؟ غالباً، جیسا کہ سب جانتے ہیں تمہیں بھی علم ہوگا کہ میرے ذمہ چند فرائض عائد کئے گئے ہیں۔ جن کے مطابق مجھے سب سے پہلے 'بیلی کوٹھی' پہنچنا چاہئے اور وہاں سے سپرنٹنڈنٹ کو اپنی آمد کی اطلاع بھیجنی چاہیئے ـ لیکن تمہارا اصرار تھا کہ پہلے میں تم سے اس ہوٹل میں مل کر چند باتیں جان لوں ـ لہذا میں حاضر ہوں ـ"

" شکریہ ـ" ڈاکٹر عارف نے جواب دیا۔" لیکن میرا خیال تھا کہ اگر پہلے تمہیں متنبہ کیا گیا تو تم " بیلی کوٹھی " پہنچ کر اور تازہ الجھن کھڑی کر لو گے۔ اور غلط نتائج اخذ کر دو گے ـ "

" مجھے افسوس ہے عارف ـ " چیف انسپکٹر نیاز بولا ـ " کہ تم اب تک اپنے دوست کو صحیح نہیں سمجھ سکے۔ اپنی ملازمت کے گذشتہ چھ سات سالوں میں میں نے بہت کچھ سیکھا ہے ـ اور اب کوئی بات مجھے متعجب نہیں کرتی۔ اور جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے یہ معاملہ کچھ اتنا زیادہ پیچیدہ بھی نہیں ہے ـ حالات جو مجھے بتائے گئے ہیں اُن کے مطابق سلیم اختر اپنی خوابگاہ سے نکل کر زینے کی طرف جاتا ہوا دیکھا گیا اور پھر وہ نیچے اترتے ہوئے زینے

سے گر کر دو منٹ بعد مر گیا۔ کیا یہ درست ہے — ؟

"ہاں یہ ظاہر درست ہے — !" عارف نے اطمینان سے کہا۔

"آہ — !" چیف انسپکٹر نیاز نے اسے گھورتے ہوئے کہا — "کیا تم اس کے علاوہ بھی اور کچھ مجھے بتا سکتے ہو ؟"

"ہاں — " ڈاکٹر عارف نے اس سے نگاہیں ملاتے ہوئے جواب دیا — "میرے دوست جتنا تم نے بیان کیا ہے اگر واقعہ محض اتنا ہی ہوتا تو پھر پیچیدگی ہی کیا تھی — سنو۔

"بیلی کوٹھی" میں جمعہ کی شام کو چھ آدمی مقیم تھے۔ مسٹر اور مسز سلیم، مس صبیحہ ایم فیروز، پروفیسر خلیب اور میں۔ اب موت سے کچھ دیر قبل کی ہم لوگوں کی مصروفیات دیکھو سلیم بذاتِ خود اپنے کمرے میں لباس تبدیل کر رہا تھا، اس کا کمرہ اور سلمیٰ سلیم کا کمرہ ایک درمیانی غسل خانے کے توسط سے ملا ہوا ہے۔ سلمیٰ سلیم اپنے کمرے میں تیار ہو رہی تھی۔ فیروز اپنے کمرے میں تھا۔ صبیحہ میرے کمرے میں مجھ سے گفتگو کر رہی تھی۔ یہ تمام کمرے ایک ہی منزل پر ہیں۔ اور پروفیسر نیچے باورچی خانے میں ہم لوگوں کیلئے کھانا تیار کر رہا تھا۔

" تقریباً آٹھ بجنے میں دس منٹ تھے کہ سلیم نے اپنے کمرے سے آواز دے کر سلمیٰ سے کہا کہ وہ اپنا لباس تبدیل کر چکا ہے اور نیچے جا رہا ہے۔ پھر اسے دروازے بند ہونے کی آواز سنائی دی۔ ٹھیک اسی وقت اسے یاد آیا کہ وہ سلیم سے یہ پوچھنا بھول گئی ہے کہ اس کی ہدایت کے مطابق اس نے کوٹ میں دو رومال رکھ دیئے ہیں یا نہیں۔ وہ اٹھ کر اپنے کمرے کے دروازے پر آ گئی۔ وہاں سے زینے کی ریلنگ صاف نظر آتی ہے۔ اور وہاں اسے سلیم اختر اس کے اپنے بیان کے مطابق ناچنے کی سی حرکات کرتا ہوا نظر آیا —"

نیاز جعفری نے اپنی نوٹ بک نکال لی تھی اور وقتاً فوقتاً اس میں یاد داشتیں درج

کرتا جاتا تھا۔ اچانک گردن اٹھا کر اس نے پوچھا ۔۔

"ناچنے کی سی حرکات ۔۔ ! کیا مطلب تھا اس کا ۔۔ ؟"

"اس کی وضاحت سلمیٰ نہیں کر سکی ۔" عارف نے جواب دیا۔

"خیر ۔ آگے چلو ۔"

"پھر وہ زینے کی ریلنگ پر جھولنے لگا ۔ اور سلمیٰ کی چیخیں نکل گئیں ۔ دوسرے لمحے میں میں اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر باہر آگیا اور دیکھا کہ سلیم اختر زینے کے ریلنگ پر جھکا ہوا لڑکھڑا رہا ہے ۔ اس کا بایاں ہاتھ اوپر اٹھا ہوا تھا اور اس کی مٹھیاں کھلتی اور بند ہوتی نظر آتی تھیں ۔ ایک سکنڈ کے عرصہ میں ہی میں نے یہ منظر دیکھا اور دوسرے لمحے وہ نیچے گر پڑا اور میرے وہاں پہنچنے کے فوراً بعد ہی ختم ہو گیا !"

"کیا اوپر سے گرنے کی وجہ سے ؟" چیف انسپکٹر نے الفاظ پر خاص زور دیکر پوچھا۔

"نہیں جی ۔۔" ڈاکٹر عارف نے کہا ۔ اونچائی بہت زیادہ نہیں تھی ۔ نہ ہی کوئی خاص چوٹ اسے آئی تھی پہلے تو سمجھا تھا کہ کمزور دل ہونے کی وجہ سے اس کے قلب کی حرکت بند ہو گئی ہے ۔ ہر چیز صاف تھی ۔ اچانک دل کا دورہ پڑنا ، اس کا ریلنگ پکڑ کر تکلیف سے لڑکھڑانا ، پھر نیچے گرتے ہوئے خوف سے ہارٹ فیل ہو جانا ۔ یہ بات واضح اور پھر وہ بھی غسل کر کے باہر آیا تھا اس لئے دورہ پڑنے کا زیادہ امکان بھی تھا ۔ لیکن اس کی آنکھوں کی پتلیاں دیکھ کر میں "ہارٹ فیل" کی بابت زیادہ پختہ یقین نہ کر سکا ۔ میں نے اس کے دل کی حالت جاننے کے لئے سلمیٰ سے کچھ سوالات بھی کئے لیکن اس کی حالت اتنی غیر ہو رہی تھی کہ کسی سوال کا واضح جواب نہیں دے سکی ۔ اس وقت تک بات اتنی پیچیدہ نہ ہوئی تھی ۔ پیچیدگی اس وقت دس گنا بڑھ گئی جب میں نے ڈاکٹر گھوش سے اس سلسلے میں

گفتگو کی۔ وہ سلیم اختر کا نجی ڈاکٹر ہے ۔۔۔ "

" ہوں ۔ کہتے چلو ۔ "

" اس نے بتلایا کہ سلیم کو تمام عمر کبھی قلب کی کوئی شکایت نہیں ہوئی۔ اس کا دل اتنا ہی مضبوط تھا جتنا میرا یا تمہارا۔ اور بعد میں معاملہ کی پیچیدگی مزید بڑھ گئی جب کارونر کی ہدایت پر ہم دونوں نے لاش کا پوسٹ مارٹم کیا۔ اس کے جسم کے کسی عضو میں کوئی خامی یا مرض نہیں پایا گیا۔ نہ ہی موت کا سبب معلوم ہو سکا۔

" لیکن تم مزید غور کے بعد موت کا سبب تو معلوم ہی کر لو گے ۔"

" ناممکن ہے نیاز !"

" ہوں ۔۔۔ " نیاز نے پر خیال انداز میں اپنے ہونٹ چباتے ہوئے آواز نکالی ۔

" آدمی سنجیدہ نظر آتا ہے بغیر کسی سبب کے موت واقع ہونا سمجھ میں آنے والی بات نہیں ہے ۔۔"

" ہاں ۔ اس کی موت عجب طرح کا گورکھ دھندا بن کر رہ گئی ہے " عارف نے کہا۔

" اسے کوئی زہر تو نہیں دیا گیا تھا ۔۔ "

" نہیں ۔۔۔ ! "

" کیا تم پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہو ؟ "

" ہاں ۔ پورے یقین کے ساتھ بشرطیکہ کوئی ایسا زہر اس پر استعمال نہ کیا گیا ہو جس کے اوصاف اور آثار کے بارے میں میڈیکل سائنس ابتک لاعلم ہے ۔ "

عارف نے زہر خند کرتے ہوئے کہا ۔ " میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں نیاز! کہ سلیم اختر پر کوئی زہر ٹھوس ، رقیق یا گیسی کسی شکل میں نہیں استعمال کیا

گیا تھا۔ ڈاکٹر گھوش اور میں نے پورے غور و خوض سے پوسٹ مارٹم کرنے اور مکمل مشورے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا ہے اور اگر اس میں ہم لوگوں نے کوئی غلطی کی ہے تو خدا ہم پر رحم کرے۔ ہم لوگوں نے ہر بعید ترامکان کے بارے میں پوری طرح بحث کر لینے کے بعد یہ نتیجہ نکالا تھا۔"

چیف انسپکٹر نیاز جعفری بظاہر زبان منہ میں گھماتا ہوا لاپرواہی کا اظہار کر رہا تھا لیکن ڈاکٹر عارف کو معلوم تھا کہ اس کے خیالات کی رو بہت دور تک پہنچی ہوئی ہے۔

"عجب طرح کا پراسرار کیس ہے۔" آخرش اس نے کہا۔ "ضرور کہیں کوئی غلطی ہوئی ہے۔ اگر ہم یہ فرض کریں کہ سلیم کو کسی نے قتل کیا ہے، تب بھی یہ کیسے ممکن ہے کہ موت کا کوئی معمولی سا سبب بھی ہمارے دو قابل ڈاکٹر معلوم نہ کر سکیں۔ اچھا یہ بتلاؤ ڈاکٹر! کیا قتل کا کوئی ایسا طریقہ ہے جس سے یہ معلوم نہ ہو سکے کہ مقتول کی موت کا سبب کیا ہے؟"

"ہاں ۔۔"

"کیسے ۔۔؟"

"میرے علم میں ایسے تین ذریعے ہیں۔ جن سے ایک مکمل تندرست آدمی کو ہلاک کرنے کے بعد مقتول کے جسم کا معائنہ کرنے سے اس کی موت کا سبب کوئی نہیں بتا سکتا۔۔ نہ قتل کی کوئی علامت مردے کے باہری یا اندرونی معائنہ سے معلوم ہو سکتی ہے۔"

"لیکن یہ کس طرح ممکن ہے؟"

"ممکن کیوں نہیں۔۔"

"سوچنے کی بات ہے۔" چیف انسپکٹر نیاز نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر سکے کھنکھناتے ہوئے پرخیال انداز میں خلا کو گھور کر کہا۔ "اگر اسی طرح لوگ مرتے رہے

اور ان کی موت کا کوئی سبب معلوم نہیں ہوتا۔ تو پھر پولیس کی کیا درگت ہوگی۔ ؟"

خیر۔ تو اب تم نے اس کیس کی اہمیت اور پیچیدگی کو محسوس کیا ہے۔ اسلئے میں نے ایک مضمون نقل کیا ہے، جسے تم بوقت ضرورت پولیس میں دے سکتے ہو۔ اس کی اشاعت سے تمہارے اوپر کوئی الزام عائد نہ کیا جا سکے گا۔ یہ مضمون میرا اپنا نہیں ہے بلکہ میڈیکل سائنس کے ایک بہت بڑے مستند شخص کے مضمون کا ایک حصہ ہے۔ ڈاکٹر ٹیلر (TAYLER) کے ایک مضمون سے میں نے یہ ٹکڑا اخذ کیا ہے۔" ڈاکٹر عارف نے اپنے کوٹ کی جیب سے ایک کاغذ نکال کر کھولتے ہوئے کہا۔ اس نے کاغذ کا مضمون پڑھنا شروع کیا۔

"عام طور پر میڈیکل سائنس سے ناواقف لوگوں کا خیال ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک نہیں مر سکتا جبتک کہ اس کے کسی عضو یا خون کی نالیوں پر خاص ضرب نہ پہنچائی جائے یا اس کے جسم کا کوئی اہم حصہ خراب یا ناکارہ نہ ہو جائے۔ اور یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ کسی شخص کی موت کے بعد اس کی موت کا سبب ہر حالت میں آسانی سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔ اس قسم کے خیالات کا باعث علم میڈیکل سائنس سے لوگوں کی عدم واقفیت ہے۔ بعض حالات میں موت کا صحیح سبب معلوم کرنا بالکل ناممکن ہوتا ہے۔" له

له اس کتاب کے مطالعہ کرنے والوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ یہ کتاب عام جاسوسی ناولوں سے بالکل مختلف ہے۔ آپ ہیجان خیز واقعات کثرت سے پائیں گے لیکن سنسنی پیدا کرنے کے لئے محیر العقول ناقابل یقین واقعات نہیں پیش کئے گئے۔ مثلاً بغیر کسی ظاہری علامت کے موت واقع ہونے کے بارے میں جو تشریح پیش کی گئی ہے وہ ٹیلرس پرنسپل اینڈ پریکٹس آف میڈیکل جیورسپروڈنس ( ) نامی کتاب سنہ ۱۹۲۰ء میں شائع شدہ ساتویں ایڈیشن میں موجود ہے۔ جسے لندن سے (و گرینٹ، ہیرو اشرنٹ لندن) نے شائع کیا ہے۔ جلد پہلی والیوم صفحہ ۱۵۸ دیکھئے۔

[illegible]

اتنا پڑھ کر عارف نے کاغذ چیف انسپکٹر نیاز کی طرف بڑھا دیا اور بولا۔

"ہاں نیاز میں تمہیں کم از کم تین طریقے ایسے بتا سکتا ہوں جن سے کسی شخص کو قتل کیا جا سکتا ہے اور مقتول کے جسم کے اندر یا باہر کسی قسم کی کوئی علامت موت کا سبب ظاہر کرنے والی نہیں ملے گی۔"

"خوب ۔" نیاز جعفری نے کہا ۔ "میں تسلیم کرتا ہوں ڈاکٹر عارف! کہ مجھ تم سے اور سر سلطان صدیقی سے اکثر بہت کام کی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ ہاں ذرا بتلاؤ تو قتل کے وہ تین پراسرار طریقے کون سے ہیں؟"

"ڈاکٹر عارف نے کہا ۔" پہلا یہ، کہ اگر کسی انسان کے شہ رگ یا پیٹ اور سینے کے مقام اتصال پر جو گڑھا ہوتا ہے، عین اس پر اچانک گھونسا مار دیا جائے تو اکثر موت واقع ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اس سے جسم کی مشینری اچانک اپنا کام بند کر دیتی ہے۔ اس طرح واقع ہونے والی موت کے بعد مردے کے جسم کا معائنہ کتنے ہی غور سے کیوں نہ کیا جائے، جسم کے اندر یا باہر کسی قسم کی کوئی ایسی علامت نہیں ملتی جس سے موت کا سبب معلوم کیا جا سکے۔"

"ذرا ٹھہرو ڈاکٹر۔" چیف انسپکٹر نے اسے درمیان ہی میں روک دیا۔ "کسی شخص کے عین شہ رگ پر یا ٹھیک اس گڑھے پر جو سب کے اوپر اور سینے کے نیچے ہوتا ہے اچانک ضرب چوٹ پہنچانا تقریباً ناممکن ہے۔"

"میں نے یہی شرط لگائی ہے کہ اگر اس قسم کی چوٹ پہنچائی جا سکے تب اس قسم کی موت ممکن ہے۔" ڈاکٹر عارف نے جواب دیا۔ "ہاں یہ مجھے تسلیم ہے کہ ان مقامات پر چوٹ پہنچانا بہت مشکل ہے۔ اور پھر میں نے محض ایک امکان پیش کیا ہے کہ اگر کوئی شخص

اس قسم کی کوشش میں کامیاب ہو جائے اور کوئی چشم دید گواہ نہ ہو تو پھر کوئی صورت ممکن نہیں کہ اسے قاتل ثابت کیا جا سکے کیونکہ موت کا ذریعہ یا سبب ہی سرے سے مفقود ہوگا۔ "

"اچھا خیر — دوسرا طریقہ بیان کرو —" نیاز نے کہا۔

"بہت سے لوگ دماغ پر اچانک زوردار دھچکا پہنچنے سے مر جاتے ہیں یعنی بھیجے کے اوپر ہی۔ جیسے پر زور دار چوٹ پہنچائی جائے اور یہ احتیاط برتی جائے کہ کھوپڑی کی ہڈی ٹوٹنے نہ پائے نہ ہی سر کی کھال پھٹے۔ تو ایسی حالت میں بھی اکثر اسی قسم کی موت واقع ہوتی ہے۔"

"اور تیسرا طریقہ —؟"

"حد سے زیادہ بڑھا ہوا خوف اور تعجب بھی بسا اوقات اس قسم کی موت کا باعث بنتا ہے لیکن بعد میں لاش کے معائنہ پر موت کا سبب سمجھ میں نہیں آتا۔ اس کے علاوہ بھی اور کئی طریقے ہیں لیکن ان میں سے کوئی بھی یہاں موزوں نہیں بیٹھتا مثلاً بجلی کا 'شاک' لگنے سے بغیر کوئی علامت چھوڑے ہوئے موت واقع ہو جاتی ہے۔ سیلی کوٹھی میں 'الکٹرک فٹنگ' کی کثرت ہے اس لئے تمہارا خیال اس طرف ضرور مبذول ہوا لیکن سلیم اختر موت کے وقت اس قسم کے بجلی کے آلات سے کافی دور تھا —" [1]

---

[1] قارئین کے لئے یہ بات دلچسپی کا باعث ہوگی اس لئے وضاحت کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس کیس میں کسی ایسے آلے کا استعمال نہیں کیا گیا تھا جو جرم کی عدم موجودگی میں سلیم کی موت کا باعث ہوا ہو۔ ذریعے کو کارآمد بنانے کے لئے بوم کی جائے وقوعہ میں موجودگی بھی ضروری تھی۔ ملحوظ رہے۔

مظفر حسنی جنوری

قدرے توقف کے بعد ڈاکٹر عارف نے پھر کہا ۔" دوسرے یہ بھی کہ جب میں نے سلیم اختر کو ریلنگ پر ہاتھ اٹھا کر مٹھی باندھتے ہوئے دیکھا اس وقت وہ بجلی کے کسی کرنٹ کے قریب نہ تھا اور نہ بجلی اتنے دور پہنچ ، میں بھر رہی تھی کہ اس کا جھٹکے سے مر جانا ممکن تھا۔ علاوہ ازیں بجلی کا شاک لگنے کے بعد انسان حرکت کرنے کی فرصت ہی نہیں پاتا بلکہ فوراً مر جاتا ہے۔ ویسے کچھ زہر بھی ایسے ہیں جن کی علامت بظاہر نظر نہیں آتی لیکن کافی غور کے بعد معلوم ہو جاتا ہے ۔ اور ہم لوگوں نے تو کافی سے زیادہ غور ہر امکانی سبب پر کر لیا ہے ۔"

" اچھا ۔" نیاز نے کہا ۔" ہم یہ تو مان ہی نہیں سکتے کہ کسی کی موت بغیر کسی سبب کے واقع ہو سکتی ہے ۔ لہٰذا ہم فرض کرتے ہیں کہ سلیم تمہارے بیان کردہ تین میں سے کسی ایک سبب سے مرا ہے ۔ یا تو کسی نے اس کے پیٹ کے اوپری گدے پر زور کی چوٹ پہنچائی ، یا بہت احتیاط سے مین اس کے بھیجے کے اوپر اس طرح سخت ضرب لگائی کہ ہڈی بھی نہیں ٹوٹی اور کھال پر بھی خراش نہیں آئی یا پھر اسے حد درجہ خوفزدہ کر دیا۔ بجلی والے سبب کا تو امکان ہی نہیں رہ گیا کیونکہ تم کہتے ہو وہ ہر اس مقام سے جہاں بجلی کا 'شاک' لگ سکتا ہے کافی دور تھا ۔"

" ہاں ٹھیک ہے ۔" ڈاکٹر عارف بولا۔

" ٹھیک ۔ لیکن یہ بتاؤ کیا تمہیں یقین ہے کہ سلیم اختر کو قتل کیا گیا ہے ؟"

" مجھے سو فیصدی یقین ہے ۔"

" نہیں درست ۔ ابھی ہم یقینی طور پر کچھ فیصلہ نہیں کر سکتے ۔ ہمیں حقیقی وجہ بتانی ہے اس قسم کا خیال قائم کرنے کے لئے ۔ بہر حال ہم یہی فرض کرتے ہیں کہ سلیم اختر کو قتل

کیا گیا ہے۔ شروع سے چلیں۔ مرحوم نے اپنی بیوی کو اپنے کمرے سے پکار کر کہا کہ وہ نیچے جا رہا ہے ۔۔۔ ؟"

"جی ہاں ۔۔۔"

"اچھا ۔۔۔ اس کے یہ کہنے اور سلمیٰ کے دروازے کھولنے کے درمیان کتنا وقفہ حائل تھا ۔۔۔ ؟"

"بقول سلمیٰ۔ اس کے ایک منٹ بعد اس نے اپنے کمرے کا دروازہ کھولا تھا۔"

"ایک منٹ ۔۔۔ ! اچھی بات ہے۔ کیا جب تک سلمیٰ دروازے پر کھڑی رہی اور سلیم اختر زینے پر، اس دوران میں کوئی اور شخص بھی زینے پر آمدے یا ہال میں اسے نظر آیا۔ ؟"

"نہیں ۔۔۔"

"یعنی وہ اس ایک منٹ کے تمام عرصہ میں وہاں اکیلا تھا ۔۔۔ ؟"

"ہاں ۔۔۔"

"فرض کرو ۔۔۔" چیف انسپکٹر ٹیانہ نے کہا ۔۔۔ "کہ کوئی قاتل باہر اس کا انتظار کر رہا تھا۔ ہم یہ بھی مان لیتے ہیں کہ کمرے سے باہر نکلتے ہی قاتل نے سلیم کو پکڑ لیا اور تمہارا بیان کردہ تین طریقوں میں سے کسی ایک ذریعے سے قتل کر دیا۔ اور یہ ممکن ہے کہ اس ایک منٹ کے عرصہ میں، جس کے بعد سلمیٰ نے اپنے کمرے کا دروازہ کھولا، قاتل کام پورا کر کے نیچے پہونچا ہو یا کسی ایک کمرے میں چھپ گیا ہو۔ کیا اس ایک منٹ میں اسے اتنی فرصت مل سکتی ہے ۔۔۔ ؟"

"پھرتیلے آدمی کے لئے ممکن ہے ۔۔۔" ڈاکٹر عارف نے جواب دیا۔

"پھر کیا مشکل ہے۔ ہم اسے تلاش کریں گے۔"

"میرے خیال میں یہ اتنا آسان نہ ہوگا جتنا تم کو بیٹھے ہو نیاز!" ڈاکٹر عارف نے سمجھایا۔ "اب ہم اس معاملہ کے سب سے پیچیدہ موضوع پر آپہنچے ہیں۔ میں نے مانا کہ یہ سب کچھ ممکن اور درست ہو سکتا ہے۔ لیکن اسے سچ سمجھتے ہوئے بھی تم ثابت کس طرح کرو گے۔؟"

پہلے نیاز نے کرسی سے اٹھنا چاہا پھر کچھ کہنا چاہا لیکن پھر چپ چاپ بیٹھا رہ گیا۔ وہ عارف کو گھور رہا تھا۔ "سب سے بڑا تو سوال یہی ہے۔" ڈاکٹر عارف نے پھر کہا۔ "کہ ہم سب سے بنیادی نکتہ، یعنی موت کا سبب کیا بیان کریں گے۔ جبکہ ہمیں کوئی علامت ہی نہیں مل سکی۔ ہو سکتا ہے اس کی موت میرے بیان کردہ ان دو نازک مقامات پر ضرب آنے سے واقع ہوئی ہو۔ لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ ضرب سلیم کو جب وہ وہاں اکیلا تھا ٹھوکر کھا کر گرنے سے یا ایسے ہی کسی حادثے سے لگ گئی ہو۔ ممکن ہے وہ کسی خیالی چیز سے سہم کر مرا ہو۔ اکثر لوگ ریلوے ایکسیڈنٹ محض دیکھنے ہی سے مر گئے ہیں۔ بہت سے ریڈیو سنتے سنتے کسی بات سے سہم کر مر جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ محض اس پختہ خیال سے کہ کسی نے مجھ پر حملہ کر دیا ہے حالانکہ پاس میں کوئی موجود نہیں، لوگوں کی موتیں واقع ہو سکتی ہیں۔ لیکن جب تک ہمیں یہ نہیں معلوم ہوتا کہ سلیم اختر کی موت کیسے واقع ہوئی اس وقت تک تم کچھ ثابت نہیں کر سکتے۔ نوٹ کر لو چیف انسپکٹر، کہ سلیم اختر کا قاتل قانون کے پنجے سے بالکل محفوظ ہے۔"

تھوڑی دیر تک پھر خاموشی طاری رہی۔

"کوئی قاتل قانون سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔" چیف انسپکٹر نیاز نے بھاری آواز میں کہا۔

"نہیں پیارے!" عارف نے جواب دیا۔ "اس معاملے میں تمہارا قانون

قاتل کا بال بیکا بھی نہیں کر سکتا ۔"

"خیر ۔ ہم دیکھیں گے کہ اس کیس کے سلسلے میں کیا کیا جا سکتا ہے!" نیاز نے چہرے پر بشاشت لانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "میرے ذمے ایک کیس کی تفتیش کا فرض عائد کیا گیا ہے اور مجھے مجبوراً اسے سرانجام دینا ہے، چاہے اس میں جتنی مشکلات درپیش ہوں ۔ ارے ہاں ۔ میں ایک خاص بات تو تم سے دریافت کرنا بھول ہی گیا۔ موت کے کسی سبب کی علامات لاش پر نہ ملنے سے تم نے یہ نتیجہ ہی کیوں اخذ کیا کہ سلیم کو قتل کیا گیا ہے ۔ یا یہ کہ سلیم اختر طبعی قدرتی موت سے مرا ہو ۔"

"کیونکہ موت سے تقریباً آدھ گھنٹہ پیشتر ایک پروفیسر نے خطیب جس کا نام ہے اور جسے غیب دانی کا دعویٰ ہے پیشین گوئی کی تھی کہ سلیم اختر آٹھ بجے مر جائے گا۔ اور مجھے غیب دانی کا دعویٰ کرنے والوں پر قطعاً اعتقاد نہیں ہے ۔"

ہوٹل کے سامنے والی سڑک سے ایک بس آ کر قریبی اسٹاپ پر رک گئی۔ اسی وقت اس طویل گفتگو سے اکتا کر نیاز نے گھنٹی بجائی اور بوائے کو کچھ ناشتہ لانے کا حکم دیا۔ ڈاکٹر عارف نے پہلے اپنی گھڑی اور اس بس کی طرف دیکھا جو ابھی آ کر ہوٹل کے قریب ٹھہری تھی۔

پروفیسر خطیب بس سے اتر کر باہر نکل رہا تھا۔ معلوم نہیں ڈاکٹر عارف وہی معمولی شکل اب اتنی پر اسرار کیوں نظر آنے لگی ۔ اس کی نگاہوں میں پروفیسر کی شخصیت ہر لمحہ زیادہ پُر اسرار ہوتی جا رہی تھی۔

بوائے ناشتے کی ٹرے میز پر رکھ کر چلا گیا۔ اچانک چیف انسپکٹر کو کچھ یاد آیا اس نے کہا ۔

"ارے ہاں عارف! یہ تو بتاؤ حال ہی میں تمہاری ملاقات سر سلطان سے تو نہیں ہوئی ۔؟"

"وہ بذات خود آج دوپہر کو یہاں آ رہے ہیں ۔؟"

"بہت خوب، یہ پہلی خبر ہے جسے تم سے سن کر مجھے مسرت ہوئی۔ کیا انہیں بھی یہ تمام حالات معلوم ہوں گے جو تم نے ابھی مجھ سے بتلائے۔"

"اچھا تو تم نے ابھی اپنے اس پیارے پرائیویٹ جاسوس کو حالات سے مطلع نہیں کیا۔ غالباً انہیں بھی یہ سب باتیں معلوم کر کے بہت حیرت ہوگی۔"

"خیر۔ فی الحال میں تمہیں ایسی شخصیت سے ملانے کی سوچ رہا ہوں جو تمہارے لئے باعث حیرت ہوگی۔" عارف نے کہا اور کیبن کے دروازے سے جھانک کر پروفیسر خطیب کو آواز دی جو ہوٹل کے وسیع ہال میں داخل ہو کر ادھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔

"ہلو مسٹر خطیب۔ ادھر۔ ادھر دیکھئے۔ جی ہاں تشریف لائیے۔" تیز چلتا ہوا پروفیسر خطیب ان کے کیبن میں آ گیا۔

"یہ سیکرٹ سروس کے چیف انسپکٹر نیاز جعفری ہیں۔ اور ان سے ملو نیاز۔! آپ ہیں وہی غیب دانی کے دعویدار پروفیسر خطیب۔! میں نے انہیں بھی یہاں آنے کے لئے کہہ دیا تھا۔"

دونوں نے ایک دوسرے سے مصافحہ کیا۔

"تشریف رکھیئے۔" نیاز نے پروفیسر سے کہا اور وہ اس کے مقابل پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "ہاں۔ بقول میں غیب داں پروفیسر خطیب آپ کی خدمت میں حاضر ہوں۔"

اور اس وقت ایک خاص بات عارف نے محسوس کی کہ گفتگو کرتے ہوئے پروفیسر خطیب متکلم کی طرف دیکھنے کے بجائے اپنی نگاہیں کسی دوسری طرف مرکوز رکھتا ہے۔

"مسٹر عارف نے مجھ سے بتلایا تھا کہ سلیم اختر کے کیس کی تفتیش کرنے آپ تشریف لائے ہیں۔"

نیاز نے ایک پیالی چائے تیار کرکے اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں۔ لیکن ابھی میں نے اس سلسلے میں ایک قدم بھی نہیں اٹھایا ہے۔ اگر آپ اس سلسلے میں اپنے خیالات کا اظہار کریں تو اس سے مجھے کوئی نتیجہ اخذ کرنے میں بڑی مدد ملے گی۔

"شکریہ قبول کیجئے۔" چائے کی پیالی واپس سرکاتے ہوئے پروفیسر خطیب نے کہا۔

"میں چائے کا عادی نہیں ہوں۔ یہ بات نہیں ہے کہ میں اسے کوئی بڑی چیز سمجھتا ہوں۔ لیکن اکثر اس کے استعمال سے میرا ہاضمہ خراب ہو جاتا ہے۔"

"اور بہت اچھے ہیں وہ لوگ جو اس کے عادی نہیں ہیں۔" نیاز نے پیالی خود ہونٹوں سے لگاتے ہوئے کہا۔" یہ تیسری پیالی تھی جو وہ پی رہا تھا۔" ہاں آپ نے سلیم اختر کی موت کے بارے میں اپنے خیالات نہیں بتلائے پروفیسر صاحب!"

پروفیسر خطیب نے ڈاکٹر عارف کی طرف مڑکر دیکھا اور بولا۔" کیا ابھی آپ نے ان سے مفصل حالات نہیں سنے۔؟"

"جی نہیں، ان سے میں تمام واقعات سُن چکا ہوں۔" نیاز نے پروفیسر کو بتلایا۔

"اب میں آپ کے نجی خیالات جاننا چاہتا ہوں۔"

"کیسے نجی خیالات ۔۔۔؟"

"یہی کہ کیا آپ سلیم اختر کی موت کو قدرتی موت سمجھتے ہیں ۔۔۔؟"

"جی نہیں۔ ڈاکٹر عارف کی طرح میں بھی یہی کہتا ہوں کہ اسے قتل کیا گیا ہے۔!"

"کیا آپ کو یقین ہے۔؟" نیاز جعفری نے مسکرا کر دریافت کیا۔

"جی ہاں مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ اسے قتل کیا گیا ہے۔"

"تب تو آپ کی غیب دانی میں کوئی کلام نہیں ___ طنزیہ انداز میں چیف انسپکٹر جعفری نے کہا۔" پروفیسر صاحب کیا آپ از راہ کرم ہمیں بتلا سکیں گے کہ سلیم اختر کا قاتل کون ہے ___ ؟"

بے شک !" اپنی مخصوص سنسناتی ہوئی آواز میں پروفیسر خطیب نے جواب دیا لیکن اس کے لہجے میں اس وقت بھی بلا کا سکون تھا۔

"ہاں تو بتلائیے کہ اسے کس نے قتل کیا تھا ___ ؟"

اور پھر چیف انسپکٹر نیاز اور ڈاکٹر عارف دونوں حیرت سے اس طرح اچھلے جیسے بجلی کا جھٹکا لگ گیا ہو۔ کیونکہ پروفیسر خطیب نے اپنا ہاتھ سینے تک لے جاکر کچھ جھکتے ہوئے فاخرانہ لہجے میں کہا ___

"سلیم اختر کو میں نے قتل کیا ہے۔ جی ہاں۔ آپ کے اس ادنیٰ خادم نے!!!

(۷)

ان دونوں نے عجیب نظروں سے پروفیسر خطیب کی طرف دیکھا جو ٹویڈ کے سوٹ میں ملبوس نرم چھجلی ہیٹ لگائے ویسے ہی پرسکون انداز میں بیٹھا تھا اسکی داہنی ہاتھ کی انگلی میں جو سامنے میز پر ٹکا ہوا تھا ایک خون کی طرح سرخ نگ کی انگوٹھی چمک رہی تھی اور اس کا چہرہ ہر قسم کے جذبات سے اس طرح صاف تھا جیسے کسی پتھر کے مجسمے کا چہرہ ہو۔ صرف آنکھوں کی وحشیانہ چمک سے اس میں زندگی کے آثار نظر آتے تھے۔ بڑی دیر تک گہری خاموشی طاری رہی جسے آخرکار چیف انسپکٹر کی آواز نے منقطع کیا۔ اب اس کا لہجہ بالکل

مختلف ہو چکا تھا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا۔؟" اس نے تیز آواز میں دریافت کیا۔

"کیا میرے الفاظ میں کسی قسم کی پیچیدگی تھی۔ پھر سن لیجئے کہ میں نے ہی سلیم اختر کو قتل کیا ہے۔ کیا آپ کو ڈاکٹر عارف نے پہلے نہیں بتلایا تھا۔"

"نہیں۔ عارف نے اس بارے میں مجھے کچھ نہیں بتلایا۔" اس نے بڑے باضابطہ لہجے میں کہا۔ "ہاں کیا تم اپنا بیان اس قتل کے بارے میں لکھوا سکتے ہو پروفیسر خطیب۔؟"

"جو آپ کا حکم ہو، بندہ تعمیل کے لئے حاضر ہے۔"

"ذرا ٹھہرو۔" چیف انسپکٹر نے اسے ٹوکتے ہوئے کہا۔ "اپنا بیان دینے سے قبل اتنی بات جان لو کہ تم جو بیان دو گے وہ تمہارے خلاف عدالت میں استعمال کیا جا سکتا ہے اور بیان دینے کے بارے میں تمہیں مجبور نہیں کیا جا رہا ہے۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے چیف انسپکٹر صاحب۔" پروفیسر خطیب کے لہجے میں چھپا ہوا طنز کا عنصر عارف نے واضح طور پر محسوس کیا۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ڈاکٹر عارف نے میرے قاتل ہونے کے بارے میں کیوں کچھ نہیں کہا۔؟ نہ ہی میرے لئے آپ کی یہ وارننگ کچھ اہمیت رکھتی ہے کہ میرا بیان میرے خلاف عدالت میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔ میں نے ڈاکٹر عارف اور کئی دوسرے لوگوں کے سامنے سلیم اختر کو کھلا ہوا چیلنج دیا تھا کہ میں اسے قتل کرنے کی کوشش کروں گا۔ حالانکہ اس وقت میں اپنی کامیابی کے بارے میں پورا یقین نہیں رکھتا تھا۔ لیکن اس کے باوجود اگر کچھ لوگوں کی سمجھ میں بات نہیں آئی تو مجھے تعجب ہے میرے پاس ہرگز کوئی ایسی طاقت نہیں ہے جو مافوق الفطرت ہو۔ بہرحال میں نے اسے قتل کرنے کی کوشش کی اور اس میں کامیاب ہوا، پھر یہ شور و غل کس لئے ہے؟"

پروفیسر خطیب !" چیف انسپکٹر نیاز نے تیز تیز سانس لیتے ہوئے کہا۔ " ذرا ٹھہر کر میری بات سن لو ۔۔۔ میں پہلے تمہیں واضح کرنا چاہتا ہوں کہ کوئی بیان تمہاری مرضی کے خلاف میں تم سے نہیں لینا چاہتا۔ تمہیں اپنا بیان دینے یا نہ دینے کا پورا پورا اختیار ہے۔"

" جی ہاں ۔ میں سمجھ رہا ہوں نیاز صاحب !" خطیب نے لاپرواہی سے کہا ۔ اور میں اپنا بیان بغیر کسی دباؤ کے اپنی خوشی سے دے رہا ہوں ۔ کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ میرے اس بیان سے مجھے کسی قسم کا کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا ۔"

" یہ تم نے کیسے سمجھ لیا ۔۔۔ ؟"

" میرے وکیل نے بتلایا ہے ۔۔۔ "

" تمہارا وکیل کیا بالکل ....."

" نہیں وہ احمق نہیں ، رتن پور کا کامیاب بیرسٹر ہے ۔ غالباً آپ نے ایم فیروز کا نام سنا ہوگا ۔۔۔ ؟"

" ایم فیروز ۔۔۔ !" چونک کر ڈاکٹر عارف نے دریافت کیا ۔

" جی ہاں ! آپ کا دوست ایم فیروز ۔ " قہقہہ لگا کر پروفیسر خطیب نے کہا۔ " حالانکہ وہ شروع سے آخر تک اسے مذاق سمجھتا رہا ۔ بہرحال میں نے اس سے مشورہ طلب کیا تھا کہ ان خاص حالات میں ، جن کے تحت بعد میں میں نے سلیم اختر کو قتل کیا ، کسی کو قتل کیا جائے تو کیا قانون مجھ سے جواب طلب کر سکتا ہے ؟ اور ایم فیروز نے مجھے بتلایا کہ ان خاص قسم کے حالات میں قتل کرنے کے بعد قانون مجھے کوئی سزا نہیں دے سکتا ورنہ شاید میں قتل کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا ۔ نہ ہی میرا تجربہ کامیاب ہو سکتا تھا کیونکہ کسی قسم کے خوف کی موجودگی میں اس قسم کا تجربہ ہمیشہ ناکام رہتا ہے ۔"

"یہ تو بتلاؤ مسٹر خطیب! کہ چند فیٹ اسی کے سہارے زمین سے کچھ اوپر گردن پھنسا کر لٹکنے والا تجربہ ہمیں اچھا لگے گا یا نہیں —؟" نیاز جعفری اس کی بجواس سُن کر بولا۔

"ارے —!" پروفیسر خطیب حیرت سے بولا۔ "چیف انسپکٹر کیا آپ ابھی تک یہی سمجھ رہے ہیں کہ میں مذاق کر رہا ہوں۔"

چیف انسپکٹر نے اپنا گلا کھنکار کر صاف کیا اور بولا — "نہیں، نہیں۔ یہ اگر واقعی مذاق ہے تو بہت بھونڈا ہے —" پھر ڈاکٹر عارف سے مخاطب ہو کر پوچھا — "معاف کرنا عارف! تمہارا یہ دوست نیم پاگل معلوم ہوتا ہے —"

"لیکن بدقسمتی سے وہ نصف تو کیا چوتھائی پاگل بھی نہیں ہے۔" ڈاکٹر نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں ڈاکٹر عارف!" پروفیسر خطیب نے گردن جھکا کر کہا۔ اس کا لہجہ اب بھی حسب سابق پرسکون اور سنجیدہ تھا۔

"اچھا خیر — چیف انسپکٹر نیاز نے کچھ شش و پنج میں پڑ کر کہا۔ "تم اپنی یہ کہانی لے کر مقامی پولیس کے پاس کیوں نہیں جاتے —"

"میں گیا تھا —"

"پھر —"

"میں نے ان سے بتلایا تھا کہ سلیم اختر کا قاتل میں ہوں۔ لیکن وہ مجھے گرفتار کرنے لگے تو میں نے انہیں سمجھا دیا کہ قانون کی کسی دفعہ کے تحت بھی مجھے مجرم نہیں گردانا جا سکتا۔"

"پھر انھوں نے کیا کیا —؟"

کرتے کیا ـــــ؟ خاموش ہو کر بیٹھ رہے ۔ انہیں تسلیم کرنا پڑا کہ مجھ سے اس سلسلے میں کسی قسم کا جواب نہیں طلب کیا جا سکتا ۔ سٹی مجسٹریٹ رشید کمار اور سپرنٹنڈنٹ مسٹر جوزف، دونوں ہونٹ چبا کر رہ گئے ـــــ "

" کیوں عارف ـــــ ؟ " کیا اس کی یہ بکواس بھی سچ ہے ـــــ ؟ " چیف انسپکٹر نے دریافت کیا ۔

" ہاں میرے دوست ! " جواب ملا ۔

" تو پھر ..... " چیف انسپکٹر جھنجھلا کر بولا " یہ کونسی مصلحت تھی تمہاری ۔ کہ تم نے مجھ سے پہلے یہ حالات نہیں بتلائے ـــــ ؟ "

" میں نے تمہیں بلوایا ہی اسی لئے تھا اور تمام حالات سے اچھی طرح مطلع کرنے کے لئے ہی پروفیسر خطیب سے براہ راست تمہاری ملاقات بھی کرا دی ۔ ورنہ شاید تم میری بات کا یقین مشکل سے کرتے ـــــ "

" میں تو سمجھتا ہوں کہ یہاں کے حکام پولیس بھی اس خبطی شخص کی طرح نیم پاگل ہیں ۔ "

" نہیں میرے محترم دوست ـــــ ! " مسٹر خطیب بولا ۔ " افسوس کہ پورے ذمہ دار اور عقلمند ہیں ۔ گو کہ پہلے تمہاری طرح ان کا بھی میری بابت یہی خیال تھا کہ میں خبطی اور نیم پاگل ہوں ۔ بہر طور میں بھی یہی کہتا ہوں کہ میری آمد سے قبل پورے واقعات ڈاکٹر عارف کو آپ سے بیان کر دینے چاہئے تھے ۔ خیر ۔ تو پولیس ہی کیا وہاں "بیلی کوٹھی" میں بھی قتل کے بعد میں نے تمام حاضرین کے سامنے یہی کہا تھا کہ سلیم کا قاتل میں ہوں، لیکن سوا ڈاکٹر عارف کے سبھی نے مجھے پاگل تصور کیا اور پھر مجھے کوئی مافوق الفطرت انسان خیال کرنے لگے اور خیر جو کچھ ہوا سو ہوا، لیکن جب ان لوگوں نے میرے ہاتھ کا تیار کیا ہوا کھانا کھانے سے انکار کر دیا تو مجھے بہت صدمہ ہوا ۔ میں نے سمجھانے کی کوشش کی لیکن کسی نے

سننے کی کوشش نہ کی۔ بیشک میں اپنے طریقے پر سلیم کو قتل کرنے میں کامیاب ہوا تھا۔ لیکن اس کے باوجود یہ خیال کرنا میں کسی غیر انسانی مافوق الفطرت طاقت کا مالک ہوں، محض حماقت ہے ۔"

چیف انسپکٹر تھوڑی دیر تک گردن جھکائے کچھ سوچتا رہا پھر کرسی کی پشت سے ٹکتا ہوا بولا ۔" معاف کرنا پروفیسر! اگر میری کسی بات کا تم نے برا مانا ہو ۔ اور اب اگر تمہیں اعتراض نہ ہو تو ہم شروعات اس معاملے کو لیتے ہیں ۔۔۔ اور اب تم پروفیسر سنجیدگی سے بتلاؤ کہ کیا تم واقعی یہاں میرے سامنے اس کو یہ تسلیم کرتے ہو کہ سلیم اختر کو تم نے قتل کیا ہے ۔؟"

" میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ اگر یہی سوال پھر پوچھا گیا تو شاید گفتگو کو ہم آگے نہ بڑھا سکیں گے ۔ بیشک میں نے ہی سلیم اختر کو قتل کیا تھا ۔"

" بالکل درست ۔ مجھے یقین آگیا کہ تم نے سلیم اختر کو قتل کیا ۔ لیکن کیسے ۔؟"

" آہ ۔۔" پروفیسر خطیب نے چونک کر کہا ۔" یہ میرا اپنا راز ہے اور کوئی اس کے اظہار پر مجھے مجبور نہیں کر سکتا ۔ مجھے اچھی طرح علم ہے کہ اس راز کی بدولت مجھے اس دنیا میں کتنا بلند مقام حاصل ہو سکتا ہے ۔۔"

" لعنت بر کار شیطان .... تم بالکل ...." کہتے کہتے اچانک چیف انسپکٹر نے اپنے آپ کو سنبھال لیا ۔" معاف کرنا پروفیسر ۔ ہاں تمہیں کوئی کسی قسم کے بیان پر مجبور نہیں کر سکتا ۔ تم جس سوال کا جواب دینا نہ پسند کرو، بے شک نہ دو ۔ اور اب یہ بتلاؤ کہ تم نے اسے کیوں قتل کیا ۔۔؟"

آپ کے اس سوال کا جواب بیشک دیتا ۔ میں نے اسے اس لئے مار ڈالا کہ وہ بہت بد اخلاق واقع ہوا تھا ۔ میں نے اسے اس لئے قتل کیا کہ وہ اپنے مہمانوں کی توہین کرتا تھا ۔

اسلئے میں نے اسے ختم کردیا کر وہ اپنی بیوی کے ساتھ بہت سختی سے پیش آتا تھا۔ میں نے اس لئے اس کی جان لی کہ وہ ہر قسم کی سائنسی اور روحانی ترقی کے راستے میں رکاوٹ پیدا کرتا تھا میں نے ایک انصاف پسند انسان کی طرح دل میں فیصلہ کیا۔ اس نے مجھے مقابلے کے لئے للکارا اور آخر میں میں نے اسے ایک انوکھے تجربے کے لئے منتخب کر لیا۔ وہ ایک ایسا شخص تھا جس کے مرنے سے بنی نوع انسان کو کوئی خاص نقصان نہیں پہنچتا تھا بلکہ اس پر میرے تجربہ کی کامیابی سے انسانیت کی فلاح وبہبود کا ایک نیا راستہ نکل آیا ہے چاہے ڈاکٹر عارف ہر طرح میرے مخالف ہی کیوں نہ ہوں۔ لیکن اس نظریئے میں میری تائید کریں گے۔ لہٰذا میں نے اس پر ایک تجربہ آزمایا۔"

"ایک تجربہ ـــ ؟" نیاد نے کہا ـــ "وہی تو پوچھنا چاہتا ہوں میں تم سے، کہ کیسا تجربہ ـــ کیا تم نے اسے پیٹ کے کسی خاص مقام پر ضرب پہنچائی، یا کسی طریقے پر اسے بری طرح سہاکر مار ڈالا۔ یا کوئی نیا طریقہ چوٹ پہنچانے کا استعمال کیا ـــ ؟"

"اچھا ـــ" پروفیسر خطیب نے مسکراکر کہا ـــ "تو تم ڈاکٹر عارف کے ساتھ اب تک ایسے سائنٹفک امکانات پر غور کرتے رہے ہو جن سے قتل کے بعد بھی انسان کے مرنے کا سبب نہیں معلوم ہوتا ـــ ؟"

"ہاں ـــ سوال یہ ہے کہ تم نے ان میں سے کون سا طریقہ استعمال کیا ـــ ؟"

"یہ میرے بتلانے کی چیز نہیں ـــ اسے تم خود معلوم کرو ـــ"

"اوہ ـــ" چیف انسپکٹر نے قدرے مایوس ہوکر کہا ـــ "لیکن تم یہ تسلیم کرتے ہو کہ سلیم اختر کے قتل کرنے میں تم نے ان ہی میں سے کوئی ایک طریقہ استعمال کیا تھا۔"

"جی نہیں ۔۔"

"تو پھر تم نے کس ذریعے سے اسے قتل کیا۔"

"ایک ایسے ہتھیار سے جو چوٹ پہنچا سکتا ہے اور اگر مناسب طریقے پر استعمال کیا جائے تو جان سے ختم کر سکتا ہے۔ اگر تم اس کا نام معلوم کرنا چاہتے ہو تو اسے قوت تخیلہ کہہ لو یا "قوتِ ارادی"۔ غالباً "قوتِ ارادی" زیادہ مناسب نام ہوگا۔ ایک ایسی طاقت اور ایک ایسا ہتھیار۔ جس سے کوسوں دور بیٹھ کر حملہ کیا جا سکتا ہے۔ اس وقت تک مجھے یہ علم نہیں تھا کہ اس طاقت کو اتنا بلند کیا جا سکتا ہے کہ وہ قتل کرنے کے کام لائی جا سکے۔ اس سے زیادہ تفصیل فی الحال مجھ سے نہ دریافت کیجئے۔ ہاں یہ سمجھ لیجئے کہ یہ اسی طاقت کی ترقی یافتہ شکل ہے جس سے میں کسی انسان کے دل کا حال معلوم کر لیتا ہوں۔"

"اچھا ۔۔! تو تمہیں یہ بھی دعویٰ ہے ۔۔" چیف انسپکٹر نیاز نے دریافت کیا۔ "کیا تم بتلا سکتے ہو کہ میں اس وقت کیا سوچ رہا ہوں ۔۔ یا میرے دل میں اسوقت کیا ہے؟"

"آپ کے عام خیالات تو ہر معمولی ذہن کا آدمی بتلا سکتا ہے۔" پروفیسر خطیب نے جواب دیا۔ "میں آپ کے انھیں خیالات کو بتلائے دیتا ہوں، جنہیں آپ دوسروں سے پوشیدہ رکھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ خیر ۔ سنئے ۔ آپ کا ایک بچہ ہے اور کل اس کا آپریشن ہونے والا ہے آپ رات بھر اسی کے بارے میں سوچ سوچ کر پریشان ہوتے رہے ہیں کہ بچے کی جسمانی حالت کمزور ہے اور وہ شاید جانبر نہ ہو سکے گا۔ اس خیال کو آپ دوسروں پر ظاہر کر کے اپنی ہنسی اڑانا بھی نہیں چاہتے ۔"

اچانک چیف انسپکٹر کا چہرہ پہلے سرخ اور پھر زرد پڑ گیا۔ عارف نے کبھی اس کے چہرے پر اس قسم کے اثرات نہیں دیکھے تھے۔ "کیا تم نے یہ حالات پروفیسر کو بتلائے

ہیں ڈاکٹر عارف ؟" اس نے پوچھا۔

" نہیں نیاز !"۔ اس نے جواب دیا ۔" مجھے خود بھی علم نہ تھا اور یہ بات معلوم کر کے مجھے صدمہ بھی ہوا ہے ۔"

" خیر ۔ تو آپ کو اس بات کی صداقت تسلیم ہے ۔ ؟" پروفیسر خطیب نے پوچھا۔

" تم میرے معاملات مجھ پر چھوڑ دو ۔" غرا کر نیاز نے جواب دیا۔" کیا تم ثابت کر سکتے ہو کہ سلیم اختر کی موت کے وقت تم کہاں موجود تھے ۔ ؟"

" مجھے آپ سے یہ سوال سن کر حیرت ہوئی مسٹر نیاز !" پروفیسر خطیب نے دانت نکال کر ہنستے ہوئے جواب دیا ۔" بہر حال ڈاکٹر عارف اور مس جیبو سے آپ دریافت کر سکتے ہیں اور یہی میرا ثبوت ہے کہ جمعہ کی رات کو گیارہ بجے سلیم اختر مکمل تندرست تھا اور کوئی خاص بات دریافت کرنے کے لئے ڈاکٹر عارف کے کمرے تک گیا تھا۔

وہ ایک لمحہ کے لئے رک کر ڈاکٹر عارف کو دیکھنے لگا جس کے چہرے پر اس بات کے انکشاف سے عجیب حالت طاری تھی ۔ خطیب نے پھر کہا ۔

" میں اس وقت نیچے تھا ۔ پونے آٹھ بجے دروازے کی گھنٹی بجی تھی ۔ پچھلے دروازے کی گھنٹی ۔ زہرہ نامی ایک عورت نے مسز سلیم سے وعدہ کیا تھا کہ وہ آکر ان لوگوں کے لئے کھانا پکا دے گی ۔ میں نے دروازہ کھول کر دیکھا ، وہی عورت اپنے لڑکے حمید کے ساتھ ، جس کا نام مجھے بعد میں معلوم ہوا ، آئی ہوئی تھی ۔ میں نے اسے بتلایا کہ کھانا میں خود تیار کر رہا ہوں ۔ اگر وہ لوگ چاہیں تو مجھے مدد دینے کے لئے ٹھہر سکتے ہیں ۔ عورت کچھ پریشان سی نظر آنے لگی اور ۔۔۔"

"شہرو خطیب!" ـــ ڈاکٹر عارف نے قطع کلام کر کے کہا ـــ "چیف انسپکٹر کو دیکھئے تو بتلاؤ کہ عورت کیوں پریشان اور مضطرب ہو گئی تھی ـــ؟"

"مجھے کیا معلوم ـــ"

"اس لئے کہ ـــ" ڈاکٹر عارف نے وضاحت کی ـــ "زہرہ اور اس کے لڑکے نے دیکھا تھا کہ پروفیسر خطیب نے دروازہ کھولا تو وہ اس طرح ہانپ رہا تھا جیسے کہیں سے تیز بھاگتا ہوا آیا ہو۔ ساتھ ہی ساتھ پروفیسر اس وقت چونکی نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ خیر وہ لوگ اندر باورچی خانے میں آکر پروفیسر کو کھانا تیار کرنے میں مدد دینے لگے۔ لیکن زہرہ کا بیان کہ اس تمام عرصہ میں یعنی پونے آٹھ سے لے کر آٹھ بجے تک خطیب کے اوپر عجیب قسم کے جنون کا سا عالم طاری رہا۔ اور اس کے بعد جب ان لوگوں کو اوپری منزل سے خوفناک آواز میں سلمٰی کے چیخنے کی متواتر آوازیں ان لوگوں کو سنائی دیں تو وہ لوگ اس طرح گھبرا گئے جیسے سیکڑوں بدارواح ان کا تعاقب کر رہی ہیں۔ خوف کے باعث زہرہ اپنے لڑکے کو لے کر پچھلے دروازے سے باہر چلی گئی ـــ"

"ہوں ـــ" نیاز نے پر خیال انداز میں آواز نکال کر کہا۔ "تم اس بارے میں کیا وضاحت پیش کرتے ہو پروفیسر ـــ؟"

ڈاکٹر عارف نے پروفیسر کو ایسی نظروں سے دیکھ کر، جیسے وہ اس کے دلی خیالات معلوم کرنا چاہتا ہو، کہا ـــ "مجھے صرف یہ بات پریشان کرتی رہی ہے خطیب! کہ دروازہ کھولتے ہوئے زور زور سے اس طرح کیوں ہانپ رہے تھے جیسے تم کہیں دور سے بھاگتے ہوئے آئے ہو۔ کیا تم اس وقت اوپری منزل سے گھنٹی کی آواز سن کر بھاگتے ہوئے آئے تھے ـــ؟"

"جی نہیں۔" پروفیسر خطیب نے اطمینان سے جواب دیا۔" اور میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ ڈاکٹر صاحب کہ آپ نے اس طرح اپنے بیان سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ میں سلیم کی موت کے وقت باورچی خانے میں زہرہ اور اس کے لڑکے کے ساتھ کام کر رہا تھا۔ غالباً اس عورت زہرہ کے بیان سے آپ کو یہ بھی معلوم ہو گیا ہو گا اس تمام عرصہ میں باورچی خانہ یا اس سے ملحقہ کھانے کے کمرے کو چھوڑ کر میں ایک سکنڈ کے لئے بھی باہر نہیں نکلا، دونوں کمروں کے درمیانی دروازے کھلے ہوئے تھے اور اس طرح میں اس دوران میں اُن لوگوں کی نظروں کے سامنے رہا۔ ساتھ ہی ساتھ ایک مستند ڈاکٹر کی حیثیت سے آپ چیف انسپکٹر کو یہ بھی بتلا دیجئے کہ سلیم اختر کی موت ٹھیک آٹھ بجے واقع ہوئی تھی۔"

چیف انسپکٹر نیاز نے تھوڑی کھجلاتے ہوئے کہا۔" یہی سلیم کی موت کے وقت تمہارے دوسری جگہ موجود ہونے کا پختہ ثبوت ہے۔ کیوں پروفیسر؟"

"جی ہاں۔"

خطیب کے اس جواب کے بعد تھوڑے عرصے تک وہاں خاموشی رہی۔ پھر اس نے الفاظ پر زور دے کر کہا۔

" اور اب نیاز صاحب! کیا اب بھی آپ مجھے گرفتار کر سکتے ہیں۔ مجھے ہندوستان کا آئین معلوم ہے۔ کیا کوئی ایسا قانون ہے جس کی مدد سے آپ مجھے گرفتار کر سکیں۔؟ یہ تو خیر دور کی بات ہے، آپ میرے خلاف وارنٹ گرفتاری ہی نہیں حاصل کر سکتے اس کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے کہ پولیس مجھے کسی طرح کا بھی نقصان پہنچا سکے۔ آپ مجھے چشم دید گواہ کہہ کر بھی حوالات بھیجنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔ اس طرح

آپ غور کر کے دیکھئے۔ بیشک میں نے اسے قتل کیا ہے۔ میں ہی سلیم اختر کا قاتل ہوں لیکن آپ میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے۔ کچھ نہیں کر سکتے۔ ہا۔ ہا۔ ہا۔"

وہ زور زور سے طنزیہ انداز میں ہنسنے لگا۔ چیف انسپکٹر اسے خاموش بیٹھا گھورتا رہا۔ پروفیسر خطیب نے میز پر بظاہر احتراماً کچھ جھک کر، لیکن فاخرانہ لہجے میں چیختی ہوئی آواز سے کہا۔ "کیا آپ لوگ اب بھی نہیں تسلیم کرتے کہ آپ کے خادم اس پروفیسر خطیب نے اپنے جسم، دل اور دماغ کی محنت سے ایک نئی طاقت کا انکشاف کیا ہے۔ میں نے علم کے اس خزانہ سے جس سے ابھی دنیا ناواقف ہے، ایک نئی چیز کھوج نکالی ہے۔ روحانی طاقتوں کی اسرار کی کوئی انتہا نہیں۔ اور میں نے ان میں سے ایک نئی طاقت حاصل کرنے کا راز معلوم کر لیا ہے۔ ساری دنیا کے سائنسدان اس عجیب اور پر اسرار طاقت کے نتائج دیکھ کر انگشت بدنداں رہ جائیں گے۔ لیکن میں یہ طاقت ان کی طرح تخریب کے لئے نہیں، بلکہ ایک بہترین مقصد، بنی نوع انسان کی بھلائی کیلئے استعمال کرونگا۔ ہمیشہ میرا یہی اصول رہے گا۔ مثلاً سلیم اختر، جو عام انسانوں کے لئے تکلیف کا باعث تھا، میری اس پر اسرار طاقت کے ذریعہ دوسری دنیا میں پہنچا دیا گیا۔"

"یہ تم کیسے کہتے ہو پروفیسر۔" ڈاکٹر خطیب نے اس کی طویل تقریر کو قطع کر کے کہا۔ "یہ تم نے کیسے جانا کہ اس کی موت سے کسی کو تکلیف نہیں پہنچی۔ سلمیٰ سلیم کو تم بھول گئے وہ ایک بے قصور اور معصوم عورت ہے۔ کیا شوہر کی موت سے اس کے دل کو گہرا صدمہ نہیں پہنچا۔ حالانکہ تم اپنے منہ میاں مٹھو بن کر بڑے بڑے دعوے بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچانے کا کرتے ہو۔!"

"کیا، اپنے منہ میاں مٹھو بننے کا دعویٰ کرتا ہوں۔؟" پروفیسر خطیب نے کہا۔

"ہاں۔ اپنے منہ میاں مٹھو بنتے ہو۔"

"کیا اس طرح آپ مجھے چیلنج کر رہے ہو ڈاکٹر عارف؟" خطیب سرسراتی ہوئی آواز میں بولا اس کے بعد ایک طویل وقفہ خاموشی کا حائل رہا۔ آخر کار چیف انسپکٹر نیاز نے کہا۔

"بند کرو۔ یہ کیا بحث لے بیٹھے تم لوگ آپس میں۔"

"آپ درست فرماتے ہیں۔" پروفیسر خطیب پھر اپنی پہلی سی پرسکون حالت میں آتے ہوئے بولا "مجھے معاف کیجئے گا ڈاکٹر عارف! در اصل میں ایک لمحے کے لئے اپنے اصول کو بھول گیا تھا جس کے مطابق مجھے کسی کام میں عجلت یا غصہ نہیں برتنا چاہئے۔" پھر اس نے اپنے لہجے کو اور بہت نرم بنا کر کہا۔ "میں آپ حضرات سے درخواست کرتا ہوں کہ ٹھنڈے دل سے غور کر کے مجھے سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ میں کسی مافوق الفطرت طاقت کا مالک ہونے کا دعویدار نہیں ہوں۔ میں ایک ایسی قدرتی طاقت کو کام میں لاتا ہوں جو میرے ریاض کے باعث مجھے معلوم ہو گئی ہے۔ میرا یہ خیال بھی نہیں ہے کہ یہ طاقت ہمیشہ ہی کامیاب رہے گی ہو سکتا ہے اسے تیس فیصدی کیسوں میں ناکامیابی حاصل ہو۔ یہ بات میں اخباروں کے نامہ نگاروں کو بھی صاف صاف بتلا دوں گا۔"

یہ چیف انسپکٹر کے لئے اور زیادہ پریشانی کا باعث تھا۔ اس نے تقریباً چیخ کر کہا۔

"نہیں، نہیں پروفیسر۔ غالباً تم پولیس میں اپنا بیان دینے کا ارادہ نہیں رکھتے۔؟"

"کیوں۔؟"

"کیونکہ تم ایسا نہیں کر سکو گے۔"

"اوہ۔ ؟ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ لوگ مجھے کس طرح روک لیں گے۔ جبکہ نگر کے پولیس اسٹیشن پر مجھ سے کئی اخباروں کے نامہ نگاروں نے بیان دینے کے لئے درخواست

کو شش اور میں نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ آج کسی وقت میں انہیں اپنا بیان لکھوا دوں گا۔ سب سے پہلے مجھ سے —" پروفیسر نے اپنی جیب سے ایک ویزیٹنگ کارڈ نکال کر پڑھتے ہوئے کہا۔" مسٹر شیو چرن کھترانی، جو اخبار "کرائم رپورٹر" کے نامہ نگار ہیں، بیان دینے کے لئے مصر ہو گیا تھا۔ اس کے علاوہ "انقلاب"، "ٹائمز"، "نفسیات" اور نہ جانے کتنے اخباروں کے نمائندے پیچھے پڑ گئے۔ ان میں سے آٹھ مقبول عام اخباروں کے نامہ نگاروں سے میں نے وعدہ کر لیا ہے —"

" آخر تم اس واقعہ کو اتنی شہرت کیوں دینا چاہتے ہو؟" دانت بھینچ کر نیاز نے پوچھا۔

" نہیں صاحب تو یہ کہئے —" خلیب ہنس کر بولا۔" واقعہ کو شہرت دیکر مجھے کیا لینا ہے ہاں مجھ سے یہ لوگ کوئی سوال کریں گے تو میں ان کا دل نہ توڑوں گا۔ جواب لکھوانے ہی پڑینگے۔"

" اور کیا تم انہیں وہ سب کچھ بتلا دوگے جو ابھی مجھ سے بتلایا ہے —؟"

" بے شک قدرتی بات ہے —"

" تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ پولیس والوں کو اس معاملے کے بارے میں کسی قسم کا بیان خصوصاً تمہارا بیان چھاپنے کے بارے میں اقتدامی احکام بھیجے جا سکتے ہیں —"

" دیکھا جائے گا کیا ہوتا ہے —" پروفیسر خلیب نے لاپروائی سے کہا۔" اگر مجھے بدقسمتی سے، اپنی قوت ارادی کو سچا ثابت کرنے کے لئے زور دیا گیا تو میں یہ بھی کر سکتا ہوں۔ میں تو سیدھے سادے نیک خیالات کا آدمی ہوں۔ اور ہر شخص کو خوش رکھنا چاہتا ہوں — اور اب اگر آپ اجازت دیں تو میں خدا حافظ کہہ کر رخصت ہو جاؤں — اگر کبھی میری ضرورت محسوس ہو تو فی الحال میں "سیمی کوشی" میں ہی مل سکوں گا۔ حالانکہ کوٹھی اسلیم کا اب مجھ سے نفرت کرنے لگی ہیں لیکن حکام پولیس چاہتے ہیں کہ ابھی میں وہیں مقیم

رہوں۔ مجھ پر کسی قسم کا زور نہیں دیا گیا، لیکن ہر جائز بات کو تسلیم کرنا میرا شیوہ ہے لہٰذا آپکا
"نیلی کوٹھی" میں یہاں ٹھہرا ہوا ہوں۔"

وہ اٹھنے لگا۔ چیف انسپکٹر نے زور سے کہا۔

"دیکھو خطیب! میں تمہیں کہے دیتا ہوں۔ نہیں میں تمہیں منع کرتا ہوں کہ کسی پریس یا رپورٹر کو کسی قسم کا بیان ....؟"

"چیف انسپکٹر صاحب!" خطیب نے اپنا ہیٹ ٹھیک کر کے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ "اپنی ذمہ داری کو محسوس کر کے گفتگو کرنا سیکھئے۔ اس قسم کی احمقانہ حرکتوں سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ آداب عرض!" اس نے جھک کر عارف کو سلام کیا اور اطمینان سے چلتا ہوا کیبن سے نکل کر ہوٹل سے باہر ہو گیا۔ کھڑکی کی راہ سے ان لوگوں نے اسے بس یا شاپ کی طرف جاتے ہوئے دیکھا۔ ڈاکٹر عارف نے ایک گہری سانس لی۔ چیف انسپکٹر نے کہا —

"بالکل پاگل ہے —"

"کیا سچ مچ تمہارا یہی خیال ہے اس کے بارے میں؟"

"اس کے علاوہ اور کون سا خیال قائم کیا جا سکتا ہے اس کے بارے میں؟" نیاز جعفری نے جواب دیا۔ "لیکن پھر بھی اس کی باتوں میں خاص وزن تھا۔ ورنہ اس طرح بیہودہ ہو کر "میں نے فلاں شخص کو قتل کیا ہے" والوں لوگوں کی کمی نہیں ہے — لیکن میرے خیال میں اس کا اس معاملے میں کوئی تعلق نہیں ہے؟"

"اچھا فرض کرو —" ڈاکٹر عارف نے پرخیال انداز میں نیاز سے سوال کیا۔ "فرض کرو وہ کہتا ہے کہ فلاں شخص فلاں وقت مر جائے گا اور وہ وقت صحیح ہو جاتا ہے۔ تب؟"

"میں اس پر یقین نہیں کروں گا —"

" اِن عقلمندی کا تقاضہ تو یہی ہے کہ اس قسم کی باتوں پر یقین ہی نہ کیا جائے۔ پھر تمہیں تبلاؤ اگر وہ پریس میں اپنا بیان دینے جا رہا ہے تو تمھاری پریشانی کیوں محسوس ہوتی ہے ۔" عارف مسکرا کر بولا۔

نیاز نے اپنے شانے جھٹک کر کہا۔

" مجھے اس طرف سے کوئی پریشانی نہیں ہے۔ پہلے تو ویسے ہی اس قسم کی بکواس کو کوئی اخبار چھاپنا پسند نہ کرے گا۔ مزید احتیاط کے طور پر میں ان کے لئے اس سلسلے میں امتناعی احکامات جاری کروا دوں گا کہ وہ اس کا بیان نہ شائع کر سکیں۔ پریشانی اس بات کی ہے کہ میرا بھی اب یہی خیال ہو چلا ہے کہ تمہارے اس پراسرار پروفیسر نے ہی سلیم اختر کو قتل کیا ہے ۔"

" کیا تمہارا پہلا نظریہ تبدیل ہو گیا؟ "

" کسی حد تک ۔" نیاز نے تسلیم کیا۔ " یہ تمہیں ماننا ہو گا عارف! کہ وہ بڑے تیقن کے ساتھ گفتگو کرتا تھا اور اس کی کچھ باتوں میں خلوص کی جھلک ملتی تھی۔ میں اس قسم کی باتوں کو محسوس کر لیا کرتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ اس نے تمھارا بتلائے ہوئے ان تین طریقوں کی طرح کوئی نیا طریقہ بھی معلوم کر لیا ہے کہ کسی انسان کے کسی خاص عضو پر چوٹ پہنچانے سے موت واقع ہو سکتی ہے ۔"

" حالانکہ یہ بات ثابت ہے کہ سلیم اختر کی موت کے وقت وہ زہرہ اور اس کے لڑکے کے ساتھ جائے واردات دور باورچی خانے میں موجود تھا۔" عارف نے اعتراض کیا۔

" ابھی ہم حقیقت سے بہت دور ہیں ۔" نیاز کرسی کی پشت پر ٹکتا ہوا بولا۔ " ہمیں ایک ایسے شخص کے خلاف سراغ حاصل کرنا ہے جسے ہم دونوں جانتے ہیں، جیسے

شریک ہو کر ہندوستان میں
بارے میں ہمیں قاتل ہونے کا یقین ہے اور جو خود بھی کھلے عام اپنے آپ کو سلیم اختر کا قاتل کہتا ہے۔"
اور پھر ایک بات کے تصور سے اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

"عارف! اب دیکھنا یہ ہے کہ ہمارے پختہ کار بوڑھے اور پرائیوٹ سراغرساں سر سلطان صدیقی اس سلسلے میں کیا خیال ظاہر کرتے ہیں ۔۔۔؟

(۸)

"ہُش!" سر سلطان صدیقی نے کہا۔

" وہ لوگ "نیلی کوٹھی" کے آراستہ ڈرائنگ روم میں جمع تھے۔ سر سلطان ایک صوفے کے ہتھے پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے باری باری سے ڈاکٹر عارف اور چیف انسپکٹر نیاز جعفری کے چہروں پر نظر ڈالی اور پھر اپنے چشمے کو اتار کر شیشے صاف کرتے ہوئے بولا۔

" تو تم لوگ اس حد تک اپنے اس پراسرار پروفیسر کی شخصیت سے مرعوب ہو چکے ہو؟"

سر سلطان ملک کا نامی پرائیوٹ سراغرساں تھا جس کی ساری عمر اسی دشت کی سیاحی میں گزر چکی تھی۔ شاید ملک کا کوئی مجرم ایسا ہو جس نے اس کا نام نہ سنا ہو۔ کئی بار جب پولیس اور سیکرٹ سروس والے کسی پیچیدہ کیس میں سر پکڑ کر بیٹھ گئے، حکومت نے اس کی خاص خدمات حاصل کیں اور اس نے سارا معاملہ چٹکیوں میں سلجھا دیا۔ ایک بار کئی غیر ممالک کے جاسوسوں کے گروہ نے حکومت کا تختہ الٹ دینے کی مشترکہ سازش کی تھی اور سر سلطان صدیقی نے اپنی خداداد ذہانت و قوت استدلال کی بناء پر پُراسرار واقعات میں پچنے کے بعد نہ صرف سازش کا بروقت انکشاف ہی کیا بلکہ کیبنٹ کے کئی وزراء کو موت

کے ملک سے بچا لیا تھا اور اس کے صلے میں حکومت نے اسے خطیر معاوضہ کے علاوہ اعزازی طور پر سر کا خطاب عطا کیا تھا۔ اس کی عمر اس وقت ستر سال سے تجاوز کر چکی تھی اور وہ نہایت نحیف لاغر نظر آتا تھا۔ لیکن کسی کیس کو حل کرنے کے سلسلے میں اس سے زیادہ چستی اور پھرتیلے پن کا مظاہرہ ہوتا تھا جس کی اس جیسے سن رسیدہ شخص سے کسی حالت میں امید نہیں کی جا سکتی تھی۔ گنجا انڈے کے چھلکے کی طرح چکنے والا سر، اندر کو دھنسی ہوئی چھوٹی چھوٹی، لیکن حد درجہ چمکیلی آنکھیں جن پر ہر وقت پیازی رنگ کے دبیز شیشوں کا چشمہ چڑھا رہتا تھا، بڑی کا بڑی سلیقہ سے مونچھیں، گھنی ہوئی داڑھی اور اندر کو پچکے ہوئے گالوں کے باوجود اس کی شخصیت سے ایک خاص متانت اور رعب مترشح تھا۔ ہمیشہ بے داغ اور بہترین تراش کا لباس پہننے کا عادی تھا۔

"جی ہاں۔ حالات ہی کچھ ایسے ہیں۔" چیف انسپکٹر نیاز نے، جو کئی بار اپنے پیچیدہ کیس سر سلطان کی ہدایات کے بموجب کام کر کے حل کر چکا تھا اور یہ اسی کی مدد تھی جس نے اس سے اپنی ملازمت کے اتنے قلیل عرصے میں چیف انسپکٹر جیسے ذمہ دار عہدے پر پہنچا دیا تھا، احترام کے ساتھ جواب دیا۔ "آپ نے اس سلسلے میں کیا نظریہ قائم کیا ہے؟"

سر سلطان نے ناک سکوڑ کر زور سے سانس کھینچی۔

"ابھی اتنی جلد تو میں نے کوئی نظریہ نہیں قائم کیا۔ لیکن میں سوچتا ہوں کہ جلد ہی کوئی قدم اس سلسلے میں اٹھانا پڑے گا۔ ورنہ اگر یہ جمود تمہاری تفتیش پر طاری رہا تو بہت جلد تمہارے افسران کسی دوسرے شخص کو تمہاری جگہ تعینات کر دیں گے جو تمہارے لئے نہیں میرے اپنے لئے باعث توہین ہوگا۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہاری روز افزوں ترقی نے سیکرٹیریٹ میں تمہارے بہت سے مخالف پیدا کر دیئے ہیں۔"

"جی ہاں۔" چیف انسپکٹر نے جواب میں کہا۔ "میں تو شروع ہی سے اس کیس کو اتنا سخت پایا ہوں

کہ جھوٹ لکھنا بہت نہیں پڑتی۔ حالات اتنے شہوں ہیں کہ کوئی تازہ جگہ ایسی نہیں ملتی جس پر انگلی رکھ کر کچھ اندازہ کیا جاسکے۔ تفتیش شروع کرنے کے لئے کوئی سرا ہی نہیں ملتا۔"

"اور میرا دماغ آجکل بڑی طرح منتشر ہے" ۔۔۔ سر سلطان نے جمائی لے کر کہا۔ "جانتے ہو مجھے سنٹرل حکومت نے دہلی کس لئے بلایا تھا ۔۔۔ ؟ حکومت کا ایک بہت ذمہ دار رکن ۔۔۔ مجھے ملیٹری انٹیلیجنس ڈیپارٹمنٹ کا چیف مقرر کرنا چاہتا ہے۔ ذرا غور کرو مجھ جیسا ستر سال کا بوڑھا شخص ہی انھیں ہندوستان بھر میں اس عہدے کو سنبھالنے کے لئے نظر آتا ہے۔ صاف انکار بھی نہیں کیا جاسکتا، اور اتنی عظیم ذمہ داری سنبھالنے کی جرأت بھی اب مجھ بوڑھے میں نہیں رہ گئی۔ عجیب شش و پنج میں ہوں۔ میرے بچو! اب ہم جیسے پرانے لوگوں کا زمانہ لد چکا۔ تم لوگ آگے آؤ۔ اور مجھے پنشن دو۔ لیکن یہاں واپس آتا ہوں تو تم لوگ ایک اور مصیبت میرے سر منڈھنے کے لئے تیار کئے بیٹھے ہو ۔۔۔ دل تو چاہتا ہے ابھی دوسری گاڑی سے واپس بمبئی بھاگ جاؤں اور اپنے بنگلے کے ایک کونے میں گھس کر مکمل ایک ہفتہ تک آرام کروں، لیکن خیر ۔۔۔ کیا نام تمہارے اس مقتول کا .... جلیل .... اور...."

"جی ۔۔۔ سلیم اختر ۔۔۔" ڈاکٹر عارف نے تصحیح کی۔

"ہاں سلیم اختر ۔۔۔" سر سلطان نے اپنی دہنی مونچھ کھینچتے ہوئے کہا۔ "تو یہ سلیم کہاں ہے؟ اف توبہ ۔۔۔ میرا مطلب ہے مسز سلیم کہاں ہے۔ اور کیس سے تعلق رکھنے والے افراد کہاں گئے؟"

"مجھے تو کچھ معلوم نہیں ہے صدیقی صاحب!" نیاز نے جواب دیا۔ "میں بھی آج ہی صبح بمبئی سے یہاں پہنچا ہوں۔ صبح عارف سے رخصت ہو کر کوتوالی چلا گیا تھا۔ وہاں بڑی دیر تک سر مغزنی کرتا رہا۔ آپ کی آمد سے دو منٹ قبل ہی میں بجلی کوٹھی میں پہنچا ہوں لیکن ڈاکٹر عارف آپ کو بتلا سکیں گے ۔۔۔"

"مسز سلیم تو اوپر اپنے کمرے میں پڑی ہوئی ہے۔" ڈاکٹر عارف نے بتلایا ——
"اپنے شوہر کے انتقال کے بعد سے اس نے عجیب حالت کرلی ہے اپنی۔ بالکل گم سم پڑی رہتی ہے۔ حبیبو بھی اکثر اس کے ساتھ رہ کر طبیعت بہلانے کی کوشش کرتی رہتی ہے۔ اب بھی وہ اسی کے کمرے میں ہوگی۔ ایم فیروز باورچی خانہ میں اس سپاہی سے گفتگو کر رہا ہے جسے سپرنٹنڈنٹ پولیس اس جگہ تعینات کر گیا ہے۔ اور پروفیسر خطیب کہیں غائب ہوگیا ہے!"

"غائب ہوگیا ——؟" چیف انسپکٹر نیاز نے چونک کر کہا۔

"ہونہہ ——" سر سلطان نے اسے ٹوکا —— "طبیعت میں ٹھہراؤ پیدا کرو نیاز! یہ کیا کہ معمولی معمولی باتوں پر اس طرح حیران ہوتے جیسے کوئی چھ سالہ بچہ —— کامیاب سراغرساں کے لئے ضروری ہے کہ اس کے چہرے اور حرکات و سکنات سے اس کے جذبات کا صحیح اظہار ہرگز نہ ہوسکے —— کیا مسز سلیم نے اپنے شوہر کی موت کا گہرا اثر لیا ہے ——؟"

"بہت شدید!" ڈاکٹر عارف نے جواب میں کہا —— "وہ اتنی مضطرب تھی کہ حبیبو کو جمعہ اور سنیچر کی رات کو اس کے ساتھ سونا پڑا۔ لیکن اب اس کی حالت قدرے بہتر ہے اور وہ آپ سے ملنے کی خاص طور پر متمنی ہے ——"

"کیوں، وہ مجھ سے کیوں ملنا چاہتی ہے۔ خدا اس کا بھلا کرے۔"

"کیونکہ اس کا خیال ہے پروفیسر خطیب چار سو بیس کا ہے اور خطرناک ترین مجرم ہے" وہ آپ سے درخواست کرنا چاہتی ہے کہ اسے اس کے کیفر کردار تک پہنچایا جائے، وہ آپ کے گذشتہ کارناموں سے واقف ہے اور رہار اجو ٹیکم پور کے محلات کے اسرار اور فوناش کے تینوں والے کیس کے بارے میں تو آپ کی قوت استدلال کی حد درجہ معترف ہے۔ آپ کی شخصیت میں اسے پہلے سے اعتماد تھا اور اسی نے ایم فیروز سے مجھے خط لکھوایا تھا کہ میں

پر میں نگر آتے ہوئے آپ کو بھی ہمراہ لاؤں ۔"

ناک پر اپنا چشمہ ٹھیک سے جماتے ہوئے سر سلطان نے کھنکار کر کہا۔" تو وہ پروفیسر خطیب کو دھوکے باز سمجھتی ہے ۔ کیا یہ تعجب کی بات نہیں ہے نیاز ۔ ؟ کیا یہ وہی نہ تھی جو تمہارے اس نام نہاد بیشپ گو کو انڈونیشیا سے اپنے پیچھے لگا لائی تھی ۔ اور عارف نے بیان کیا ہے کہ اسے پہلے پروفیسر کی پراسرار طاقت پر پورا یقین تھا، بلکہ شاید ایک بار اس نے اپنے شوہر کو بھی یہی یقین دلانے کی کوشش کی تھی ۔ ؟"

"جی ہاں ۔۔۔" عارف نے جواب دیا۔

"پھر اب کیوں اس کے خیالات ایک دم تبدیل ہو گئے ۔ ؟"

"کیونکہ پروفیسر خطیب نے اُس کے شوہر کو قتل کر دیا۔ اس کے خیالات اسی وقت بدل گئے تھے جب خطیب نے سلیم کی موت پر اعلان کیا کہ میں نے اسے قتل کیا ہے ۔"

"تو کیا وہ چاہتی تھی کہ کوئی دوسرا سلیم کے قتل کا شرف حاصل کرتا ۔ ؟"

"مجھے معلوم نہیں سر سلطان ۔۔۔ !" ڈاکٹر عارف نے ہاتھ پھیلا کر کہا " دراصل دونوں دن سے متواتر اس معاملے پر سر مغزی کرتا رہا ہوں ۔ اب آپ کی اور نیاز کی باری ہے ۔ مجھے اس سلسلے میں سوال وجواب سے معاف کر دیا جائے تو بہتر ہے ۔"

"واقعی تمہاری حالت قابلِ رحم ہو گی ۔" سر سلطان نے مسکرا کر کہا " اس قسم کے ماتم کدے میں متواتر دو دن رہنے کے بعد تو تمہیں پاگل ہو جانا چاہئے تھا۔ خیر ۔۔۔ ہاں نیاز! تم اس معاملے کو پیچیدہ سمجھنے میں حق بجانب تھے ۔"

"جی ہاں ۔۔۔" نیاز نے خیال ظاہر کیا ۔ " لیکن ایک حالت میں یہ بالکل سیدھا سادہ معمولی واقعہ رہ جاتا ہے بہت ممکن ہے کہ یہ ایک قدرتی موت ہو ۔۔۔ ؟

"نہیں نیاز — میرے عزیز! — یہ سو فیصدی قتل کا کیس ہے!"

"اب کیسے ....؟"

سر سلطان نے اپنے گنجے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا —

"پروفیسر خطیب کہتا ہے کہ سلیم اختر آٹھ بجے مر جائے گا اور سلیم اختر ٹھیک آٹھ بجے مرجاتا ہے اور ہمارے برخوردار نیاز جعفری سلمہٗ کو اب بھی اس کے قتل ہونے میں شک ہے —"

"جی ہاں — جی ہاں —" نیاز کچھ خجل ہو کر بولا — "ڈاکٹر عارف بھی یہی کہتے ہیں اور کسی حد تک میرا اپنا بھی یہی خیال ہے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسے قتل کیسے ثابت کیا جائے جب تک ہمارے پاس کوئی ایسا ممکن ذریعہ نہیں ہے جس سے ہم سلیم کی موت کا سبب معلوم کر سکیں۔"

"ہاں! اب تم نے کام کی بات کی ہے —" سر سلطان نے جواب دیا۔ "ہمیں اس کی موت کا سبب معلوم کرنا پڑے گا۔ لہٰذا اس کی کوشش کرو۔"

وہ کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے کوٹ میں ہاتھ ڈال کر اندرونی جیب سے ایک بڑی سی پاکٹ واچ، جو ٹائم پیس کہی جائے تو زیادہ مناسب ہوگا، برآمد کی اور وقت دیکھ کر پھر جیب میں ڈال لی۔ چیف انسپکٹر نے اس سے دریافت کیا۔

— "اور آپ کا اس پراسرار شخص کے بارے میں جو نامعلوم اسرار کی پوٹلی معلوم ہوتا ہے، کیا خیال ہے؟"

"کون — ؟ وہ محمد پروفیسر خطیب؟ ابھی میں نے اس کے بارے میں نظریہ نہیں قائم کیا — ہاں تمہارا اپنا خیال کیا ہے اس کے بارے میں —"

" میں کسی ناقابل یقین چیز پر اعتقاد نہیں رکھتا ۔ نہ ہی مذہبی عقائد کے علاوہ کسی ایسی چیز کی صداقت کا قائل ہوتا ہوں جسے عقل تسلیم نہ کرے ۔ اس کیس کے سلسلے میں یہاں کے پولیس سپرنٹنڈنٹ سے میری بڑی دیر تک گفتگو ہوئی ہے اور ہم نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اگر یہ قتل کا واقعہ ہے، تو قاتل کی جگہ پر دفیہ خطیب کو کسی حالت میں نہیں رکھا جاسکتا ۔ کیونکہ وہ کسی حالت میں سلیم کو قتل نہیں کرسکتا تھا ۔ ہمارے پاس یہ یقین کرنے کے لئے کافی ثبوت ہیں ۔ وہ موت کے وقت اس جگہ سے دور دو گواہوں کے درمیان موجود تھا ۔ اب سوال یہ ہے کہ اس وقت مکان میں موجود اور کون سے اشخاص ایسے تھے جو قتل نہیں کرسکتے تھے ، یا جنھیں ہم شک سے بالاتر رکھیں؟

" ایک میں ۔ اور دوسرا صبیحہ ۔" ڈاکٹر عارف نے جواب دیا ۔" اس لئے نہیں کہ میں تمھارا دوست اور قانون کے محافظوں میں سے ہوں ۔ بلکہ اس لئے کہ موت سے کافی دیر قبل اور بعد تک ہم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ تھے ۔ اور ایک دوسرے کے حق میں گواہی دے سکتے ہیں ۔"

" ٹھیک ہے ۔" سرسلطان نے تسلیم کیا ۔

" لہٰذا ڈاکٹر عارف کو اور مس صبیحہ کو فہرست سے نکال دیا جائے اور اس کے بعد یہ بھی تسلیم کیا جائے کہ سلیم اختر کو قتل ہی کیا گیا تھا تو پھر اسے باقی دو شخصوں یعنی ایم فردو یا سلی میں سے کسی ایک نے قتل کیا ہے ۔"

" استدلال تو درست ہے ۔" سرسلطان نے تسلیم کیا ۔" اگر سلیم اختر کو قتل کیا گیا ہے تو انھیں دو میں سے کوئی ایک قتل کرسکتا ہے ۔"

" کیا لغو سی چیز ہے ۔ یہ قطعاً ناممکن ہے ۔" ڈاکٹر عارف نے جھنجھلا کر کہا ۔

"ایک منٹ شہریو میرے دوست صرف ایک منٹ — " چیف انسپکٹر نے ہاتھ اٹھا کر عارف کو خاموش کرتے ہوئے کہا — " پھر وہ سر سلطان سے مخاطب ہو کر بولا — "یعنی اب ہمیں یہ معلوم ہو جائیگا کہ سلمٰی یا فیروز میں سے کسی ایک نے ڈاکٹر عارف کے بتلائے ہوئے طریقوں میں کسی ایک کا استعمال کر کے سلیم کو قتل کر دیا — کیوں — ؟"

سر سلطان جواب دیئے بغیر نپے تلے قدموں سے کمرے میں ٹہلتا رہا —

"جہاں تک سلمٰی کے بیان کا تعلق ہے ہم سن چکے ہیں۔ اس قول کے مطابق سلیم اختر اپنے کمرے سے لباس تبدیل کر کے باہر نکل آیا تھا۔ سٹی مجسٹریٹ اور سپرنٹنڈنٹ پولیس اس بیان کو قبول کرتے ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا واقعی اس کا بیان سچا ہے — ؟ ڈاکٹر نے جب اپنے کمرے کا دروازہ کھولا تھا تو سلیم تقریباً مرنے ہی والا تھا۔ بہت ممکن ہے بذات خود سلمٰی نے ہی اسے وہ پُراسرار ضرب پہنچائی ہو جس سے اس کی موت واقع ہوئی، یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایم فیروز اسے ایسی کاری چوٹ کسی نازک مقام پر پہنچا کر اس سے پہلے ہی کہ کوئی اسے دیکھ سکے۔ اپنے کمرے میں بھاگ گیا ہو — نمبر ایک — " چیف انسپکٹر نے اپنی ایک انگلی اٹھا کر کہا — " نمبر دو یہ کہ سلیم کی موت سے کس کو فائدہ پہنچتا ہے۔ اگر ہم پروفیسر خطیب کے بیان کردہ پُراسرار تجربے پر یقین رکھتے، کم از کم میں تو اسے محض بکواس سمجھتا ہوں، تو پروفیسر خطیب کا کوئی فائدہ سلیم کے مرنے سے نہیں پہنچتا جیسے اور ڈاکٹر عارف بھی اس کی موت سے کسی طرح مستفید نہیں ہو سکتے۔ اب رہ جاتے ہیں سلمٰی اور ایم فیروز — !

خیال رہے کہ میں محض امکانات پر روشنی ڈال رہا ہوں۔ ہاں تو بقیہ ان دونوں میں سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ ایم فیروز سلیم کا قریبی رشتہ دار ہے۔ یہاں آپ لوگوں کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ ان دونوں کے علاوہ سلیم اختر کا اور کوئی قریبی رشتہ دار بھی نہ تھا۔ لہذا

سلیم کے مرنے کے بعد اس کی دولت انھیں دو میں تقسیم ہوتی ہے۔ اب رہ گئی سلمیٰ سلیم۔ تو اس کے بارے میں میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس نے اپنی عمر سے بیس سال زائد عمر والا دولتمند بوڑھا شادی کے لئے کیوں پسند کیا تھا۔ ؟ کیا ظاہر ہے کہ اس نے سلیم سے سودل بیرج کی تھی۔ ؟"

"کیا مجھے کچھ کہنے کی اجازت ہے ؟" ڈاکٹر عارف نے اسے ٹوک کر پوچھا۔ سلطان نے بدستور ٹہلتے ہوئے گردن ہلا کر اجازت دی۔

"میں اپنا چشم دید واقعہ بیان کرتا ہوں کہ سلیم اختر کی موت پر جتنا صدمہ سلمیٰ کو ہوا تھا اتنا رنجور اور دل گرفتہ میں نے تمام عمر کسی کو نہیں دیکھا۔"

"اوہ کیا واقعی ۔۔ ؟" مشکوک لہجے میں نیاز نے پوچھا۔

"یہ محض میرا خیال نہیں ۔۔" ڈاکٹر عارف نے چڑ چڑا کر جواب دیا۔ "ایک مستند ڈاکٹر کی حیثیت سے اپنی تشخیص بیان کر رہا ہوں۔ میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ سلمیٰ نے اپنے شوہر کو قتل نہیں کیا تھا وہ حادثے کی رات آنسا روئی ہے کہ مرتے مرتے بچی۔"

"کیا اس کا بھی بارث فیل ہوتے جا رہا تھا ۔۔ ؟" طنزیہ لہجے میں نیاز نے پوچھا۔

"ہاں یہ بھی ممکن تھا چیف انسپکٹر نیاز صاحب!" عارف نے بھی طنزیہ انداز اختیار کر لیا۔ "اگر تم ایک تربیت یافتہ ڈاکٹر کو مگر مچھ کے آنسوؤں سے دھوکا دینا چاہو تو کامیاب نہ ہو سکو گے۔ میں نے اسے بہت قریب سے دیکھا تھا اور وہ واقعی پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ شوہر کی موت نے اس کے دل پر گہرا صدمہ پہنچایا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ سلیم کی موت سے بالکل اسی طرح گھبرا گئی اور بری طرح ڈری ہوئی تھی جس طرح کہ خود کل شام کو ہی جیسے اپنے کمرے میں کسی نامعلوم شے کے گھس آنے سے خوفزدہ ہوئی تھی۔ دونوں کی حالت واقعی دگرگوں ہو گئی تھی۔"

"میں وہ واقعہ تمہیں صبح ہوٹل میں بتلانا بھول گیا تھا۔ بہتر ہے کہ اپنی تفتیش جاری کرنے سے پہلے اسے بھی میری زبانی سن لو۔ جمعہ کی رات کو ہی، جب سلیم اختر کی موت واقع ہوئی، اس سے تقریباً پندرہ منٹ قبل یعنی پونے آٹھ بجے کسی چیز نے صبیحہ کو بہت بری طرح خوفزدہ کر دیا تھا۔ اس وقت وہ اپنے کمرے میں تھی جو میرے کمرے کے متصل واقع ہے۔ وہ کھڑکی سے نکل کر بالکنی کی راہ سے میرے کمرے میں آگئی۔ میرے کمرے کے اندر آتے ہوئے اس کی ٹھوکر سے ایک ٹیبل الٹ گئی اور اس پر رکھا ہوا لیمپ زوردار آواز سے فرش پر گر کر ٹوٹ گیا۔ سلیم اختر اس آواز کو سن کر معلومات حاصل کرنے میرے پاس آیا۔ میں نے اسے حالات بتلا دیئے۔ جب وہ رخصت ہونے لگا تو میں نے دریافت کیا کہ اب تک تو کسی نے تمہیں قتل کرنے کی کوشش نہیں کی ۔۔۔؟ اور اس نے جواب دیا نہیں ۔۔۔ ابھی تک کوئی حادثہ پیش نہیں آیا ۔۔۔ فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ یادداشت کی نوٹ بک ابھی اپنی جگہ پر رکھی موجود ہے۔

اس وقت سے لے کر اب تک میری سمجھ میں اس کا یہ جملہ نہ آیا۔ معلوم نہیں یادداشت کی نوٹ بک کے ذکر سے اس کا کیا مقصد تھا۔ بعد میں میں نے مسٹر سلیم کے کمرے میں میز کے نیچے، جس پر بیٹھا وہ رات کو لکھتا ہے، بک شیلف میں ایک نوٹ بک رکھی ہوئی دیکھی تھی جس پر "قتل کے نئے طریقے" لکھا ہوا تھا۔"

چند لمحوں تک پھر خاموشی رہی۔ چیف انسپکٹر گہرے خیالات میں غرق تھا ۔۔۔

"قتل کے نئے طریقے ۔۔۔؟" وہ بڑبڑایا ۔۔۔ "کیا ہمیں اس نوٹ بک سے کوئی سراغ نہیں مل سکتا ۔۔۔ نہیں، میرا خیال ہے ضرور ملے گا۔ کیوں سلطان صاحب؟"

"مجھے نہیں معلوم ۔۔۔" مسٹر سلطان نے کہا۔ "یہ بتلاؤ حضرت کہ وہ لڑکی جس کا نام تم صبیحہ بتلاتے ہو، کس چیز سے خوفزدہ ہو گئی تھی ۔۔۔؟"

"جی ۔؟"

"میں نے پوچھا تھا کہ صبیحہ اپنے کمرے میں کیا چیز دیکھ کر سہم گئی تھی ۔؟" حسب سابق چھوٹے چھوٹے قدموں سے ٹہلتے ہوئے سر سلطان نے اپنے الفاظ دہرائے ۔ "ہر شخص یہ بتلاتا ہے کہ صبیحہ خوفزدہ ہو گئی تھی، کوئی اس کے خوف کا سبب نہیں بیان کرتا۔ کیا پولیس سپرنٹنڈنٹ نے اس بارے میں صبیحہ سے سوال نہیں کیا تھا ۔؟"

چیف انسپکٹر نے مسکرا کر اپنی جیب سے ایک نوٹ بک نکالی اور اس کے ورق پلٹتا ہوا بولا "جی ہاں۔ اس نے صبیحہ سے دریافت کیا تھا۔ آپ اس کی فطرت سے اچھی طرح واقف ہیں بال کی کھال نکالنے والا آدمی ہے۔ اس نے صبیحہ سے دریافت کیا کہ وہ ڈاکٹر عارف کے کمرے میں کیوں گئی تھی؟ اس نے جواب دیا کہ تھوڑی دیر قبل پروفیسر خطیب کی گفتگو سے وہ ویسے ہی سہمی ہوئی تھی۔ کمرے میں پہنچ کر اس کے دماغ میں خوفناک خیالات چکر کاٹنے لگے اور ہر چیز بھیانک نظر آنے لگی۔ اس لئے وہ عارف کے کمرے میں چلی گئی ۔ آپ دیکھتے ہیں کہ اس کے بیان سے کوئی خاص بات نہیں معلوم ہوتی ۔؟"

"واہ برخوردار ۔؟" بڈھا جاسوس منھ پچکا کر بولا ۔ "وہ بالکنی کے راستے کھڑکیاں کودتی پھاندتی کیوں گئی تھی ۔؟"

"جی ہاں ۔ یہ بات تو قابل غور ہے ۔"

"بالکنی کی راہ سے جانا، جو ویسے ہی گندی اور تنگ ہوتی ہے۔ اور کھڑکیوں سے کود کر ۔ اگر اسے کسی ساتھی کی ضرورت تھی تو وہ آسانی سے دروازہ کھول کر برآمدے میں گزرتی اور عارف کے کمرے میں دروازے کی راہ سے چلی جاتی۔ علاوہ ازیں وہ گھبراہٹ میں ٹیبل لیمپ الٹ دیتی ہے ۔ عارف کا بیان ہے کہ وہ اس حد تک گھبرائی ہوئی اور خوفزدہ تھی جیسے اس نے کوئی

بھوت دیکھ لیا ہو۔ اس سے تو یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ کوئی چیز اس کے کمرے میں اس کے اور دروازے کے درمیان ایسی تھی جسنے اسے خوفزدہ کر دیا اور کھڑکی کی راہ سے بھاگ گئی۔"

"تو جیسو نے پولیس کو بھی کچھ بتانے سے انکار کر دیا۔" ڈاکٹر عارف نے اپنے دل میں خیال کیا۔ اور پھر اسے محسوس ہوا جیسے سر سلطان اسے گھور رہا ہے۔

"لیکن اس نے تم سے تو کچھ بتلایا ہی ہوگا عارف۔؟" اس نے دریافت کیا

"جی نہیں۔"

"یعنی اس نے تمہیں کچھ بتانے سے انکار کر دیا۔ کیا تم یہی کہنا چاہتے ہو۔؟"

"جی ہاں۔" ایک طرح سے اس نے انکار ہی کر دیا۔!"

"پھر بھی۔" سر سلطان نے زور دے کر کہا۔" تم جائے واردات پر موجود تھے کوئی نہ کوئی خیال ان کے خوفزدہ ہونے کے بارے میں قائم کیا ہی ہوگا۔"

"جی نہیں۔ میرا مطلب ہے میں نے ایک اندازہ لگایا تھا لیکن بعد میں وہ غلط ثابت ہوا لہذا اس کا ذکر کرنا ہی فضول ہے۔"

"شیر و نیاز۔!" سر سلطان نے چیف انسپکٹر کو جو کچھ کہنے جا رہا تھا، ہاتھ اٹھا کر چپ کر دیا۔ اور پھر اپنی عینک کو ناک سکوڑ کر اوپر نیچے کرتا ہوا بالکل نئے لہجے میں بولا۔

"تم مجھے مفت پریشان کر رہے ہو ڈاکٹر۔!"

وہ پھر ایک پرانی کرسی کے بیچ پر بیٹھ گیا جو اس کے بوجھ سے چرچرانے لگی۔ اس نے ہاتھ سے اپنی عینک ٹھیک سے جمائی۔" ہاں تم مجھے مفت میں پریشان کر رہے ہو۔"

"جی... جی... میں ایسی جرأت کیسے کر سکتا ہوں۔؟"

"یہ لڑکی ہے کون۔۔؟"

"کون مس جیسو — ؟ میں نہیں جانتا۔ اس سے میرا تعارف صرف دو دن قبل ہوا تھا۔"

"کہیں تمہیں اس سے محبت تو نہیں ہو گئی — ؟"

"جی —" عارف بوکھلا کر بولا — "میری سمجھ میں نہیں آتا آپ کے دل میں یہ خیال کیسے پیدا ہوا — ؟"

ڈاکٹر عارف کے دل میں سر سلطان صدیقی کے لئے کافی عزت تھی۔ اسے معلوم تھا کہ سر سلطان کافی دلچسپ اور ظریف آدمی ہے۔ اور کبھی کبھی وہ جان بوجھ کر سنجیدگی سے بچگانہ حرکتیں کرتا تھا تو عارف کو بڑا لطف آتا تھا۔ لیکن اس سے لطف اندوز ہوتے ہوئے عارف نے کبھی احترام کا پہلو ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ اور اب اسے معلوم ہوا کہ سر سلطان اسے چھیڑ رہا تھا۔

"او ہو!" اس نے ہنستے ہوئے کہا — "اب تمہیں معلوم ہوا ہو گا کہ میں بھی دلی خیالات معلوم کرنے کی قدرت رکھتا ہوں مگر یہی بات اپنی عقل اور نگاہوں کو کام میں لانے کے بعد پروفیسر خطیب قسم کا کوئی آدمی تم سے کہتا تو اسے کچھ انعام دیا جاتا، لیکن کبھی ہماری ایسی قسمت کہاں — ؟"

اور اس کے بعد اس کا لہجہ پھر تبدیل ہو گیا — "برا نہ ماننا میرے ڈاکٹر! مجھے اس قسم کے تعلقات پر کوئی اعتراض نہیں ہے — ہاں تم اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے نا — ؟ میں تمہیں بتلاتا ہوں۔ اس کا باپ جلیل قریشی تھا۔ اپنی پہلی بیوی کے انتقال پر اس نے ایک غریب کمسن لڑکی سے دوسری شادی کر لی تھی جو تقریباً اس کی لڑکی کی ہم عمر ہے — لیکن یہ کوئی اہم معلومات نہیں ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ اپنے کمرہ میں کوئی انوکھی چیز دیکھ کر یہ لڑکی حمیدہ کل رات کو اتنی خوفزدہ ہو گئی تھی کہ اسے تمہارے کمرے کی طرف بھاگنا پڑا — ؟"

"میرا خیال تھا وہ پروفیسر خطیب ہو گا —" ڈاکٹر عارف نے کہا۔ ساتھ ہی ساتھ اس نے جلسے کے کمرے میں پادریوں کے استعمال کی ٹوپی ملنے والا واقعہ بھی سنایا۔ چیف انسپکٹر نگری

دل چسپی کا اظہار کرتے ہوئے پھر کچھ پوچھنا چاہا لیکن سرسلطان نے ہاتھ اٹھا کر اسے منع کر دیا اور خود سوال کیا۔

"پھر تم نے صبیحہ سے اس سلسلے میں دریافت نہیں کیا۔؟"

"کیا تھا لیکن اس نے انکار کر دیا۔"

"پھر کیا بادرچی کی ٹوپی ایسی عام چیز تو ہے نہیں جو کسی عورت کی خوابگاہ میں ڈریسنگ ٹیبل کے نیچے پڑی ملے۔ اس نے بتلایا نہیں کہ وہ وہاں کیسے آگئی۔؟"

"نہیں، اس وقت ہم لوگوں کے پاس سوچنے کے لئے اور بھی بہت سے دوسرے موضوع تھے اس لئے میں نے اس سے زور دے کر اس کا سبب نہیں پوچھا۔" عارف نے جواب دیا۔

"کیا تمہارا خیال تھا کہ وہ اس سوال کا جواب نہ دیتی۔؟"

"مجھے معلوم نہیں۔ میں خود ہی اس سلسلے میں اس سے کوئی اور بات پوچھنا مناسب نہ سمجھا تھا۔"

"بہت اچھا۔ کیا اس کے علاوہ اور بھی کوئی بات تم نے دیکھی جس سے تمہارے دل میں یہ خیال پیدا ہوا ہو کہ پروفیسر خطیب اس کے کمرے میں گیا تھا۔؟"

"کہہ نہیں سکتا یہ محض میرا وہم تھا یا حقیقت۔ حالانکہ میرے سامنے کوئی ایسی بات نہیں ہوئی جس سے کوئی شک کیا جا سکے، بہرحال میں نے محسوس کیا تھا کہ پروفیسر خطیب کے لئے صبیحہ ایک خاص کشش رکھتی ہے۔ اور اسی لئے یہ خیال اور زیادہ تیزی سے میرے دماغ میں آیا تھا کہ ممکن ہے وہ اس کے کمرے میں چلا گیا ہو۔ علاوہ ازیں اس دن خطیب کا خیال کچھ اس طرح ہم لوگوں کے دماغ پر سوار تھا کہ ہر بات میں اسی کا دھیان

آتا تھا ــــ "

"کم از کم یہ بات کہ پروفیسر خطیب چونکہ صبیحہ سے غائبانہ محبت کرتا تھا اس لئے اس پراسرار طریقے پر اُس کے کمرے میں گھس گیا، میری سمجھ میں نہیں آتی ــ" سلطان نے اپنا خیال ظاہر کیا ۔

" میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ یہ محض میرا خیال تھا۔ حقیقت کا مجھے علم نہیں ۔" عارف بولا۔

"کیا انھیں تمام خیالات کے ماتحت تم نے آج نانا ہوٹل میں اس سے یہ سوال کیا تھا ڈاکٹر ــ !" نیار نے پوچھا ــ " کہ وہ کیا صبیحہ کے کمرے میں نہیں گیا تھا۔"

" ہاں ۔ " عارف نے جواب دیا ــ" اور تم نے دیکھ لیا کہ پروفیسر نے انکار کر دیا تھا۔"

لیکن ڈاکٹر عارف کو جو خیال جمعہ کی رات سے پریشان کر رہا تھا وہ آخرکار اس نے اُن لوگوں کے سامنے پیش کر ہی دیا ــــ " لیکن مشکل یہ ہے کہ صبیحہ صاف انکار کرتی ہے ۔ وہ صاف کہتی ہے کہ پروفیسر خطیب اس کے کمرے میں نہیں گیا تھا ــ اور اس صورت میں ہمیں ماننا پڑیگا کہ وہ کمرے میں نہیں گیا تھا ــ بس ہمیں اتنا معلوم ہے کہ وہ کسی چیز سے خوفزدہ ہوگئی تھی ــ"

" شش ــــ خاموش ــــ " چیف انسپکٹر عارف نے جلدی سے کہا۔ وہ لوگ چونک کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگے کیونکہ باہر پختہ فرش پر کسی کے قدموں کی آواز واضح طور پر سنائی دے رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد ایم فیروز مسکراتا ہوا کرے میں داخل ہوا۔ اور اُن لوگوں کو دیکھ کر اس کا چہرہ کھل گیا ۔

" آؤ فیروز ــــ" ڈاکٹر عارف نے تعارف کرایا ــــ " یہ ہیں مسٹر ایم محمود ڈنلو پوسٹ کے ایڈیٹر اور میرے دوست ــــ اور یہ ہیں چیف انسپکٹر نیاز جعفری ..

اور آپ سے ملو۔ سر سلطان صدیقی پرائیویٹ سراغرساں۔!"

ایم فیرو نے باری باری ان لوگوں سے مصافحہ کیا اور سر سلطان کی طرف خاص دلچسپی سے دیکھا۔

"بڑی خوشی کی بات ہے کہ آپ تشریف لے آئے۔" اس نے ان دونوں کی طرف دیکھ کر کہا۔ "سچ کہتا ہوں مجھے دلی مسرت ہوئی آپ لوگوں کو یہاں دیکھ کر۔ کہئے انسپکٹر صاحب! آپ کے مزاج تو اچھے ہیں؟ اور آپ کے مزاج تو بخیر ہیں سر سلطان صاحب؟ میں آپ لوگوں کی کافی شہرت سن چکا ہوں۔" پھر اچانک اس نے ڈاکٹر عارف کی طرف مڑ کر کہا۔

"ہاں ڈاکٹر آخر کو تم ہی نقصان میں رہے۔!"

"نقصان۔؟ کیا نقصان۔؟"

"تم نے شرط لگائی تھی نا۔؟"

"کیسی شرط۔؟"

"یہی کہ پروفیسر خطیب جمعہ کی رات کو صبیحہ کے کمرے میں نہیں گیا تھا۔" ایم فیرو نے اپنی جیب سے ایک سگریٹ کیس نکالتے ہوئے کہا۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ سیکرٹ سروس والوں کے لئے یہ سوال کس لئے اتنا اہم ہو رہا ہے۔ بہر حال اب اس کا جواب مل گیا ہے۔ ابتک میں نے اس معاملے پر غور نہیں کیا تھا لیکن اب یاد آیا کہ وہ صبیحہ کے کمرے میں تھا۔ میں نے اسے دیکھا تھا۔!"

اس نے ایک کرسی آگے سرکائی اور ٹانگیں پھیلا کر بیٹھنے کے بعد سگریٹ کیس انگلیوں پر گھمایا اور ان لوگوں کی طرف کچھ اس قسم کی داد طلب نگاہوں سے دیکھنے

شرلاک ہومز ہندوستان میں

رکا جیسے اکثر مداری کوئی دل چسپ کھیل دکھلانے کے بعد تماشائیوں کی طرف دیکھتے ہیں

(۹)

سب سے پہلے چیف انسپکٹر کی زبان حرکت میں آئی۔

"ذرا ایک منٹ ٹھہریئے فیروز صاحب!" اس نے اپنی نوٹ بک جیب سے نکال کر کھولتے ہوئے مشکوک نگاہوں سے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ "آپ کا کہنا ہے کہ جمعہ کی رات کو پروفیسر خطیب کو آپ نے مس جیبیو کے کمرے میں دیکھا تھا؟"

"ہاں — بلکہ زیادہ صاف لفظوں میں مجھے یوں کہنا چاہئے کہ میں نے خطیب کو اس کے کمرے سے باہر نکلتے ہوئے دیکھا تھا —؟"

"کس کے کمرے سے —؟"

"مس جیبیو کے —" وہ دوبارہ سگریٹ کیس گھمانے لگا۔

"اور کیا میں دریافت کر سکتا ہوں کہ آپ نے کس وقت دیکھا تھا —؟"

"آٹھ بجنے میں تقریباً پندرہ منٹ باقی تھے —"

"آہ — یہ آپ کیا کہتے ہیں۔ دوسرے بیانات کے مطابق تو پونے آٹھ بجے پروفیسر خطیب نیچے زینے پر تھا اور اس کے لڑکے کو اندر بلانے کے لئے دروازہ کھول رہا تھا۔"

"جی ہاں — یہ بات بھی درست ہے —" ایم فیروز نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔ "کیونکہ اسی وقت میں نے بھی نیچے حصے میں گھنگھناتی ہوئی گھنٹی کی آواز سنی تھی اور اسی کو سن کر پروفیسر خطیب بھاگتا ہوا زینے سے اتر گیا تھا۔"

چیف انسپکٹر نے اسے غور سے دیکھ کر کہا ـــــ

" لیکن فیروز صاحب! اس سے قبل آپ ایک بیان سپرنٹنڈنٹ پولیس کو بھی تو دے چکے ہیں ـــ؟"

" جی ہاں درست ہے ـــ" اور اچانک اسے یاد آیا کہ اس نے اپنے پہلے بیان میں غلط بیانی کی ہے۔ اس خیال سے اس کا چہرہ اتر گیا۔ لیکن اس نے بدستور سگریٹ کیس انگلیوں پر نچاتے ہوئے محتاط لہجے میں کہا ـــ

ـــ " جی ہاں۔ جیسا آپ کہتے ہیں میں قبل ازیں اپنا بیان پولیس سپرنٹنڈنٹ کو بھی لکھوا چکا ہوں ـــ"

" لیکن آپ نے یہ بات اس میں ظاہر نہیں کی ـــ؟"

" نہیں ـــ میں کرتا بھی کیوں ـــ؟ مجھے سلیم اختر یا اسکی موت سے کیا واسطہ؟ اور پھر ـــ"

" اگر آپ کو کوئی اعتراض نہ ہو تو ـــ" چیف انسپکٹر نے پراثر طور پر اپنا ہاتھ اٹھاتے ہوئے اسے روکا ـــ" تو میں آپ کے بیان کا ایک حصہ پڑھ کر سنانا چاہتا ہوں" ـــــ

ـــ اسنے اپنی نوٹ بک سے بیان کی نقل کا ایک پیرا پڑھنا شروع کیا ـــ

" آپ بیان کر چکے ہیں کہ ساڑھے سات بجے سب لوگ مجھے اور پروفیسر خطیب کو نیچے چھوڑ کر اوپر چلے گئے اور میں پروفیسر خطیب کو کھانا تیار کرنے کے لئے باورچی خانے میں لے جا کر ضرورت کی چیزیں بتلانے کے بعد میں بھی ادھر چلا گیا۔ اس طرح میں ان کے ساتھ زیادہ سے زیادہ دو منٹ رہا۔ بعد ازاں میں تمام عرصہ اپنے کمرے میں غسل کر کے کپڑے تبدیل کرتا رہا۔ اور اس وقت کمرے سے باہر نکلا جب مجھے سلمٰی کے چیخنے کی آوازیں سنائی دیں۔"

" جی ـــ بالکل ٹھیک ہے ـــ" غور سے اپنا بیان سُن لینے کے بعد ایم فیروز نے سر اٹھا

کہا ــــ " اس میں آپ کو کیا اعتراض ہے؟ بیان بالکل درست ہے۔ میں بےشک اس دوران میں اپنے کمرے سے باہر نہیں آیا، نہ ہی میں نے پروفیسر خطیب سے گفتگو کی۔ لیکن میں نے اسے اپنے کمرے میں سے دیکھا تھا۔"

" کیا آپ مہربانی کر کے اس کی وضاحت کریں گے ــ؟"

" بڑی خوشی سے ــ" فیروز نے سر جھکا کر کہا ــ" تقریباً پونے آٹھ بجے میں غسل کر کے اپنے کپڑے تبدیل کرنے جا رہا تھا کہ میرے کان میں شیشے کے ٹوٹنے کی جھنکار سنائی دی میں نے اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر باہر دیکھا۔ پروفیسر خطیب مجھے مس صبیحہ کے کمرے سے باہر نکلتا ہوا دکھلائی دیا۔ پھر گھنٹی کی آواز سنائی دی اور وہ بھاگتا ہوا زینے سے نیچے اتر گیا ــــ"

" لیکن کیا آپ کو اس کا یہ عمل عجیب نہیں محسوس ہوا ــ؟"

ایم فیروز نے پیشانی پر شکنیں ڈال کر دیر دیکھا اور چیف السپکٹر کو غور بھری نظروں سے تاکتا ہوا بولا ــــ " جی ــ بالکل نہیں۔ اس میں عجیب بات کیا تھی جس پر مجھے حیرت ہوتی؟ اس سے قبل نیچے سب کے سامنے صبیحہ نے پروفیسر خطیب کو کھانا پکانے میں مدد دینے کا خیال ظاہر کیا تھا۔ ڈاکٹر عارف میری بات کی تصدیق کو موجود ہیں میں نے سوچا کہ اسی لئے پروفیسر خطیب، صبیحہ کے کمرے میں گیا ہوگا ــ"

" کیا یہ درست ہے ڈاکٹر عارف ــ؟" نیازی نے دریافت کیا۔

" بے شک ــ"

" اور کیا اس شیشے کے ٹوٹنے کی آواز سن کر بھی آپ کو تعجب نہیں ہوا تھا مسٹر ایم فیروز!۔۔" اس نے بیرسٹر سے پوچھا۔

— فیروز ہچکچاتا ہوا بولا —

" جی ہاں ۔ مجھے ایک لمحہ کے لئے حیرت ہوئی تھی ۔ پھر میرے دل میں اس کی وجہ سمجھ میں آگئی اور اسکے بعد میں نے پروفیسر کے بارے میں کوئی شک نہیں کیا ۔ کیونکہ جیسے ہی پروفیسر خطیب زینہ پھلانگتا ہوا نیچے اتر گیا اس کے فوراً سلیم اختر کا دروازہ کھلا اور وہ جھپٹتا ہوا کمرے سے باہر نکلا ۔ اس وقت وہ اپنی گاؤن سنبھالتا ہوا پیروں میں سلیپر پہن گھسیٹتا سیدھے ڈاکٹر عارف کے کمرے کی طرف گیا اور دروازے پر دستک دی ۔ پھر دروازہ کھلا ۔ میں نے سلیم کی آواز سنی ۔ اس نے آواز پیدا ہونے کا سبب دریافت کیا تھا ۔ اور پھر مجھے ڈاکٹر عارف کی آواز سنائی دی ۔ وہ کہہ رہا تھا کہ کوئی خاص بات نہیں ۔ لیمپ گر کر پھوٹ گیا ہے ' ۔" اس کے بعد وہ ایک لمحہ کے لئے خاموش ہو گیا ۔

" جی ہاں ۔ کہتے چلئے " ۔ چیف انسپکٹر نے دریافت کیا ۔

" مجھے مس صبیحہ کی آواز بھی سنائی دی تھی ۔" ایم فیروز نے اپنے کندھے اچھالتے ہوئے کہا ۔

" اچھا پھر ۔ ؟"

" بس اس کے بعد میں نے اپنے کمرے کا دروازہ بند کر لیا ۔" ایم فیروز نے ایسی آواز میں کہا جیسے وہ اس موضوع پر گفتگو کا دروازہ بھی ان پر بند کر رہا ہے ۔ بس پھر اس ______ کے بعد میرا اس معاملے سے کوئی تعلق ہی نہیں رہ جاتا تھا مجھے پروفیسر کے رویئے پر حیران اور سرگرداں ہونے کی ضرورت ہی نہ تھی جبکہ صبیحہ اپنے کمرے میں ہی نہ تھی ۔"

اتنا کہہ کر وہ خاموش ہو گیا ۔ ڈاکٹر عارف کو ایم فیروز کا آخری جملہ براہ راست اپنے اوپر چوٹ کی طرح محسوس ہوا ۔ اگر زندگی بھر میں اس کی نگاہ سے کوئی ایسا

کیس گذرا جس میں ہر شخص ایک دوسرے پر شک کرتا نظر آئے، تو وہ یہی کیس تھا لیکن اس نے کوئی بات کہی نہیں کیونکہ اسی وقت نیاز نے آنکھ کے اشارے سے اسے بولنے سے منع کر دیا تھا۔ اور خود بڑے میٹھے لہجے میں بولا۔

"جی ہاں۔ درست ہے۔ اب میرا اطمینان ہو گیا۔ دراصل اس قسم کے موقعوں پر تمام امکانات پر غور کر لینا ہی زیادہ مناسب ہوتا ہے۔ آپ برا تو نہیں مان رہے ہیں فیروز صاحب!"

ایم فیروز نے زیر خند کر کے کہا۔" نیاز صاحب! آپ اپنے سوالات دریافت کیجئے۔ اس قسم کی میٹھی باتوں کو چھوڑ دیئے۔ اس طرح کی میٹھی باتیں جب بھی کی جائیں گی تو ان کی تہہ میں بڑا کڑوا پن ہوگا۔ اور یہ بھی ملحوظ رکھیئے گا کہ میرے اپنے کچھ قانونی حقوق ہیں جنہیں میں بروقت استعمال کر سکتا ہوں۔

"اچھا خیر۔" چیف انسپکٹر نیاز نے جواب دیا۔" ہاں ذرا یہ تو بتلا یئے کہ جب آپ نے پروفیسر خطیب کو کمرے سے نکلتے ہوئے دیکھا تو اس کے چلنے یا حرکات و سکنات سے کوئی خاص بات تو نہیں ظاہر ہوتی تھی۔"؟

"آپ دوران گفتگو میں لفظ 'عجیب' اور 'خاص' بہت استعمال کرتے ہیں۔ پہلے وضاحت کر دیجئے کہ ان سے آپ کا مطلب کیا ہوتا ہے؟"

چیف انسپکٹر نے گردن کو جھٹکا دے کر مسکرانے پر ہی اکتفا کیا۔ ایم فیروز بولا ——

—" خیر۔ مجھے تو کوئی خاص بات اس کے انداز سے محسوس نہیں ہوئی بھلا وہ ان میں باگر جو بلب روشن تھا اس کی روشنی بھی اتنی تیز نہ تھی کہ میں اپنے کمرے سے پروفیسر خطیب کے چہرے کے تاثرات دیکھ سکتا لیکن اس کے باوجود نہ جانے کیوں مجھے یہ احساس ضرور ہوا

تھا کہ اسکے دماغ میں کوئی خاص بات ضرور ہے ۔"

" اس کے دماغ میں کوئی خاص بات ۔ ؟ نیاز نے پوچھا ۔" کیا مطلب ہے آپکا ؟"

" دیکھئے ۔" ایم فیروز نے اپنا سگریٹ کیس ہوا میں اچھال کر پکڑتے ہوئے کہا ۔" کہہ نہیں سکتا کہ یہ احساس میرے ذہن میں کیوں پیدا ہوا تھا ۔ دراصل نیچے گفتگو کرتے ہوئے پروفیسر خطیب کا رویہ کچھ اتنا پراسرار قسم کا رہا تھا کہ اس کی بناء پر اس قسم کا خیال پیدا ہونا ضروری تھا ۔ مثلاً جب میں اُسے باورچیخانے میں لے جا رہا تھا تو اس نے پوچھا تھا کہ ان خاص حالات میں ، جو اس نے مجھ سے بیان کئے ، کوئی شخص قتل کر دیا جائے تو کیا اس سے قانون جواب طلب کر سکتا ہے ؟ اور میں نے ایک بیرسٹر کی حیثیت سے بتلایا تھا کہ ابھی آئین ہندوستان میں ایسی کوئی دفعہ نہیں ہے جن کے تحت ان حالات میں قاتل کو سزا دی جا سکے ۔ بات عجیب ضرور تھی لیکن وہ جس استدلال اور منطق سے اپنا نظریہ پیش کرتا تھا وہ قابلِ قبول ہوتا تھا ۔ کیوں عارف ؟"

" ہاں !"

" شیش ۔" سر سلطان نے جو اب تک کرسی کے ہتھے پر بیٹھا ہوا کرے کے ایک کونے کو گھور رہا تھا ، آواز پیدا کرتے ہوئے کہا ۔" خدا تمہارا بھلا کرے ۔ کیا تم نے ، کیا نام تمہارا ، ہاں مسٹر ایم فیروز ! کیا تم نے پروفیسر خطیب کو واقعی سنجیدگی سے یہ صلاح دی تھی کہ ان خاص حالات میں قاتل قانون کی گرفت میں نہیں آئے گا ۔"

ایم فیروز نے سگریٹ کیس کھولتے ہوئے جواب دیا ۔" جی ہاں ! میں نے پوری ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے اسے جواب دیا تھا ۔ لیکن صاحب عجیب بات اس نے مجھ سے کہی تھی ۔ اب بھی مجھے حیرت ہوتی ہے ۔ ذرا سوچئے ۔ کسی کے دلی خیالات بغیر بتلائے ہوئے

معلوم کر لینا ہی کیا کم حیرت انگیز چیز ہے نہ کہ وہ کہتا تھا کہ ایک مقام پر بیٹھ کر قوتِ ارادی کی مدد اور خیالات کی لہروں سے ضرب پہنچا کر کسی شخص کو قتل کیا جا سکتا ہے۔ ذرا سوچئے کتنی عجیب بات ہے۔ آج ہٹلر کا نام شیطان کی طرح دنیا میں مشہور ہے اور ہر شخص اس کی بربریت سے نالاں ہے۔ ہمارا یہ پراسرار دوست پروفیسر خطیب یہاں بیٹھ کر اپنی قوتِ ارادی اور خیالات کی رد کو کام میں لاتا ہے اور وہاں جرمنی میں ہٹلر ایک آہ کرکے گرتا ہے اور مر جاتا ہے! سوچئے کتنی عجیب بات ہے۔ اس نے جس طور پر اپنا طریقہ تبلایا تھا اس سے یہ بات قطعاً ناممکن تھی۔ لہٰذا میں نے اس سے پوچھا بھی تھا کہ "کیا تم اپنی اس پراسرار طاقت سے ہٹلر کو قتل کر سکتے ہو" ——؟

سر سلطان نے اپنا چشمہ ناک پر سے اتار کر پوچھا —— "پھر اس نے کیا جواب دیا۔؟"

"اس نے پوچھا —— "ہٹلر کون ہے۔؟ —— !" ایم فیروز نے کہا۔

"ارے —— !"

"جی ہاں —— میری حیرت کی بھی کوئی انتہا نہ تھی جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ اس دور کی مشہور ترین ہستی کے نام سے ناواقف ہے جس کا نام شیطان کی طرح مشہور ہے یہ تو یوں ہوا جیسے وہ کسی دوسری ہی دنیا کا رہنے والا ہو۔ خیر۔ میں نے اس سے دریافت کیا کہ وہ گذشتہ پانچ چھ سال سے کہاں تھا کہ "ہٹلر" کا نام اس کے کانوں تک نہیں پہنچا۔ اور اس نے سنجیدگی سے جواب دیا کہ وہ روحانی علم حاصل کرنے کے لئے ایشیا کے ان دور دراز غیر آباد حصوں میں بھٹکتا پھر رہا تھا جہاں کسی قسم کی باہری خبر نہیں پہنچ سکتی تھی ——"

"اور اب ہمارا وہ پراسرار دوست کہاں ہے ——؟" سر سلطان نے دریافت کیا۔

" کیا آپ کو خوف ہے کہ وہ آپ پر بھی اپنی اسی پر اسرار طاقت کے ذریعے خیالات کی لہروں سے ضرب پہنچا کر قتل کر سکتا ہے ۔۔ ؟" چیف انسپکٹر نیاز نے مسکرا کر دریافت کیا۔

" نہیں برخوردار ۔ سلطان بڑا سخت جان واقع ہوا ہے ۔ بہرحال میں معلوم کرنا چاہوں گا کہ پروفیسر خطیب اس وقت کہاں ہے ۔۔ ؟"

" ہاں بھی میں بھی معلوم کرنا چاہتا ہوں ۔۔" ایم فیروز نے بھی کہا۔

" وہ شاید چند مشہور اخباروں کے نمائندوں کو اپنا بیان دے رہا ہوگا جیسا کہ اس نے مجھ سے کہا تھا کیونکہ اس نے پولیس اسٹیشن پر ان لوگوں سے وعدہ کیا تھا۔" چیف انسپکٹر نے کہا ۔" لیکن یہ کوئی خاص بات نہیں ہے ۔۔ ہاں فیروز صاحب! آپ اس کے بارے میں کیوں معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ وہ اس وقت کہاں ہے ۔۔ ؟ کیا آپ کو بھی اپنی جان کی فکر لاحق ہو رہی ہے ۔۔ ؟"

" نہیں چیف انسپکٹر صاحب!" فیروز نے دھیمی آواز میں جواب دیا۔" میں صرف اس لئے پوچھ رہا تھا کہ شاید ابھی پچھلے لمحے میں نے کھڑکی کے باہر دیکھا تھا!"

چیف انسپکٹر جلدی سے لپک کر کھڑکی کے پاس پہنچ گیا۔ اور شیشے لگی ہوئی کھڑکی کو کھولتا ہوا اتنی زور سے بولا کہ آواز باہر تک پہنچ جائے ۔۔

" بھئی یہاں تو سخت گرمی ہو رہی ہے ۔ میں ذرا تازہ ہوا میں سانس لے لوں ۔۔"

اس نے کھڑکی پر جھک کر ادھر اُدھر جھانکتے ہوئے زور زور سے سانس لینے کی ایکٹنگ کی۔ ۔ کھڑکی کھلنے سے سرد ہوا کا ایک جھونکا کمرے میں داخل ہوا۔ فوارے کے اُبلنے اور چڑیوں کے پر چھپانے کی آوازیں بھی ان لوگوں کے کانوں میں پڑیں۔ لیکن باہر کی تمام روشیں خالی پڑی تھیں۔

اس نے ویسی ہی زوردار آواز میں کہا ۔۔

"ممکن ہے خطیب یہیں کہیں ٹہل رہا ہو۔ مجھے بتلایا گیا ہے کہ وہ باغ میں گھومنا پسند کرتا ہے۔" پھر آواز کو دبا کر عام لہجے میں بولا۔

" اور اب مسٹر فیروز! میں آپ سے کچھ اور پوچھنا چاہتا ہوں۔ یہ سوالات پروفیسر خطیب کے بارے میں نہیں آپ کی اپنی ذات کے متعلق ہوں گے۔ مجھے حیرت ہے کہ ۔ ارے ڈاکٹر عارف! اگر تم جا کر مس صبیحہ کو یہاں بلا لاؤ تو بڑی مہربانی ہو ۔۔ ایں۔ معاف کرنا بھئی ۔۔!"

ڈاکٹر عارف کمرے سے نکل کر دروازہ بند کرتا ہوا باہر آگیا۔ اس کے اپنے خیال میں چیف انسپکٹر نے کسی گارڈ کی طرح کھڑکی سے جھانک کر اِدھر اُدھر دیکھ کر سخت غلطی کی تھی۔

جب وہ اوپر سلمیٰ سلیم کے کمرے میں پہنچا تو صبیحہ ایک کھڑکی کے قریب کرسی پر بیٹھی ہوئی کروشیا سے کوئی چیز بُن رہی تھی۔ اور سلمیٰ ایک ریشمی ساری میں ملبوس پلنگ کے قریب ایک گدے دار کرسی پر خاموش بیٹھی تھی۔ دونوں کی صورت اس وقت عارف کو پہلے سے بہتر نظر آ رہی تھی۔ کمرے میں مکمل سکون کا سا ماحول تھا۔

" نیچے کون آیا ہوا ہے ۔" سلمیٰ نے دھیمی آواز میں سوال کیا۔

" شاید پولیس سپرنٹنڈنٹ پھر آ ٹپکا ۔" مس صبیحہ نے خیال ظاہر کیا۔

" نہیں مسز سلیم!" ڈاکٹر عارف نے جواب میں بتلایا " ڈرائنگ روم میں سر سلطان صدیقی اور سیکریٹ سروس کے چیف انسپکٹر نیاز جعفری بیٹھے ہوئے منتظر ہیں کہ ۔"

" بہت اچھا ۔" مسز سلیم نے جلدی سے کہا ۔" بہتر ہے میں ذرا کنگھی کر لوں تو چلتی ہوں۔ لیکن آپ جانتے ہیں کہ مجھے کوئی خاص بات معلوم نہیں۔ کاش لوگوں کو معلوم ہو سکتا کہ مجھے سلیم سے کتنی محبت تھی اور ..." ایک لمحے کے لئے معلوم ہوا کہ وہ ابھی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے گی۔ لیکن پھر اس نے اپنے جذبات پر قابو پا لیا ۔" خیر ۔ میں ابھی آتی ہوں ۔ آپ اُن سے

کہئے ڈاکٹر صاحب! کچھ تھوڑی دیر اور انتظار کی زحمت گوارا کریں۔"

عارف نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔" نہیں سلمیٰ صاحبہ! ابھی آپ کو تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں آپ سکون سے یہیں بیٹھ کر آرام کیجئے۔ انھیں اگر آپ سے ملنا ہوگا تو یہیں اوپر آ جائیں گے۔ فی الحال تو پہلے وہ مس صبیحہ سے ملنا چاہتے ہیں۔"

صبیحہ جواب تک لاپرواہی سے اپنے کروشیا سے شغل کر رہی تھی، سر اوپر اٹھا کر بولی ۔

" وہ لوگ مجھ سے ملنا چاہتے ہیں۔؟ کیوں ۔۔؟"

" یونہی چند معمولی سوالات پوچھنا چاہتے ہیں ۔۔"

اسی وقت سلمیٰ سلیم اپنی کرسی سے اٹھی اور غسل خانے میں چلی گئی۔ لیکن عارف نے اس کے چال میں اسوقت خلاف دستور عجب طرح کا پھرتیلاپن محسوس کیا۔ کچھ دیر تک دروازہ کھلا رہا اور وہ الکٹرک ہیٹر کے پاس کھڑی رہی پھر ہینگر پر سے تولیہ لے کر غسل خانے سے باہر نکل آئی اور اس کا دروازہ بند کر لیا۔ اس طرف سے نگاہیں ہٹا کر ڈاکٹر عارف نے پلنگ کے قریب میز کے نیچے رکھے ہوئے بک شیلف پر ایک سرسری نظر ڈالی اور اس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب اس نے دیکھا کہ وہ موٹی نوٹ بک جس پر " قتل کے نئے طریقے" لکھا ہوا تھا، اب بک سیلف سے غائب تھی!

" وہ لوگ صبیحہ سے کس قسم کے معمولی سوالات پوچھنا چاہتے ہیں ۔؟" سلمیٰ نے تولیہ سے ہاتھ رگڑتے ہوئے دریافت کیا۔

" وہ کوئی بہت اہم سوالات نہیں ہیں ۔۔"

" کیا اس کمبخت شیطان پروفیسر کے بارے میں ۔؟" مسز سلیم نے پھر پوچھا۔

" جی ہاں ۔۔" عارف نے مختصر سا جواب دیا۔

"میرا بھی یہی خیال تھا ۔۔۔"

جیسو نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اصرار کیا۔ "آپا جان آپ طبیعت کو مکدر نہ کیجئے اور آرام سے بیٹھ جائیے۔" پھر وہ ڈاکٹر کی طرف مڑ کر بولی۔ "اور آپ ڈاکٹر عا... عا... ڈاکٹر صاحب۔" اکثر عارف نے محسوس کیا تھا کہ اب وہ اس کا نام لے کر پکارنے سے اعتراض کرتی ہے۔ "ہاں ڈاکٹر صاحب! چلنے سے قبل ایک بات یہیں طے ہو جائے تو ٹھیک ہے۔ کیا آپ کل ڈیوٹی جوائن کرنے بمبئی جا رہے ہیں ۔۔۔؟"

"ہاں میرا ارادہ تو ہے۔ آج تفتیش ہو چکی ہے لیکن میرا خیال ہے اس سے میری روانگی میں کوئی رکاوٹ نہ پڑے گی ۔۔۔"

"اوہ ۔۔۔ کیا آپ اپنی رخصت بڑھوا کر یہاں کچھ دن اور نہیں ٹھہر سکتے ۔۔۔؟"

"رک تو سکتا ہوں ۔۔۔ لیکن وجہ ۔۔۔؟"

"کیونکہ ابھی سلمیٰ آپا کی طبیعت ۔۔۔" جیسو نے مسز سلیم کی طرف اشارہ کر کے، جو ابتک تولیہ سے لایعنی طور پر اپنے ہاتھ مل رہی تھی۔ "ابھی اعتدال پر نہیں آئی، اور انھیں رات کو اکیلا چھوڑنا مناسب نہ ہوگا۔ میں نے ایمپلائمنٹ ایکسچینج بمبئی کو فون بھی کیا تھا اور انھوں نے جواب دیا ہے کہ ایک باورچی اور ایک خادمہ "بیلی کوٹھی" بھیج دئے جائیں گے لیکن وہ لوگ کل سے پہلے نہیں آسکتے۔ حالانکہ آپا کے دماغ میں یہی سودا سمایا ہوا ہے کہ انھیں مکان پر بالکل تنہا چھوڑ دیا جائے۔ لیکن انھیں اکیلا نہیں چھوڑنا چاہئے۔ میں خود بھی فی الحال اسی خیال سے رکی ہوئی ہوں۔ ہاں تو کیا آپ رک سکیں گے؟"

لیکن اس وقت ڈاکٹر عارف کنکھیوں سے بک شیلف کی طرف دیکھتا ہوا دل میں کہہ رہا تھا "کاش پراسرار نوٹ بک جس پر "قتل کے نئے طریقے" درج تھے، غائب نہ ہوتی

"جی ۔ ؟"

"آخر تم سچ سچ کیوں نہیں بتلا دیتیں کہ جمعہ کی رات کو پروفیسر خطیب تمہارے کرے میں گیا تھا ؟"

جیبو ایک زینہ زیادہ اتر گئی تھی چڑھ کر پھر عارف کے پاس آ گئی۔ تھوڑی دیر تک وہ لوگ خاموش کھڑے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے اور ہال میں کلاک زور زور ٹھاٹ ٹھک کرتا رہا۔ ڈاکٹر عارف کو خوف ہوا کہ کہیں ہال سے متصل ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوئے لوگ ان کی گفتگو نہ سن لیں۔ اس لئے اس نے جیبو کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے کہا۔ "ذرا اور اوپر آ جاؤ ۔"

لڑکی نے تو کوئی اعتراض نہیں کیا دونوں زینے طے کر کے اوپر چلے گئے۔ اوپر پہنچنے کے بعد بھی جیبو نے عارف کے ہاتھوں سے اپنا ہاتھ نکالنے کی کوشش نہیں کی۔

"آپ کو یہ کیسے خیال پیدا ہوا کہ میں نے آپ سے غلط بیانی کی ہے ۔" اس نے پرسکون لہجے میں عارف سے پوچھا۔

"ایم ڈیروز نے اس رات پروفیسر خطیب کو تمہارے کرے سے باہر نکلتے ہوئے دیکھا تھا ۔ اس کا کہنا ہے کہ لیمپ ٹوٹنے کی آواز پر اس نے اپنے کرے کا دروازہ کھولا تھا اور اسی وقت پروفیسر تمہارے کرے سے باہر نکلتا ہوا اُسے نظر آیا تھا۔ اس نے جاسوسوں کو اس بارے میں اپنے بیان میں بتلا دیا ہے اور اسی وجہ سے وہ لوگ تم سے تصدیق کرنا چاہتے ہیں ۔ اور غالباً انھیں سچ بات بتلا دینے میں تمہارا کوئی نقصان نہیں ہے۔ اب کیا تم تسلیم کرتی ہو کہ خطیب ہی کے کرے میں آ جانے سے تم جمعہ کو رات بیحد خوف زدہ ہو گئی تھیں ۔ ؟"

صبیحہ نے ایک گہری آہ کھینچ کر کہا۔

"ہاں خطیب بھی اس رات میرے کمرے میں گھس آیا تھا۔!"

(۱۰)

"پھر تم نے مجھ سے پہلے ہی کیوں نہ بتلا دیا تھا۔؟" عارف نے سوال کیا۔

صبیحہ دوسری طویل آہ کھینچ کر وہیں ایک زینے پر پیر لٹکا کر بیٹھ گئی اور ہاتھ سینے پر باندھ کر اوپر سر اُٹھاتے ہوئے عارف کو عجیب نظروں سے دیکھنے لگی۔ جیسے زبانِ خاموش سے کہہ رہی ہو۔ "کیا ضروری تھا جناب! کہ میں تمھیں اس سلسلے میں پہلے ہی بتلا دیتی۔؟"

"بولتی کیوں نہیں ہو۔؟" نرمی سے عارف نے اصرار کیا۔

"شاید اس لئے کہ میرا خیال تھا کہ کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جو کسی اجنبی نوجوان کو نہیں بتلانی چاہیئں۔"

"لیکن کیا یہ اچھا ہوگا کہ قطعاً اجنبی پولیس افسر تم سے الٹے سیدھے سوال کر کے وہی بات معلوم کرلیں۔"

"کیا تم مجھے ڈرانا چاہتے ہو۔" صبیحہ نے دریافت کیا۔ اس نے پہلی بار عارف کو تم کہہ کر مخاطب کیا۔

"دیکھو صبیحہ!" عارف بھی اس زینے پر اس کی بغل میں بیٹھتا ہوا بولا۔ "کسی جاسوسی فلم کی ہیروئن جیسے ڈائلاگ بولنے کی عادت چھوڑ دو، نہ معلوم کیوں مجھے تم سے ایک طرح کی اُنسیت ہوگئی ہے۔ دوسری طرف سیکریٹ سروس والے کسی نامعلوم وجہ سے پروفیسر خطیب

اور اس کی ہر نقل و حرکت کے بارے میں پوری پوری واقفیت حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں ۔ میری اِس معاملے میں دلچسپی لینے کی وجہ دوسری ہے ۔ اب یہ بتلاؤ کہ پروفیسر کی کس بات سے سہم کر تم اپنے کمرے سے بھاگ نکلی تھیں ۔۔ ؟"

" کیا مطلب ۔ ؟" صبیحہ نے چونک کر کہا ۔" اوہ اب میں تمہارا مقصد سمجھی ۔ اب تم کسی جذباتی فلم کے ناکام ہیرو کے ڈائیلاگ ادا کرنے کی کوشش کر رہے ہو ۔ کیا تم یہ چاہتے تھے کہ " پگلی کوٹھی " بھر میں چیخ چیخ کر اعلان کرتی پھرتی کہ پروفیسر خطیب میرے کمرے میں گھس گیا تھا ۔ سوچو تو ۔ کون عورت چاہتی ہے کہ لوگ اس کے بارے میں بدگمان ہو کر کانا پھوسی کریں کہ دیکھو یہ وہ عورت ہے جس کے اکیلے کمرے میں رات کو ایک مرد چپکے سے گھس گیا تھا ۔"

اچانک اس نے رک کر عارف کی طرف عجیب نظروں سے دیکھا اور پھر بولی ۔۔" لیکن میں تم سے قسم کھا کر کہہ سکتی ہوں کہ اس نے مجھے ہاتھ تک نہیں لگایا ۔۔ " وہ عارف کے اور قریب سرک گئی اور پھر ایک بالکل غیر متعلق سوال کرکے عارف کو چونکا دیا ۔

" وہ لڑکی ۔۔ کیا نام ہے اس کا ، طلعت پروین جس کے ساتھ تمہاری نسبت ہو چکی ہے ، کس قسم کی لڑکی ہے ۔۔ ؟"

" لیکن ۔ ؟"

" دیکھو مجھے ٹالنے کی کوشش نہ کرنا ڈاکٹر ۔۔ "

" اچھا تو جان لو کہ وہ تم سے بہت کچھ ملتی جلتی ہے ۔۔ "

" کن اوصاف میں ۔۔ ؟"

اسی وقت تصور ڈاکٹر عارف کو اُڑا کر ایران لے پہنچا اور اس نے دیکھا ، کوہ البرز کی ایک حسین وادی میں عصمت پروین ایک حسین نوجوان کے ساتھ ، جو جمالی کے سوا اور کون ہو سکتا

تھا، وگلگشت ہے۔

"وہ تمہاری ہی طرح خوش اخلاق، باحیا اور جاذب زیب ہے۔ اعلیٰ سوسائٹی میں گھس مل جانے اور بے جھجک گفتگو کرنے میں بھی اسے خاص سلیقہ حاصل ہے ــــ"

"اس کی شکل صورت کیسی ہے ــ؟" صبیحہ نے دلچسپی سے دریافت کیا۔

"قد تم سے کچھ چھریرا، آنکھیں نیلگوں، ناک ستواں، لیکن اتنی نہیں جتنی تمہاری ہے۔ بحیثیت مجموعی خوبصورتی میں اُسے تمہارے برابر درجہ دیا جاسکتا ہے۔ پیانو بجانے کی خاص مہارت رکھتی ہے ــ"

"یہ تو بڑی دل چسپ بات ہے ــ"

"بے شک ــ"

"اور کیا تم اس سے سچی محبت کرتے ہو ــ؟" صبیحہ نے پوچھا۔ اس وقت تو مجسم سوالیہ نشان بن گئی تھی۔ ڈاکٹر عارف خاموش بیٹھا رہا۔ صبیحہ نے جلدی جلدی کہا۔ "تمہاری خاموشی کہتی ہے کہ اس سے تمہیں محبت ہے اور اس حقیقت کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمارے درمیان صرف مخلص دوستوں کا سا رشتہ رہ سکتا ہے ــ"

"اور میں اب بھی تمہیں اپنا مخلص دوست ہی سمجھتا ہوں ــ"

"اچھی بات ہے۔ دراصل میرا مطلب یہ تھا ــ" صبیحہ کا موڈ ایک دم تبدیل ہو گیا اور اس لہجے پر سنجیدگی غالب آگئی اور وہ تیزی سے کہہ گئی ــ "سنو ڈاکٹر! ایک منٹ قبل میں شاید کسی جذباتی فلم کی ہیروئن جیسے ڈائیلاگ بول رہی تھی۔ میں اس قسم کی باتوں کا مذاق خود مضحکہ اُڑاتی رہی ہوں۔ خیر انھیں بھول جاؤ ــ اور اب میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جمعہ کی رات کو مجھے اپنے کمرے میں جو واقعہ پیش آیا اس کا تعلق سلیم اختر کی موت سے کس طرح

تاثر کیا جاسکتا ہے۔ نہ ہی اس کو سلیم کی موت کے مقابلہ میں اتنی اہمیت دی جاسکتی ہے بہر حال جو کچھ رات کو ہوا، اچھا نہیں ہوا۔ میرا خیال ہے پروفیسر خطیب خوفناک ضرور ہو لیکن بدنیت نہیں ہے — میں ان جاسوسوں کو تمام واقعہ بتلانا پسند نہیں کرتی کیونکہ وہ لوگ یقیناً پوچھیں گے کہ میں نے تمام حالات پہلے ہی کیوں نہیں بتلائے اور اگر میں انہیں اپنا بیان نہیں لکھواتی تو مفر کی کوئی اور صورت نہیں ہے۔ بچپن ہی سے مجھے اندھیرے مقامات پر خوف محسوس ہوتا ہے اور میری خواہش ہوتی ہے کہ ایسی جگہ پر کوئی میرے ہمراہ ہو — اور اب کیا اس موقع پر تم میرا ساتھ دو گے ڈاکٹر —؟"

"کیوں نہیں صبیحہ — یقین رکھو میں ہر طرح تمہاری امداد کو حاضر ہوں اور تم۔ ۔ ۔"

اس کو جملہ ادھورا چھوڑ دینا پڑا کیونکہ نیچے ہال میں قدموں کی آواز کے ساتھ کسی کی آواز کہتے ہوئے سنائی دی —

"معاف کرنا بھئی۔ تکلیف تو ہو گی لیکن ذرا سوئچ تلاش کر کے روشنی تو کر دو۔"

دوسرے لمحے کسی نے بڑھ کر سوئچ دبا دیا اور کلک کی آواز کے ساتھ ہال میں ہر طرف روشنی پھیل گئی۔ صبیحہ اور عارف مجرموں کی طرح اچھل کر اپنی جگہ پر کھڑے ہو گئے۔

"اوہ — !" نیچے سے چیف انسپکٹر کے قریب کھڑے ہوئے سر سلطان نے ان کی طرف دیکھ کر کہا اور پھر بغیر کسی قسم کے اظہارِ تعجب کے وہ تیزی سے زینے پر چڑھ آیا۔

"اوہو — شاید تم جمیل قریشی کی لڑکی ہو — کیا نام ہے تمہارا —؟" اس نے دریافت کیا۔

"جی — صبیحہ — !"

"تمہیں دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی۔" سر سلطان نے کہا۔ "میں تمہارے والد کو بہت پہلے سے جانتا ہوں۔ بڑا اچھا آدمی تھا — دیکھو۔ وہ جو نیچے بھونچکا سا آدمی کھڑا ہے

ہاں۔ وہ تم سے کچھ دریافت کرنا چاہتا ہے ۔ نہیں برخوردار" اسنے عارف کو جو صبیحہ کے ساتھ ہی نیچے اترنے لگا تھا کاندھے سے پکڑ کر کہا۔" تم میرے ساتھ چل کر سلمیٰ سے تعارف کراؤ۔"

اپنی رسٹ واچ میں وقت دیکھ کر نیچے اُترتے ہوئے صبیحہ نے کہا۔" بہتر ہے میں چیف انسپکٹر کے پاس جاتی ہوں۔ لیکن انھیں جو کچھ پوچھنا ہو جلد پوچھ لیں کیونکہ مجھے رات کا کھانا بھی تیار کرنا ہے۔"

وہ تیزی میں زینے سے اترتی ہوئی چلی گئی اور نیچے کھڑا ہوا چیف انسپکٹر اسے توصیفی نگاہوں سے دیکھتا رہا۔ اسی وقت ہال میں ایم فیروز بھی ڈرائنگ روم سے نکل کر آ گیا اور صبیحہ کو دیکھ کر حیرت سے سیٹی بجانے لگا۔ پھر ڈاکٹر عارف سر سلطان کے ہمراہ واپس اوپر چڑھ گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ سر سلطان نے کس لئے صبیحہ کو چیف انسپکٹر کے پاس میرے ساتھ نہیں جانے دیا۔ ضرور اس کے دماغ میں کوئی خاص بات ہے۔ وہ لوگ اوپر سلمیٰ سلیم کے کمرے میں جا پہنچے۔ رسمی گفتگو کے بعد اس نے بتلایا۔

"میں خود تیار ہو چکی تھی اور نیچے آنے ہی والی تھی۔ بڑا اچھا ہوا کہ آپ خود تشریف لے آئے۔"

"محترم خاتون ۔۔۔!" سر سلطان نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔" میں اس جگہ آکر خوش نہیں ہوں۔"

"جی ہاں۔ سلیم صاحب کی موت بہت بے وقت واقع ہوئی۔ بہر حال آپ کی اس جگہ تشریف آوری سے میرے دل کو کافی تسکین پہنچی ہے۔ کاش کہ آپ دو دن قبل آ گئے ہوتے۔ کیا آپ چند دن قیام کریں گے۔؟"

اس نے ملتجیانہ انداز میں سر سلطان کی طرف دیکھا۔ لیکن آخر الذکر سر ہلا کر انکار

کرتے ہوئے کہا ۔ نہیں ۔ مجھے افسوس ہے کہ میں بر جیس نگر کے لئے صرف آج کا دن وقف کر سکتا ہوں ۔ " اور پھر کرسی کے ہینڈل دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر آگے جھکتے ہوئے اس نے ناک سکوڑ کر دو تین بار اپنی عینک کو جھٹکے دیئے اور دھیمی آواز میں بولا ۔

" مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ مجھ سے ملنے کی متمنی تھیں اور غالباً یہ آپ کے لئے بہتر بھی ہے کیونکہ چیف انسپکٹر کی بہ نسبت میں آپ سے زیادہ بہتر طریقہ پر سوالات کر سکونگا ۔"

" بہتر ہے ۔ فرمائیے آپ کیا دریافت کرنا چاہتے ہیں ۔؟"

" کیا یہ درست ہے کہ آپ کے خاوند کا خیال تھا کہ آپ اسے قتل کرنے کی کوشش کر سکتی ہیں ۔؟"

" کس نے بتلایا آپ سے ؟ کیا ایم فیروز نے ۔؟"

سر سلطان نے سلمیٰ کو بغور دیکھتے ہوئے کہا ۔ " جی صرف اسی نے نہیں کہا ۔ مختلف لوگوں کے بیانات سے یہ بات اخذ کی گئی ہے ۔ میں آپ سے صرف اتنا ہی دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ کیا یہ سچ ہے ۔؟"

کمرے میں روشنی کا صرف ایک ذریعہ تھا ۔ اور وہ ٹیبل لیمپ تھا جو کہ سلمیٰ کی کرسی کے عین پیچھے پڑتا تھا ۔ لہذا وہ لوگ اس کے چہرے کے جذبات نہیں دیکھ سکے ایسا معلوم ہوا جیسے وہ آہستہ آہستہ ہنس رہی ہے جبکہ یہ اس کے سسکیاں لینے کی آواز تھی ۔

" نہیں ۔ نہیں ۔" اس نے جواب میں انکار کرتے ہوئے کہا ۔" ایم فیروز نے یا کسی اور شخص نے یہ کس طرح بیان کر دیا ۔ میرا خیال ہے آپ سے اس دن شام کو سلیم نے جو جملے کہے تھے ، وہی بتلائے گئے ہیں ۔ لیکن سلیم کا منہ پر شک کا اظہار

کرنا نہیں تھا۔ اس نے محض ایک بھونڈا مذاق کیا تھا ۔"

"اور آپ دیکھتی ہیں کہ وہ بھونڈا مذاق ہمارے سامنے کتنی سنجیدگی سے آیا ہے؟"

عارف نے محسوس کیا جیسے بڑی مشکل سے سلمیٰ نے اپنے اندرونی جذبات پر قابو پالیا۔ اس بار وہ بولی تو اس آواز میں سکون جھلک رہا تھا۔

"غالباً آپ کو معلوم ہوگا کہ میں جاسوسی ناولیں لکھتی ہوں ۔؟" سلمیٰ نے کہا۔

"جی ہاں ۔۔۔ میں جانتا ہوں ۔ ساتھ ہی یہ بھی جانتا ہوں کہ آپکی تصانیف مقبول ہوتی ہیں۔"

"شکریہ ۔ میری ناولوں میں اکثر پُراسرار قتل ہوا کرتے ہیں۔ سلیم اکثر از راہ مذاق کہا کرتا تھا میں نے ایک مجرم کا سا دماغ پایا ہے۔ اور اس وقت بھی مذاق کے لہجے میں اس نے اسی طرف اشارہ کیا تھا ۔"

"اور کیا اس کا یہ مذاق کبھی آپ کو بُرا نہیں لگتا تھا ۔؟"

"جی نہیں ۔۔" سلمیٰ نے جواب دیا اس کے انداز سے ظاہر تھا کہ وہ اس قسم کے سوالوں سے متعجب ہے۔ "خیر ۔۔۔ ہاں اس قسم کی پراسرار موتوں والی ناولوں کے لئے آپ پلاٹ کہاں سے حاصل کرتی ہیں؟"

"اوہ ۔۔ عام لوگوں کی گفتگو سے کافی پلاٹ اخذ کئے جاسکتے ہیں۔ علاوہ ازیں مصر اور روم وغیرہ کی پرانی تاریخوں سے بھی مواد مل جاتا ہے۔ میں نے اس قسم کے واقعات ایک نوٹ بک میں جمع کر رکھے ہیں جس کا نام "قتل کے نئے طریقے" رکھا ہے۔ اس سے مجھے کافی مدد ملتی ہے ۔"

"اوہو،" مسٹر سلطان نے دلچسپی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ اس نے اپنے ہاتھ کرسی کے ہتھوں سے ہٹا کر سینے پر باندھ لئے ۔۔۔" آپکی وہ نوٹ بک تو بڑے کام کی چیز

ہوگی مسز سیلم ——؟"

"جی نہیں کوئی خاص دلچسپ نہیں ہے ۔"

"پھر بھی کیا آپ وہ نوٹ بک مجھے دکھلا سکیں گی ۔"

"مجھے افسوس ہے سر سلطان —" سلمیٰ نے اپنی کرسی پر پہلو بدل کر کہا ۔" وہ نوٹ بک کل میں نے نذر آتش کر دی ! سلیم کی موت کے بعد اب میرے لئے اس کی کوئی ضرورت نہیں رہ گئی تھی دراصل میں نے آئندہ ناولیں لکھنے کا ارادہ ہی ترک کر دیا ہے ۔"

پھر اس نے آگے جھک کر وڈ سے سر اسفرسان کو دیکھتے ہوئے کہا ——

"سر سلطان صاحب ! غالباً ڈاکٹر عارف نے آپ کو بتلا دیا ہوگا کہ میں آپ سے ملاقات کی خواہشمند کس لئے تھی ؟ ۔ آپ کے جاسوسی کارناموں کا شہرہ سن کر میں غائبانہ طور پر آپ سے خاص عقیدت رکھتی ہوں ۔ "زہریلا کرہ" ۔ "فلم اسٹار میکش کا قتل" اور "ریلوے ایکسیڈنٹ" والے واقعات کو آپ نے جس حسن و خوبی سے سلجھایا ہے اس کا شہرہ اخبارات کے ذریعے میرے کانوں تک پہنچ چکا ہے میں کافی عرصہ سے آپ کی قوت استدلال کی تعریف خواں ہوں ۔ اور اس لئے میں چاہتی تھی کہ آپ کی امداد حاصل کروں ۔ میں چاہتی ہوں کہ آپ میرے لئے اس شیطان صفت پروفیسر خطیب کے بارے میں تفتیش کر کے اس کی اصل حقیقت معلوم کریں میں چاہتی ہوں کہ آپ اسے اس کے کیفر کردار تک پہنچائیں ممکن ہو تو پھانسی دلوادیں کیونکہ وہ اسی کا مستحق ہے ۔ کیا آپ پروفیسر خطیب سے مل چکے ہیں ؟"

لیکن سر سلطان نے ایک گہری سانس لے کر حیرت انگیز طور پر خاموشی اختیار کر لی اور بڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا ۔ غالباً وہ منتظر تھا کہ سلمیٰ کچھ اور کہے لیکن وہ اپنے

سوال کے جواب کی منتظر تھی ۔

"ہوں ۔۔۔" آخرش سرسلطان ہی کو کہنا پڑا ۔۔۔" مسز سلیم ۔ اس طرح آپ مجھ پر ایک وسیع تفتیش کا دروازہ کھول رہی ہیں۔ کیا آپ کا خیال ہے کہ پروفیسر خطیب ہی نے سلیم کو قتل کیا ہے، جیسا کہ اس کا اپنا دعویٰ ہے ۔"

"میں کچھ نہیں جانتی ۔ ہاں اتنا مجھے یقین ہے کہ وہ شخص مکار اور ڈھونگی ہے۔"

"میں عجیب شش و پنج میں ہوں سلمیٰ صاحبہ!" سرسلطان نے گہری آواز میں کہا ۔ "پہلے آپ لوگوں سے خیال ظاہر کرتی ہیں کہ ہوسکتا ہے سلیم کو پروفیسر خطیب ہی نے اپنی مافوق الفطرت طاقت کے ذریعے، جسے وہ "قوت ارادی" کا نام دیتا ہے، قتل کیا ہو اور اب آپ مجھ سے کہتی ہیں کہ وہ شخص ڈھونگ رچاتا ہے ۔ از راہ کرم آپ اپنا خیال صاف اور واضح الفاظ میں ظاہر کیجئے۔ "

"میں اور کچھ نہیں جانتی ۔ مجھے جو بات محسوس ہوئی میں نے بیان کردی ۔ ہاں آپ نے بتلایا نہیں ۔۔ کیا آپ پروفیسر خطیب سے مل چکے ہیں ۔ ؟"

"نہیں ۔۔"

"وہ آپ کو جلد ہی کہیں بھٹکتا ہوا مل جائے گا ۔" سلمیٰ نے اپنی آنکھیں سکوڑ کر کہا ۔۔ "سرسلطان! میں آپ کو اس پر قبضہ پانے کا ذریعہ بھی بتلائے دیتی ہوں ۔ وہ فطرتاً کھلی ہوا پسند کرتا ہے اس لئے زیادہ تر ادھر اُدھر بھٹکتا رہتا ہے ۔ خصوصاً شام کو یا رات کی تاریکی میں سنسان سڑکوں پر گھومتے رہنے کی اس کی پرانی عادت ہے ۔ اور اسی لئے وہ اپنے قیام کے لئے بالائی منزلوں کے کھلے ہوئے کشادہ کمرے پسند کرتا ہے ۔ آپ رات کو اسے کسی معمولی سے الزام میں یا محض شک میں گرفتار کرا کے حوالات کی کسی تنگ کوٹھری میں بند کرا دیجئے ۔ ایک ہفتہ میں

بند رکھئے ۔ اور آپ دیکھیں گے کہ وہ سب کچھ اگل دے گا۔ ہر بات بتلا دے گا۔"

"افسوس کہ قانون مجھے اس قسم کی کسی حرکت کی اجازت نہیں دیتا۔" سر سلطان نے کہا۔ "یہ کوئی مشکل بات نہیں ۔" سلمیٰ سلیم نے پھر التجا کی ۔ "خصوصاً آپ کے لئے بالکل آسان ہے۔ کسی کو کوئی اعتراض نہ ہوگا ۔"

سر سلطان اسے دیر تک بڑے غور سے دیکھتا رہا۔ وہ کچھ منتشر دماغ سا معلوم ہوتا تھا "سلمیٰ صاحبہ ۔۔۔!" آخر اس نے اپنی مخصوص نرم آواز میں کہا ۔ "آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ حکومت ہند نے ایک آئین بنایا ہے اور کچھ قوانین نافذ کر رکھے ہیں۔ کسی بڑی سے بڑی شخصیت کو بھی قانون اپنے ہاتھ میں لینے کا اختیار نہیں ہے۔ بغیر کسی وجہ کے کوئی پروفیسر خطیب کو گرفتار نہیں کر سکتا ۔ چاہے وہ خود کو قاتل ہی کیوں نہ کہتا پھرے۔ ہمیں اس کے خلاف کوئی ٹھوس الزام اور اسے ثابت کرنے کے لئے ٹھوس ثبوت درکار ہیں۔"

سلمیٰ نے جھنجلا کر کہا ۔ "اور قانون پروفیسر خطیب کو اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ وہ میرے غریب شوہر کو اپنے تجربے کا شکار بنا کر قتل کر دے۔ وہ سلیم کو قتل کرنے کے بعد دن دہاڑے اعلان کرتا پھرے کہ چونکہ سلیم دنیا کے لئے کار آمد نہیں تھا اس لئے میں نے اسے اپنے پراسرار تجربے کے ذریعہ مار ڈالا۔ اور آپ کا قانون خاموش تماشائی بنا رہے، کیا یہ آزاد گھومنے کی اجازت دیتا ہے۔ قانون تو سب کے لئے یکساں ہوتا ہے سر سلطان ۔۔۔! اور آپ بھی میری مدد کرنے سے انکار کرتے ہیں ۔"

"خدا کے لئے مسز سلیم ۔" سر سلطان نے ہاتھ اٹھا کر روکا ۔ "آپ کو جوش میں آنے کی ضرورت نہیں ہے ۔ میں نے آپ کو مدد دینے سے انکار نہیں کیا۔ حتی الامکان مجھ سے جو کچھ ہو سکے گا آپ کے لئے کروں گا۔ لیکن یہ کیس بہت الجھا ہوا ہے ۔ جب تک ہم صحیح واقعات

کو نہیں سمجھ لیتے اس وقت تک کوئی اقدام نہیں کیا جاسکتا۔"

سلمیٰ کا رنگ پھیکا پڑتا دیکھ کر وہ خاموش ہو گیا سلمیٰ بڑے زہریلے انداز سے کراہی۔

"اور دیکھئے۔" سر سلطان نے اسے پھر مخاطب کیا۔ "آپ اب سن رہی ہیں۔؟"

"جی ہاں فرمائیے۔" سلمیٰ نے گردن اٹھا کر کہا۔

"میں اسی حالت میں آپ کی مدد کرنے کے قابل ہوسکوں گا جب آپ میری مدد کریں۔ مجھے خیالات یا امکانات کے علم کی ضرورت نہیں۔ میں اصل حقائق جاننا چاہتا ہوں ٹھوس واقعات ۔۔۔ کیا آپ اس سلسلے میں میری کچھ مدد کرسکیں گی۔؟"

اپنی کرسی سے اٹھ کر سیدھی کرتے ہوئے سلمیٰ نے لاپرواہی سے کہا۔ "جی ہاں میں آپ کو وہ ہر بات جو میں جانتی ہوں اور آپ جاننا چاہتے ہیں، بتلانے کے لئے تیار ہوں۔"

عارف نے محسوس کیا جیسے سلمیٰ چاروں طرف سے سر سلطان کے بظاہر نرم لیکن بہت اہم الفاظ کی رسیوں میں جکڑ گئی ہے۔

"اچھی بات ہے۔" بوڑھا جاسوس کمرے میں چاروں طرف ایک طائرانہ نظر ڈال کر بولا ۔۔۔ "میرا خیال ہے یہ آپ کا اور آپ کے شوہر کا مشترکہ کمرہ نہیں ہے۔؟"

"جی نہیں ۔۔۔" سلمیٰ نے جواب دیا۔ "انہیں شکایت تھی کہ میں اکثر سوتے ہوئے بڑبڑایا کرتی ہوں۔ ان کا کمرہ اس کے بازو میں ہے۔ آئیے میں آپ کو دکھلادوں۔"

لیکن اس کے انداز سے کسی دلچسپی کا اظہار نہ ہوتا تھا۔ وہ لوگ اس کی رہبری میں غسلخانے میں سے ہوتے ہوئے جیلم اختر کے کمرے میں جا پہنچے۔ سلمیٰ نے بٹن دبا کر بجلی کا بلب روشن کردیا۔ یہ کمرہ پیلی کوٹھی کی اور دوسری تمام خوابگاہوں سے قدرے مختلف تھا۔ اور مہمانوں کے کمروں کی بہ نسبت اس میں سامان آرائش بھی زیادہ تھا۔ شیشہ، ٹیبل، کپڑے

رکھنے کی الماریاں، چند کرسیاں، ایک شیلف اور زیادہ تر سامان ہلکے سبز رنگ کا تھا۔ دیواروں پر قلعی بھی اسی رنگ کی تھی۔ دیواروں کے اوپری حصہ میں بھاری بھاری اور کھدے فریموں کی کئی بہت سی تصویریں آویزاں تھیں جس نے کمرے کی دلکشی میں چنداں اضافہ نہ ہوتا تھا سر سلطان نے ادھر ادھر جھانکنا شروع کر دیا۔ ایک کونے میں غلاف میں ملفوف رائفل کھڑی تھی پہلے بڑھ کر میں نے اسے دیکھا۔ پھر کپڑوں کی الماری کھول کر اندر جھانکا۔ میز پر پڑے ہوئے کاغذات کا مطالعہ کیا۔ ان میں سے اکثر فلمی اور رومانی رسالے نکلے۔ پھر اس نے کمرے کی کھڑکیاں کھول ڈالیں۔ ایک کھڑکی کے سامنے بہت چھوٹی سی تنگ بالکنی تھی جہاں سے نیچے گراؤنڈ میں اترنے کے لئے پتھر کی چھوٹی چھوٹی سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔ سر سلطان نے بالکنی میں اتر کر فرش کا سرسری معائنہ کیا اور پھر سلمیٰ سلیم سے مخاطب ہو کر، جو غسلخانے کے دروازے پر کھڑی تھی، دریافت کیا۔

"اس کمرے کے نیچے کون سا کمرہ ہے مسز سلیم ۔۔؟"

"ہمارے نیچے کھانے کا کمرہ ہے سر سلطان ۔۔" سلمیٰ نے جواب دیا۔

"اچھا خیر ۔۔ اب ہم گذشتہ جمعرات کی رات سے چلتے ہیں۔ اور مسٹر سلیم ساڑھے سات بجے اپنے کمروں میں آئے تھے ۔۔۔ کیوں ۔۔؟"

"جی ہاں ۔۔"

"پھر اس کے بعد مسٹر سلیم نے کیا کیا ۔۔؟"

"انھوں نے غسل کیا اور پھر اپنے کپڑے تبدیل کرنے لگے۔"

"یہیں پر ۔۔"

"یہیں پر ۔۔؟"

"جی ہاں ۔ ان کا نوکر، جو یہی خدمات پر مامور تھا، زخمی ہو کر اسپتال میں پڑا ہوا تھا اس لئے میں نے ہی ان کا ڈنر سوٹ نکالا، قمیص میں بٹن لگائے اور جب وہ تقریباً اپنے نصف کپڑے پہن چکے تو....."

"جی ہاں تو اور کیا کیا آپ نے ۔۔۔؟"

"جی ۔ اور ۔ تو ان کے جوتوں کے بند باندھے ۔۔۔!"

"ارے ۔۔! کیا وہ اپنے جوتوں کے بند خود نہیں باندھ سکتے تھے ۔۔؟"

"جی نہیں ۔ وہ کہتے تھے کہ نیچے جھکنے میں انھیں تکلیف ہوتی ہے" اس نے ایک بار کپڑوں کی الماری پر نگاہ ڈالی اور اس کی آنکھوں میں آنسو جھلکنے لگے۔ میں ابھی بند ہی کس رہی تھی کہ کانچ چٹخ کر ٹوٹنے کی زوردار آواز سنائی دی۔ میں نے کہا آواز میرے کمرے سے آئی ہے، لیکن انھوں نے کہا نہیں، شاید وہ چینی لیمپ پھوٹ گیا جو ان کے کسی دوست نے تحفہ کے طور پر دیا تھا' ۔ وہ لیمپ اس نوجوان لیکن بیوقوف ڈاکٹر کے کمرے میں رکھا ہے" انھوں نے کہا۔ "ڈاکٹر عارف کی طرف دیکھ کر کملی نے معذرت طلب کی" معاف کیجئے ڈاکٹر صاحب! دراصل ان کا خیال تھا کہ آپ چونکہ ڈاکٹر بھی ہیں اور پولیس سے بھی تعلق رکھتے ہیں اس لئے آپ کی آمد سے پروفیسر کے ڈھونگ کی اصلیت معلوم ہو جائے گی لیکن آپ کی طرف سے انہیں مایوسی ہوئی اس لئے حالت غیظ میں اس قسم کے الفاظ انھوں نے کہہ ڈالے تھے۔ خیر۔ سر سلطان ۔۔! پھر وہ اپنی ڈریسنگ گاؤن پہن کر معاملے کی حقیقت جاننے کے لئے باہر چلے گئے۔ ایک منٹ کے بعد وہ واپس آئے اور انھوں نے بتلایا کہ "ڈاکٹر عارف اور مسز جیمز....."

وہ کچھ عجیب نظروں سے پھر عارف کی طرف دیکھ کر اور تھوڑی دیر جھجک کر بولی۔

"میں پھر آپ سے معافی کی خواستگار ہوں عارف صاحب! مجھے خیال نہیں رہ گیا تھا۔ خیر تو ان کی واپسی کے بعد ڈریسنگ گاؤن اتار کر میں نے انھیں قمیص پہننے میں مدد دی اس کے بعد انھوں نے مجھ سے کہا کہ تم بھی جا کر کپڑے تبدیل کرو ورنہ دیر ہو جائے گی'۔ انھوں نے کہا کہ 'تمہارے ہاتھ جوتے وغیرہ باندھنے کی وجہ سے گندے ہو گئے اس لئے میں اپنی ٹائی خود باندھ لوں گا'۔"

اس کے لبوں پر ایک افسردہ سی بے جان مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"پھر میں اپنے کمرے میں چلی گئی۔ چند سکنڈ تک ایسی آوازیں مجھے سنائی دیتی رہیں جیسے وہ کوٹ پر برش کر رہے ہوں۔ پھر انھوں نے مجھے پکار کر کہا کہ 'میں نیچے جا رہا ہوں' میں نے جواب دیا 'اچھا'۔ پھر میں نے دروازے کھلنے اور بند ہونے کی آوازیں سنیں۔ اسی وقت مجھے خیال آیا کہ انھوں نے مجھ سے رومالوں کے بارے میں کہا تھا۔ مجھے یاد نہیں آ رہا تھا کہ میں نے رومال کوٹ میں رکھے یا نہیں۔ لہٰذا میں نے ان سے دریافت کرنے کے لئے اپنے کمرے کا دروازہ کھولا اور اس کے بعد جو کچھ میں نے دیکھا وہ میں متعدد بار بیان کر چکی ہوں، کئی بار بیان کر چکی ہوں کیا آپ نے نہیں سنا۔ کیا میں پھر سے وہ ہولناک منظر بیان کروں۔ اُف میرے خدا۔۔!"

اس پر عجیب سی ہسٹریائی کیفیت طاری ہو گئی۔

"نہیں۔۔" سر سلطان کرسی سے اٹھ کر کمرے کے درمیان میں کھڑا ہو کر بولا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ کمر پر رکھ لئے۔ وہ کلی تسلیم کا بیان بڑے اطمینان اور غور سے سن رہا تھا۔ لیکن اس کے بھنچے ہوئے جبڑے اس کے حد درجہ متفکر ہونے کا ثبوت دے رہے تھے۔ اور اس کے چکنے سر سے لے کر پیشانی تک شکنوں کا طویل سلسلہ بھی اس بات کی چغلی کر رہا تھا۔ اس نے ناک سکوڑ کر ایک بار لمبا سانس کھینچی اور بولا۔

"ہوں ۔ عارف! میاں تو کبھی اب کام سے گیا۔ بڑھاپے نے ہر طرح معذور کر دیا ہے۔ نیچے جھکنے میں بھی تکلیف ہوتی ہے۔ خدا کسی فرمانبردار بیٹے کی طرح جھک کر اچھی طرح دیکھو تو یہ فرش پر سلمیٰ صاحبہ کے پیروں کے قریب اور وہاں پلنگ کے پاس دھبے کیسے پڑے ہیں ۔؟"

"یہ شاید ۔" ڈاکٹر عارف نے تعمیل کرتے ہوئے سیمنٹ کے فرش کو اچھی طرح دیکھ کر کہا۔ "موم کے دھبے ہیں ۔"

"موم کے دھبے ۔!" سر سلطان نے اپنی چمکدار ناک کا سرا داہنے ہاتھ سے رگڑتے ہوئے کہا ۔" اچھا ۔" اس کی نگاہیں گھوم کر ٹیبل پر رکھی ہوئی ان دو شمعدانوں پر جا پڑیں جن میں دو بڑی موم بتیاں چپکی ہوئی کھڑی تھیں ۔ وہ ٹیبل کے قریب گیا اور ان موم بتیوں کے اوپر سروں پر ہاتھ پھیر کر دیکھنے کے بعد بولا ۔" ٹھنڈی ہیں ۔ لیکن کسی نے انھیں جلایا تھا کیونکہ اوپر حصہ سلگا ہوا نظر آتا ہے ۔ کیا آپ نے انھیں سلگایا مسز سلیم ۔؟"

"بخدا، ہرگز نہیں!"

"شاید کبھی بجلی وغیرہ کی گڑبڑ ہو جانے پر جلانے کی ضرورت پڑی ہو ۔"

"جی نہیں مجھے پورا یقین ہے کہ میں نے انھیں نہیں جلایا ۔"

"لیکن کسی نے ایک موم بتیوں کو جلایا ضرور ہے ۔" سر سلطان نے اصرار کیا۔ "کیا آپ کو یہ بھی نہیں معلوم کہ انھیں کس نے جلایا تھا ۔؟"

"افسوس مجھے کچھ علم نہیں ہے ۔" سلمیٰ نے جلدی سے اپنے چہرے پر دونوں ہاتھ پھیر کر کہا۔ "میں ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں کا بہت کم خیال رکھتی ہوں ۔" "کیوں ۔ کیا آپ کو ان سے کوئی خاص بات معلوم ہوئی ہے ؟"

"میں صرف اس لئے معلوم کرنا چاہتا ہوں ۔" سر سلطان نے سنجیدگی سے کہا ۔" کہ یہ

چیز عجیب ہے۔ ضرور اس کی تہہ میں کوئی راز پوشیدہ ہے۔ "بلی کوٹھی" جیسے مقام پر، جہاں بجلی کے آلات اور قمقموں کی اتنی کثرت ہے کہ ان سے وہیں کا ایک ہال روشن کیا جا سکتا ہے، کوئی دور وحشی موم بتیاں لئے گھومتا پھرتا ہے اور ان دروازوں سے چند قدم کے فاصلے پر ایک شخص ایسی پراسرار موت کا شکار ہوتا ہے کہ مرنے کے وقت اس کے قریب کوئی نہیں ہوتا اور مرنے کے بعد اس کی موت کا سبب معلوم ہوتا ہے۔ میں قسم کھاتا ہوں کہ اس کی تہہ میں ضرور کوئی راز ہے۔"

وہ خاموش ہو گیا۔ کافی دیر تک کمرے میں سکوت رہا۔ پھر سلی سلیم نے اپنے چھوٹے چہرے پر سوالیہ نشان ابھار کر پوچھا۔ "کیا آپ نے اس جگہ کی تفتیش کر لی ہے؟"

"جی ہاں۔ میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ اب کوئی خاص بات نہیں رہ گئی ہے۔ میں اس جگہ اپنی تفتیش ختم کر چکا۔"

دلچسپ سی بے جان مسکراہٹ کے ساتھ سلی نے کہا۔ "تو آیئے میں اب اپنی کارروائی شروع کر دوں۔"

وہ لوگ اس کے پیچھے پیچھے چلتے ہوئے کمرے سے باہر نکل کر زینہ اور ہال طے کرنے کے بعد ڈرائنگ روم میں پہنچے۔ ڈاکٹر عارف کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ سلی کیا کرنے جا رہا ہے۔ وہاں ڈرائنگ روم کے ایک کونے میں میز کے قریب کرسی پر بیٹھا ہوا چیف انسپکٹر نیازی اپنی نوٹ بک میں جلدی جلدی کچھ لکھ رہا تھا اور ایم نیرہ زاہد اس کے قریب بیٹھا ہوا اسے دیکھ رہا تھا۔ سلی کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھ دونوں چونک گئے لیکن اس نے ان لوگوں کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ دوسرے کونے میں ایک چھوٹی سی خوبصورت میز پر ٹیلیفون سٹ رکھا ہوا تھا۔ اس کے قریب جا کر سلی نے ریسیور اٹھا لیا اور دوسرے ہاتھ سے ڈائل گھما کر نمبر ملانے لگی۔ اس وقت اس کے چہرے پر عجیب اثرات طاری تھے۔

اس وقت تک نیاز نوٹ بک وغیرہ چھوڑ کر اپنی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"معاف کیجئے" اس نے کہا۔ "اگر میں غلطی نہیں کرتا ہوں تو شاید آپ مسز سلیم ہیں۔ جی ہاں ذرا ٹھیرئیے اور ازراہِ مہربانی مجھے بتلائیے کہ آپ کیا کرنے جارہی ہیں ۔۔؟"

"کیا بات ہے انسپکٹر ۔۔؟" سلمٰی نے مسکرا کر پیچھے دیکھا۔ اس کے چہرے پر عظیم استقلال کی جھلک تھی۔ "آپ اتنا گھبراتے کیوں ہیں؟ میں ذرا ایک ٹرنک کال بمبئی کو کرنا چاہتی ہوں ۔۔" پھر وہ ریسیور منھ کے قریب لے کر بولی۔ "ہلو ایکسچینج ۔۔! ہاں میں نمبر تین ایک سے بول رہی ہوں۔ مہربانی کرکے ذرا لائن بمبئی سنٹرل نمبر نو، آٹھ، سات چھ سے ملا دو... ہاں ذرا جلدی کرو ۔۔ آں؟ کیا کہا ۔۔؟"

اس وقت تک نیاز سلمٰی کے قریب پہنچ چکا تھا اس نے ذرا زور سے کہا ۔۔۔

"میں نے آپ سے سوال کیا تھا مسز سلیم ۔۔ کہ آپ کیا کرنے جارہی ہیں ۔؟"

"اور میں جواب دے چکی ہوں کہ مجھے بمبئی ایک ٹرنک کال کرنا ہے۔ جاننا چاہتے ہیں آپ؟ کہ میں کس سے بات کرنا چاہتی ہوں ۔۔؟ اخبار 'کرائم رپورٹر' ڈیلی کے ایڈیٹر سے۔ شعبۂ ادب کے مدیر سے۔ میں نے اس اخبار کے لئے کچھ آرٹیکل لکھے تھے اس لئے شعبۂ ادب کے ایڈیٹر کو جانتی ہوں۔ اور اسٹاف کے کسی شخص سے میری پہچان نہیں ہے۔ بہرحال شعبۂ ادب کا مدیر مجھے بتلا دے گا کہ مجھے کس سے معاملات طے کرنا چاہئے اچھا ذرا معاف کیجئے گا ۔۔ ہلو کیا آپ 'کرائم رپورٹر' کے دفتر سے بول رہی ہیں؟ بہت اچھا۔ ذرا ازراہِ کرم مسٹر خاور کلیم کو بلا دیجئے ۔۔"

"مجھے افسوس ہے مسز سلیم ۔۔" چیف انسپکٹر نیاز نے معذرت چاہتے ہوئے ٹیلیفون کے ہک پر انگلی رکھ کر دبا دی اور کنکشن کٹ گیا۔

سلمیٰ سلیم نے جھلا کر ریسیور رسٹ پر رکھ دیا اور پیچھے پلٹ کر تیز لہجے میں بولی —
"مسٹر... کیا مقصد ہے آپ کا — ؟ کیا میں اپنے نجی مکان سے کسی کو فون بھی نہیں کر سکتی؟"

"بیشک آپ کر سکتی مسز سلیم —" نیاز مجسم انکسار بنتے ہوئے بولا۔ "لیکن پہلے آپ ہم لوگوں سے تو مشورہ کر لیجئے۔ ہم سیکرٹ سروس والے آپ کی خدمت کو حاضر ہوئے ہیں ہو سکتا ہے آپ کو اس پیغام کے سلسلے میں جو آپ "کرائم رپورٹر" کے کسی نمائندہ کو بھیجنا چاہتی ہیں، ہم کوئی نیک مشورہ آپ کو دے سکیں!"

سلمیٰ سلیم نے پھر جھپٹ کر ریسیور اٹھا لیا اور اسے سختی سے پکڑ کر سینے سے چپکاتے ہوئے بولی — "شاید آپ چیف انسپکٹر نیاز جعفری ہیں — ؟ بتلائیے جناب آپ اس سے زیادہ اور کس طرح میری توہین کر سکتے ہیں — ؟"

"اوہ — خدا کی پناہ — کیا آپ مجھ پر الزام دیتی ہیں کہ..."

"میں سارا الزام پروفیسر خلیب کو دیتی ہوں —" سلمیٰ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا "بیچارہ پہلے ہی شاید اس کی اصلیت سمجھ گیا تھا اور اسی لئے اس سے متنفر تھا یہ سارا کیا دھرا اسی کمبخت کا ہے۔ ورنہ تم میں کیا جرأت تھی کہ ایک باعزت عالی خاندان خاتون اور ایک مقبول ناول نگار کی اس طرح توہین کر سکتے —"

"کیا ٹیلیفون ذرا مجھے پکڑا دیں گی مسز سلیم — ؟ آہ — شکریہ، شکریہ۔ اب ٹھیک ہے —" نیاز نے فسٹ اور ریسیور اپنے قبضے میں کرتے ہوئے کہا۔ سلمیٰ کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ اس نے نظر گھما کر کمرے میں دیکھا۔ وہاں موجود تقریباً سبھی اشخاص اس کی مظلومیت پر ہمدردی محسوس کرتے نظر آئے۔

چیف انسپکٹر نے ریسیور رسٹ پر جما کر پھر ٹیبل پر رکھ دیا —

"لعنت ہو مجھ پر" ۔ سلمیٰ نے تقریباً روتے ہوئے التجا کی "خدا کے لئے مجھے ٹیلیفون کرنے دیجئے۔"

"مجھے افسوس ہے مسز سلیم ۔ !" مجھے واقعی سخت افسوس ہے لیکن میں مجبور ہوں "میں آپ سے دلی ہمدردی رکھتا ہوں ۔ چیف انسپکٹر نیاز نے اسے پھر روک کر کھڑکی کے باہر گھورتے ہوئے کہا ۔" لیکن آپ جو کچھ کرنے جا رہی ہیں اس کا یہ طریقہ نہیں ہے اور آپ کو فی الحال کسی اخبار کے نمائندے سے فون پر گفتگو کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی ۔"

میں کسی خاص شخص سے گفتگو کرنا نہیں چاہتی "سلمیٰ نے کہا۔ اب اس کی آواز بہت پرسکون ہو چکی تھی ۔" پروفیسر خطیب کا دعویٰ ہے وہ قوت ارادی اور خیالات کی لہروں کو کسی ٹھوس آلے کی طرح استعمال کر سکتا ہے میں اسے بالکل جھوٹا سمجھتی ہوں آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ میرا شوہر پوری طور پر صحت مند تھا اور کافی دولتمند بھی تھا۔ میں ذہن کرنے جا رہی ہوں جو کہ زندہ ہونے پر میرا خاوند کرتا ۔۔۔ وہ تمام عمر کسی شخص سے مرعوب یا خوفزدہ نہیں ہوا۔ اب وہ زندہ نہیں ہے تو میں چیلنج کرتی ہوں کہ پروفیسر خطیب بزعم خود اپنی اس پراسرار قوت کا استعمال مجھ پر کرے میں اس کے اس دعوے کو باطل ثابت کرنا چاہتی ہوں ۔ یہی بات میں کرائم رپورٹر کے ایڈیٹر خاور کلیم سے کہنا چاہتی تھی کہ پروفیسر خطیب کے تمام دعوے باطل ہیں ۔ وہ میری طرف سے اخبار میں اعلان شائع کر دے کہ میں پروفیسر خطیب کو چیلنج کرتی ہوں کہ وہ اپنے خیالات کی طاقت سے مجھے قتل کرنے کی کوشش کرے ۔ اگر وہ اس میں کامیاب ہوتا ہے تو میں آپ لوگوں کو وصیت کئے جاتی ہوں کہ میری تمام جائداد اور دولت کسی کار خیر کے ادارے کو خیرات میں دے دی جائے لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ مجھے

اپنے اس فرضی ہتھیار سے ہرگز قتل نہیں کر سکے گا۔ میں محض اس کا دعویٰ باطل ثابت کر کے اپنے مرحوم شوہر کی روح کو تسکین پہنچانا چاہتی تھی۔ خیر تم نے ابھی مجھے روک دیا چیف انسپکٹر۔ لیکن میں انہیں متنبہ کرتی ہوں کہ جیسے ہی مجھے موقع ملا، میں اپنا یہ اعلان ہندوستان بھر کے تمام اخبارات میں شائع کروا دوں گی۔ اب میری زندگی کی آخری خواہش یہی رہ گئی ہے جو پوری ہوگی۔ تم مجھے اپنے ارادے سے باز نہیں رکھ سکتے چیف انسپکٹر۔!

"سلمیٰ باجی۔!" ایم فیروز نے ایک قدم آگے بڑھ کر کہا۔ "ذرا محتاط ہو کر گفتگو کیجئے۔ یہ تمام بکواس کیا ہے۔؟ میں آپ سے التجا کرتا ہوں کہ احتیاط کو ہاتھ سے نہ چھوڑ بیٹھے۔"

"اوہ۔ سب بکواس ہے۔"

"میں کہتا ہوں کہ جذبات کی رو میں بہنے سے کوئی فائدہ نہیں باجی۔ آپ خود نہیں سمجھتیں کہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔؟"

"اور مجھے خوف ہے کہ آپ بھی ان کی بات کو سمجھ نہیں سکے ایم فیروز۔!" نیاز نے بارعب لہجے میں کہا۔ "لیڈیز اینڈ جنٹل مین!" اس نے اپنا گلا صاف کر کے ان لوگوں کو مخاطب کیا۔ اور ٹیلیفون سٹ پر احتیاطاً ہاتھ رکھ کر بولا۔ "میرے خیال میں مسز سلیم پر ہسٹریائی کیفیت طاری ہے۔ اور ایسی حالت میں کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ ہم انھیں کسی غلط اقدام سے باز رکھیں۔؟" حیدر اس نے سلمیٰ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"محترمہ۔! میں آپ سے التجا کرتا ہوں کہ ٹھنڈے دل سے بیٹھ کر سوچئے۔ کیوں نہیں آپ اس آرام کرسی پر بیٹھ جائیں اور پھر ہم سے اس تمام واقعہ پر گفتگو کیجئے، جس صبیحہ باورچی خانے میں کھانا پکانے کے لئے چلی گئی ہیں اور جب تک کھانا تیار ہو، میں آپ کو بھی صلاح دوں گا کہ

اس وقت تک ، ان تمام معاملات پر روشنی ڈال کر ہمیں کچھ سمجھنے کا موقع دیجئے ۔"

" ویسے مجھے آپ کے کسی حکم سے اعتراض نہیں ہے ۔" سلمیٰ نے کچھ نرم پڑتے ہوئے جواب دیا " لیکن یہ امر طے شدہ ہے کہ آپ مجھے میرے ارادے سے باز نہیں رکھ سکتے ۔"

چیف انسپکٹر نے ہنس کر کہا ۔

" اور میں کہتا ہوں کہ آپ کو اس پروفیسر خطیب کے بارے میں پریشان ہونے کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے ۔ آپ اسے مکار اور دروغ گو ثابت کرنا چاہتی ہیں نا ۔ ؟ بخدا ہم لوگ پہلے ہی سے اس کے دعووں کو قطعاً باطل سمجھتے ہیں ۔"

سلمیٰ نے کہا ۔" لیکن واقعی آپ لوگوں کا یہ خیال ہے ؟"

" خدا آپ کا بھلا کرے ۔" چیف انسپکٹر نے مسکرا کر سلمیٰ کی طرف دیکھا ۔" اور کہا آپ سمجھتی ہیں کہ ہم لوگ یہاں جھک مارنے آئے ہیں ۔ شروع ہی سے ہم لوگ اسے جھوٹا ثابت کرنے کی کوشش میں ہیں ۔"

اسی وقت کھڑکی کے باہر سے ، رتیلی روش پر کسی کے قدموں تلے دب کر ریت کے چرمرانے کی آواز پیدا ہوئی ، ڈاکٹر عارف نے بھی ، جو کھڑکی کے نزدیک تر تھا ۔ واضح طور پر یہ آواز سنی ، لیکن اس نے اِدھر اُدھر دیکھ کر کسی پر اس کا اظہار کرنا مناسب نہ سمجھا چیف انسپکٹر نیاز ، سلمیٰ کو سمجھانے میں مصروف تھا ۔" اور کسی حد تک ہم لوگوں کو کامیابی بھی حاصل ہوئی ہے مسز سلیم ۔" نیاز بولا ۔" میں نے لوگوں کے ، خصوصاً مسٹر صبیح اور مسز فیروز وغیرہ کے بیانات سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ جب لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ پروفیسر خطیب ، بغیر ان کے بتلائے ہوئے ، ان کے دلی خیالات معلوم کرکے بیان کر دیتا ہے ، اس وقت وہ محض قبل ازاں حاصل کردہ معلومات بیان کر رہا ہوتا ہے ۔"

"معاف کیجئے ۔۔" ایم فیروز نے اُسے درمیان میں ٹوک دیا ۔" کم از کم میں نے اپنے بیان میں تو یہ بات نہیں کہی جو آپ مجھ سے منسوب کر رہے ہیں نیاز صاحب!"

"آپ اپنا کام دیکھئے فیروز صاحب!" نیاز نے جواب میں کہا ۔" بیانات دینا آپکا کام تھا اور اس سے کوئی نتیجہ اخذ کرنا ہمارا کام ہے ۔۔"

"تو کیا آپ واقعی یہ یقین دلانا چاہتے ہیں ۔۔" سلمیٰ نے متعجب ہو کر پوچھا ۔" کہ اس کے دوسرے دعووں کی طرح یہ دعویٰ بھی غلط تھا کہ وہ لوگوں کے دلی خیالات معلوم کرنے کی طاقت رکھتا ہے؟"

"جی ۔۔ اس کا یہ دعویٰ بھی قطعاً غلط تھا مسز سلیم ۔۔" چیف انسپکٹر نے بڑے اطمینان سے جواب دیا ۔ اور فاخرانہ انداز میں سر سلطان کی طرف دیکھا جو اس تمام عرصے میں بالکل خاموش کھڑا سنتا رہا تھا ۔" آپ نے یہ تمام حالات سنے ہوں گے صدیقی صاحب! گو کہ مجھے تسلیم ہے کہ خطیب نے میرے بارے میں بھی ایک بالکل سچ بات آج صبح ہوٹل میں بتلائی تھی کہ میں اپنے بچے کی بیماری کی وجہ سے متفکر ہوں ۔ اس نے وہ تمام خیالات جو میرے دل میں بچے کی بیماری کی وجہ سے جگر لگار ہے تھے، بتلا دیئے تھے اور یہ بھی بتلایا تھا کہ اس کا آپریشن کل ہونے والا ہے ۔ میں اس بارے میں بھی تفتیش کر رہا ہوں کہ اسے میں اندرونی حالات کا علم کس طرح ہوا؟

اس سلسلے میں خود بھی ایک مقالہ پریس والوں کو بھیجنے کا ارادہ رکھتا ہوں جو کہ پروفیسر خطیب کے تمام دعووں کو باطل ثابت کر دے گا ۔ لیکن جہاں تک آپ کے چیلنج کا تعلق ہے ۔۔" اس نے سلمیٰ کی طرف دیکھ کر کہا ۔" آپ اسے اخباروں میں شائع کرائیں یا نہ کرائیں اس سے کوئی اثر نہیں پڑے گا ۔ پروفیسر خطیب اپنی قوت ارادی سے خیالات کی لہر دل

سے کسی انسان کو تو کجا، ایک معمولی کھجگے تک کو نہیں مار سکتا۔ اگر وہ کسی مناسب مادی طاقت کے بغیر کسی کو جان سے مار سکے تو بخدا میں استعفیٰ پیش کرنے کو تیار ہوں ــــ"

"سنئے ــــ!" ایم فیروز نے بھنچی ہوئی آواز میں کہا اور سب اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ کمرے میں اتنی گہری خاموشی طاری ہو گئی کہ وہ آواز بھی جو فیروز اپنی جیب میں کنجیاں کھنکھنانے سے پیدا کر رہا تھا، سب کو صاف سنائی دی۔ اور اسی وقت باہر رتیلی روش پر کسی کے قدموں سے ریت چرمرانے کی آواز بھی سب نے سن لی۔ فیروز لپک کر کھڑکی کے پاس گیا اور دونوں پٹ کھول دیئے۔ عارف نے باہر دیکھا۔ آسمان صاف تھا اور ستارے نکل آئے تھے۔ رات تاریک تھی اور ہوا ساکت تھی۔ گو کہ روش ایک دم خالی تھی، لیکن تھوڑی دور پر درختوں کے نیچے تاریکی میں ایک سایہ حرکت کرتا ہوا نظر آیا۔ ایم فیروز نے پلٹ کر کہا ــــ

"یقیناً یہ پروفیسر خطیب تھا۔ شاید وہ اس اثناء میں ہم لوگوں کے درمیان ہونے والی گفتگو کا ایک ایک لفظ سنتا رہا ہے!"

(۱۱)

اس وقت ڈاکٹر عارف کی رصد گاہ پر رات کے سوا نو بج رہے تھے۔

صبح ناشتے کے لئے اور تمام چیزیں تو تیار ہیں ــــ" مس صبیحہ نے ڈاکٹر عارف سے کہا ــــ " باورچی خانے کی داہنی طرف نعمت خانے میں، کیک اور پیسٹریاں رکھی ہوئی ہیں اور میں نے حلوہ بھی تیار کر کے اس میں رکھ دیا ہے۔ اب صرف تم کو صبح اٹھ کر چاء تیار کرنا پڑے گی

"ٹھیک ہے ۔" عارف نے جواب دیا ۔" پہلے بھی کئی بار مجھے اپنا ناشتہ وغیرہ خود تیار کرنا پڑا ہے ۔ اور میں اپنے ہاتھ جلا چکا ہوں ۔ ایک تجربہ اور سہی ۔ سچ کہتا ہوں صبیحہ ۔ بس صرف یہی کھانا پکانے والی ایک بات ہے جس سے میں عورت کو خدا کی سب سے بڑی نعمت سمجھتا ہوں ۔ بس اب تم مجھے یہ اور بتلاتی جاؤ کہ انڈے اور فرائی پان کس جگہ رکھے ہیں ۔ کیونکہ ان کے بغیر میں ناشتہ کا ایک لقمہ نہیں اٹھا سکوں گا ۔"

"وہ بھی آپ کو یاد رہنا چاہئے میاں جی ۔ الماری کے اندر رکھی ہوئی ٹوکری میں مل جائیں گے فرائی پان چولہے کے اوپر کھونٹی پر ٹنگا ہے ۔" صبیحہ نے مسکرا کر جواب دیا

وہ لوگ کھانا کھا چکے تھے ۔ باہر سے پولیس کار کے انجن کی کھڑکھڑاہٹ کی آواز اندر آ رہی تھی ۔ وہ دونوں اس وقت ڈرائنگ روم میں کھڑے ہوئے تھے ۔ صبیحہ کا ہینڈ بیگ قریب ہی رکھا ہوا تھا ۔ اس نے ایک بار عارف کو دیکھا اور بولی ۔

"مجھے خود افسوس ہے کہ ایک اشد ضروری کام یاد آنے کی وجہ سے اچانک مجھے تم سے رخصت ہونا پڑ رہا ہے ۔ مسز سلطان اور نیاز صاحب بھی واپس جا رہے ہیں ۔ اب تم اور مسز سلیم مکان میں اکیلے رہیں گے ۔ ذرا ان کا خیال رکھنا ۔"

"اوہ ۔ !" ڈاکٹر عارف نے جواب دیا ۔" تم سلمیٰ کی طرف سے بے فکر رہو ۔ وہ نیند لانے کی دو گولیاں کھا کر اپنے کمرے میں لیٹ چکی ہیں اور اب شاید کل صبح نو بجے سے پہلے ان کی آنکھ نہیں کھلے گی ۔ کوئی خطرے کی بات بھی نہیں ہے ۔ پروفیسر خطیب بھی کوٹھی سے منتقل ہو ہی گیا ہے ، جیسا کہ آج اس کے کھانے پر موجود نہ ہونے سے ظاہر ہے ۔ اور ایم فیروز کو بھی ایسے ہی موقع پر یاد آنا تھا کہ اسے بیرسٹروں کی ایک میٹنگ میں شرکت کرنا ہے ۔"

"ایم فیروز ۔ !" صبیحہ نے ہنس کر کہا ۔" میرے خیال میں وہ میٹنگ میں شرکت

کی غرض سے نہیں بکہ اس ڈر سے بھاگ رہا ہے کہ کہیں اسے یہاں رہ کر برتن نہ مانجھنا پڑے
دراصل آج کھانے کے بعد میں نے مذاقاً اس سے کہا تھا کہ ذرا برتن مانجھنے میں مجھے مدد دے
وہ اس بری طرح سے شرمایا اور گھبرایا۔ جیسے اسے پہاڑ پر سے چھلانگ لگانے کے لئے کہہ
دیا ہو۔ مجھے خود افسوس ہے کہ تمھیں کھانا تیار کرنے والی علت میں مبتلا کر کے میں بھی چلی
جا رہی ہوں۔ لیکن مجبوری ہے — ہاں مجھے یہ سوچ کر کچھ خوف آتا ہے کہ کہیں رات کو
پروفیسر خطیب واپس نہ آجائے۔ اس کے کھانے پر نہ آنے سے یقینی طور پر تو کہا نہیں جا سکتا۔
کہ اس نے "پیلی کوٹھی" سے اپنا قیام ترک کر دیا ہو کیا تم سلمیٰ باجی اور پروفیسر خطیب کے ساتھ اس
مکان میں اکیلے رہ سکو گے — ؟"

"ارے تم فکر نہ کرو —" ڈاکٹر عارف بولا —" میں خطیب سے نپٹ سکتا ہوں۔"
گو ڈاکٹر عارف کی خواہش نہ تھی کہ صبیحہ یوں اچانک چلی جائے۔ اور صبیحہ کے انداز سے بھی تاسف
جھلکتا تھا۔ عارف نے سوچا کہ ضرور وہ کوئی ایسا ہی ضروری کام ہوگا جو لڑکی کو اس جگہ سے
مجبوراً جدا ہونا پڑ رہا ہے۔ وہ اس وقت ہلکے سرمئی رنگ کے ریشمی پنجابی سوٹ میں ملبوس تھی
اور اس پر بنفشئی ڈوپٹہ اور کھل رہا تھا اس کے چہرے پر ہلکا سا غازہ تھا جو دلکشی میں اور
اضافہ کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر تک وہ ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر تکتے رہے
پھر صبیحہ نے جھک کر اپنا ہینڈ بیگ اٹھایا اور بھرائی ہوئی آواز میں بولی —
"اچھا — خدا حافظ! تمھارے ساتھ یہ چند دن، جو میں نے گزارے، عمر بھر یاد
رہیں گے —"

"ہاں —" عارف نے ہینڈ بیگ اس کے ہاتھ سے خود لے کر کہا —" آئے تھے تفریح
کی غرض سے، لیکن کن جھ[illegible] میں پڑ گئے —"

وہ دونوں آہستہ آہستہ چلتے ہوئے باہر کی طرف بڑھے۔ دروازے کے قریب پہنچکر صبورا رک گئی۔ "مجھے تم کو اکیلے چھوڑتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔ کہیں کوئی بات ...."

"اوہو!" ڈاکٹر نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ "تم مجھے شیروں کے پنجرے میں چھوڑ کر تو جا نہیں رہی ہو کہ مجھے پھر دوسرا دن دیکھنا نصیب نہ ہوگا۔ میں یہاں بالکل محفوظ ہوں۔ علاوہ ازیں یہاں میں ہر طرح کا سامان تفریح موجود ہے۔ ایک اچھی لائبریری بھی موجود ہے، جس کو وقت کی کمی کی وجہ سے میں اب تک دیکھ نہیں سکا۔ لیکن کل کی رات کو تم واپس آنے کا وعدہ کر رہی ہو۔ بے فکر ہو کر رخصت ہو۔ میں تب تک ان چیزوں سے دل بہلاؤں گا۔"

وہ کچھ مطمئن نظر آنے لگی۔ دونوں باہر نکل آئے۔ پولیس کار سے کچھ دوری پر سر سلطان اور چیف انسپکٹر نیاز کھڑے ہوئے تھے۔ سر سلطان نے کہا۔

"صبورا! تم پولیس کار پر بیٹھ جاؤ۔ نیاز تمہیں اسٹیشن تک چھوڑ آئیں گے۔ جلدی کرو۔" وہ چند قدم کے فاصلے پر کھڑی ہوئی پولیس کار میں جاکر بیٹھ گئی۔ ڈاکٹر عارف نے اپنی آواز دبا کر کہا۔ "رخصت سے قبل کیا میں آپ لوگوں سے ایک سوال دریافت کر سکتا ہوں۔"

"کیا سوال عارف۔؟" چیف انسپکٹر نے حیران ہو کر کہا۔ "بیشک پوچھو۔"

"آپ لوگ اس کے بارے میں کیا کرنے جا رہے ہیں۔؟"

"کس کے بارے میں۔؟"

"سلمیٰ سلیم کے لئے۔" ڈاکٹر عارف نے وضاحت کی۔ "آپ لوگوں کی رائے میں اسے کسی قسم کا کوئی خطرہ تو درپیش نہیں ہے۔؟"

اُسے ان لوگوں سے، جنہیں اب تک وہ اپنا گہرا دوست سمجھتا آیا تھا۔ اس قسم کے برتاؤ

کہ قطعاً امید نہیں تھی۔ سر سلطان گردن گھما کر اس طرح دوسری طرف دیکھنے لگا جیسے اس معاملے سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ یہ وہ شخص تھا جس پر عارف کو پورا پورا اعتماد تھا، اور چیف انسپکٹر نیاز ۔۔۔ وہ بھی ڈاکٹر کو اپنا سوال ٹالنے کی کوشش کرتا نظر آیا ۔۔۔

"کیسا خطرہ عارف؟" اس نے تجاہل عارفانہ برتتے ہوئے کہا۔ "اسے کس کی طرف سے خطرہ ہوسکتا ہے؟" عارف نے اپنے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔

"میرا اشارہ پروفیسر خطیب کی طرف تھا۔ میرے خیال میں تو ابھی تم اس کے کیریکٹر کو سمجھ ہی نہیں پائے۔ میں کچھ نہیں جانتا کہ وہ خیالات کی لہروں سے کسی کو قتل کرتا ہے یا کسی اور طرح۔ لیکن یہ تسلیم شدہ بات ہے کہ وہ قتل کرسکتا ہے۔ اور تم سلمیٰ سلیم کا چیلنج بھی سن چکے ہو۔۔۔؟"

"ہاں میں اس کا چیلنج سن چکا ہوں۔۔۔" زہر خند کرتے ہوئے چیف انسپکٹر نے جواب دیا۔۔۔ "اور کیا تم نے اس گڈریئے کی کہانی نہیں سنی جو 'بھیڑیا' 'بھیڑیا' چلا کر لوگوں کو بے وقوف بنایا کرتا تھا۔۔۔؟"

"میں نے وہ کہانی کئی بار سنی ہے۔" ڈاکٹر عارف نے بھی زہر خند کیا۔ "پھر کیا تمہیں نہیں معلوم کہ آخر میں بھیڑیا آیا اور گڈریئے کو کھا گیا۔۔۔!؟"

"بہر حال۔۔۔" چیف انسپکٹر نے اطمینان سے جواب دیا۔۔۔ "مجھے تو فی الحال سلمیٰ کے لئے کوئی خطرہ نظر نہیں آتا۔ نہ ہی میں تمہیں فکر مند ہونے کی صلاح دیتا ہوں اگر میں تمہاری جگہ ہوتا تو سب کچھ بھول کر آرام سے سورہا ہوتا۔"

ڈاکٹر عارف تھوڑی دیر تک خاموشی کے ساتھ اسے دیکھتا رہا پھر بولا۔۔۔ "اور اگر

پروفیسر خطیب واپس آگیا تو ۔۔۔ ؟"

"وہ واپس نہیں آئے گا عارف ۔۔۔ !" سر سلطان نے بھاری آواز میں کہا۔ "جب تم ڈرائنگ روم میں گپیں اڑا رہے تھے، اس وقت میں اس کا کمرہ دیکھ آیا ہوں وہاں اب خطیب کا کوئی سامان باقی نہیں ہے۔ ہم لوگوں کی لاعلمی میں، جب ہم کھانے میں مصروف تھے، وہ اپنا سامان لے کر چلتا بنا ۔۔۔ وہ ہم لوگوں کے نام ایک پیغام بھی اپنے پیچھے میز پر چھوڑ گیا تھا ۔۔۔ نیاز وہ رقعہ عارف کو دکھلا کیوں نہیں دیتے۔!"

اپنی نوٹ بک نکال کر چیف انسپکٹر نے اس میں سے تہہ کیا ہوا ایک کاغذ تلاش کیا جس پر چھوٹے چھوٹے صاف حرفوں میں لکھا ہوا تھا ۔۔۔

" افسران پولیس کے نام!

مجھے افسوس ہے از راہ احتیاط، تاکہ بعد میں میرے اوپر کسی قسم کا الزام عائد نہ کیا جا سکے، میں "بیلی کوٹھی" میں اب اپنا قیام رکھنا مناسب نہیں سمجھتا۔ اور یہ سوچتے ہوئے کہ کہیں مجھ پر قانون سے بھاگنے کا شک نہ کیا جائے میں یہ بھی ظاہر کر دینا چاہتا ہوں کہ اب میرا قیام "نشاط ریسٹورانٹ" میں رہے گا جہاں آج صبح میری ملاقات چیف انسپکٹر سے ہوئی تھی۔ کیونکہ شہر میں اس کے علاوہ اور کسی ہوٹل میں مناسب قیام کا انتظام نہیں ہے۔ بوقت ضرورت مجھ سے وہیں ملاقات کی جا سکتی ہے۔

مخلص :۔ پروفیسر خطیب

خط پڑھ کر ڈاکٹر عارف نے محسوس کیا کہ وہ ان لوگوں کے لئے باعث اطمینان بھی ثابت ہو سکتا ہے اور مستقبل میں خوف و ہراس کا باعث بھی ہو سکتا ہے۔ اس نے رقعہ نیاز کو واپس

کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن سلمیٰ سلیم ....."

"اور ہو سنو عارف! سر سلطان نے اپنی مخصوص آواز میں کہا۔ "مجھے یہ کہتے ہوئے افسوس ہے، اور تم نے خود بھی محسوس کیا ہوگا کہ سلمیٰ سلیم نے ہم لوگوں سے بے حد غلط بیانی کی ہے اور متعدد باتیں جھوٹی بتلائی ہیں۔"

معلوم نہیں کیوں عارف کو سر سلطان کی یہ بات بُری معلوم ہوئی۔ سر سلطان نے بھی اس کے دلی خیالات کو محسوس کرتے ہوئے کہا۔

"شاید تم جاننا چاہو گے کہ اس نے کون سی غلط بیانیاں کی ہیں۔؟"

"جی ہاں سر سلطان ۔۔۔"

"اچھی بات ہے۔ سنو برخوردار۔" سر سلطان نے اپنے دونوں ہاتھ گدی کے پیچھے باندھتے ہوئے کہا۔ "ذرا اپنا خیال اس واقعہ کی طرف مرکوز کرو جو سلیم کی موت سے پندرہ منٹ قبل ظہور پذیر ہوا تھا۔ جب سلیم اختر نے تمہارے کمرے میں لیمپ کے پھوٹنے کی آواز سنی اور تمہارے پاس دریافت حال کیلئے آیا تھا اس بارے میں چار دو اشخاص کے بیان ہیں۔ پہلا ایم فیروز کا بیان اور دوسرا سلمیٰ سلیم کا۔ فیروز نے دیکھا کہ لیمپ ٹوٹنے کی آواز پر سلیم اپنے کمرے سے ڈریسنگ گاؤن پہنے ہوئے پیروں میں سلیپر گھسیٹتا ہوا باہر نکلا تھا اور تمہارے کمرے کی طرف گیا تھا۔ ہم جانتے ہیں کہ جلدی میں چلتے ہوئے ربڑ کی سلیپروں کو پیروں میں پھنسائے رکھنا ذرا مشکل ہوتا ہے۔"

"درست ہے۔" عارف نے کہا حالانکہ وہ سمجھ گیا تھا کہ آگے کیا کہا جانے والا ہے۔

"اور سلمیٰ سلیم کیا کہتی ہے؟" سر سلطان نے کہا۔ "اس کا بیان ہے جب سلیم اختر لیمپ پھوٹنے کا سبب معلوم کرنے گیا تھا تو وہ اس کے جوتوں کے بند باندھ چکی تھی۔

یعنی اس کے کہنے کے مطابق سلیم اختر جوتے پہن کر اپنے کمرے سے نکلا تھا۔ اب ہمارے سامنے دو مختلف بیانات ہیں اور ان میں سے کوئی ایک غلط ہے۔ اور مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ میں سلمیٰ سلیم کے بیان کو جھوٹا سمجھتا ہوں۔"

"کیوں ۔۔ کیا ایم فیروز کا بیان جھوٹا نہیں ہو سکتا ۔۔؟"

سر سلطان نے اپنی چکنی چندیا پر ہاتھ پھیر کر لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا ۔۔

"نہیں۔ میرے پیارے عارف! میں جھوٹ بولنے والوں کی رگ رگ سے واقف ہوں خصوصاً جب میں نے انہیں اپنے سامنے باتیں کرتے ہوئے دیکھا ہو۔ سلمیٰ سلیم اس فن کی استاد تو نہیں ہے بہرحال اس نے ہم سے جھوٹ بولا ہے۔ مجھ سے ثبوت مت طلب کرو۔ تم نے خود بھی تو دروازہ کھول کر بہت قریب سے سلیم سے گفتگو کی تھی۔ تم ہی بتاؤ۔ کیا وہ اس وقت اپنی سلیپر پہنے ہوئے تھا؟ یا اس کے پیروں میں جوتے تھے؟"

اس وقت تک ڈاکٹر عارف نے اس طرف دھیان نہیں دیا تھا۔ نہ ہی اسے اس سلسلے میں کچھ یاد تھا۔ لیکن ذہن پر ذرا سا زور دینے سے وہ منظر دوبارہ اس کی آنکھوں کے سامنے گھوم گیا۔ جب سلیم اختر اس کے کمرے کے دروازے پر گاؤن لپیٹے ہوئے پیروں میں سلیپریں پہنے جھنجلایا ہوا کھڑا تھا۔

"جی ہاں۔ وہ سلیپریں ہی پہنے تھا ۔۔" ڈاکٹر عارف نے تسلیم کیا۔

"اوہو ۔۔ تو پھر سلمیٰ سلیم ہم سے جھوٹ بول رہی تھی۔" سر سلطان نے ہنس کر گنگنایا ۔۔ اور اب جھوٹ نمبر دو بھی سنو۔ تم نے آج شام کو اسے قسم کھا کر کہتے ہوئے سنا ہے کہ وہ ان موم بتیوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتی جنہیں کسی نے اس کے شوہر کی خوابگاہ میں جلایا تھا ۔۔ "کیا یہ وہی خود نہیں ہو سکتی جو موم بتیاں روشن کر کے وہاں گھوم چکی ہے؟

ممکن ہے اس وقت تم نے خیال نہ کیا ہو، لیکن میری توجہ اس طرف منعطف ہوتے دیکھ کر وہ بری طرح گھبرا گئی تھی۔ لیکن خیر۔ ہم اس سوال پر اس کی گھبراہٹ کو بھی نظر انداز کئے دیتے ہیں۔ اب کیا ثبوت ہے کہ وہی تھی جس نے ان موم بتیوں کو روشن کیا تھا ــــ؟ پوچھو دوست پوچھو ــــ؟ سر سلطان نے مسکرا کر کہا۔

"جی ہاں بتلائیے نا ــــ؟" عارف کو دریافت کرنا پڑا ــــ

"تمہارے بیان کے مطابق وہ جمعہ کی رات کو اپنے شوہر کی موت کے وقت گلابی رنگ کی ایک میلی ریشمی ڈریسنگ گاؤن پہنے تھی نا ــــ؟"

"جی ہاں ــ عارف نے تسلیم کیا۔

"تو میں نے اور چیف انسپکٹر نے پوشیدہ طور پر اس کی جانچ کی ہے۔ اور ہمیں اس کی دائیں آستین پر موم کی چند جمی ہوئی بوندیں نظر آئی تھیں۔ جو شاید اس کا ہاتھ کانپنے کی وجہ سے موم بتی سے ٹپک گئی ہوں گی ــــ"

ڈاکٹر عارف نے اس سلسلے میں کوئی اور سوال نہیں کیا کیونکہ اسے وہ منظر یاد آ گیا جب سلیم کی موت کے بعد وہ سلمیٰ کو اس کی خوابگاہ میں لے گیا تھا اور اس وقت اسکی نگاہ بھی آستین پر پڑے ہوئے ان دھبوں پر پڑ چکی تھی۔

"کیوں اب تمہیں اس کے دروغ گو ہونے کا یقین آیا ــــ؟" سر سلطان نے پوچھا عارف خاموش کھڑا رہا۔ سر سلطان نے پھر کہا ــ

"علاوہ ازیں ہمارے سامنے اس یادداشت کی نوٹ بک کا سوال آتا ہے جس پر "قتل کے نئے طریقے" لکھا ہوا تھا اور جس کے بارے میں سلمیٰ کہتی ہے کہ اسے اس نے جلا دیا ہے۔ تم وہ نوٹ بک دیکھ چکے ہو۔ چمڑے کی جلد والی ایک موٹی نوٹ بک جس پر

کوئی نشان چھوڑے ہوئے اسی وقت مکمل طور پر جل سکتی ہے جبکہ اسے کسی تیز شعلے میں جلایا جائے۔ "بلی کوٹھی" میں ایسی کوئی چیز نہیں۔ بقیہ تمام ممکن مقامات پر ہم دیکھ چکے ہیں۔ چولھوں وغیرہ کے پاس کہیں ایسی علامت نہیں پائی جاتی جس سے معلوم ہو کہ اس میں چمڑے کی جلد والی کوئی موٹی نوٹ بک جلائی گئی ہے۔ لہذا اس کا یہ کہنا بھی بالکل غلط ہے۔ فی الحال اسے آرام سے پڑی ہونے دو اور....."

سر سلطان ڈرامائی انداز میں چپ ہوگیا۔

"اور کیا ——؟" ڈاکٹر عارف نے بے چینی سے پوچھا ——

"اور اس وقت کا انتظار کرو۔ جب ہمارے پاس ثبوت ہوں گے اور ہم اسے قتل کے جرم میں انڈمان بھجوا سکیں گے!"

فرطِ حیرت سے عارف کی آنکھیں باہر نکل آئیں۔

"سب جھوٹ ہے۔ یہ محض آپ لوگوں کے تخیل کی پرواز ہے۔" اس نے گھبرا کر کہا۔

"بیشک ابھی تو یہ محض ایک خیال ہے۔" سر سلطان نے تسلیم کیا۔

"صرف اتنی سی بات پر کہ سلیم اختر جوتے پہنے ہوئے تھا اور للی نے کہا کہ وہ سلیپر پہنے تھا۔ یا اس نے دو موم بتیاں روشن کیں لیکن بیان دیا کہ اس نے موم بتیاں نہیں جلائیں اس کے اوپر سلیم کے قتل کی ذمہ داری نہیں عاید کی جا سکتی۔" عارف نے جوش میں آتے ہوئے کہا۔

"ذرا آہستہ گفتگو کرو عارف! اس جیسی کو کوئی بات نہیں معلوم ہونی چاہئے۔" سر سلطان نے تنبیہہ کی۔ "رہی بات سلیم کے قتل کی۔ تو اکثر میں نے اسی قسم کے حقیر سراغوں سے قاتل کو کیفرِ کردار تک پہنچایا ہے۔"

"اور پھر۔" عارف نے اپنی آواز دبانے کی کوشش کرتے ہوئے پوچھا۔ "کیا

سلیم کی موت پر سلمیٰ کا زور زور سے چیخنا، بری طرح اثر لینا اور رونا دھونا اور اس کے بعد آج پروفیسر خطیب کو چیلنج کرنے کی کوشش کرنا ۔۔۔ کیا آپ ان سب باتوں کو اس کی ایکٹنگ سمجھتے ہیں ۔۔۔؟"

"لیکن تم دیکھ چکے ہو عارف ۔۔" زہریلے انداز میں مسکراتے ہوئے چیف انسپکٹر نے مداخلت کی ۔۔" سلمیٰ کیسی آسانی سے اخبار میں اپنا چیلنج نہ بھیجنے پر رضامند ہو گئی تھی۔"

"تمہارا خیال غلط ہے ۔" عارف نے جھنجھلا کر کہا ۔

"بہرحال ہر شخص کو اپنے طور پر سوچنے کی آزادی حاصل ہے ۔" نیاز نے اطمینان سے کہا اور اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی دیکھی ۔" اب میں اور سرسلطان رخصت ہوتے ہیں۔ پہلے میں صبیحہ کو اسٹیشن پر چھوڑنے جاؤں گا اور وہاں سے پلٹ کر "نشاط ریسٹورانٹ" میں جا کر معلوم کروں گا کہ کیا واقعی پروفیسر خطیب وہاں مقیم ہے ۔۔۔؟"

"پھر بھی سلمیٰ خطرے میں ہے ۔۔"

"تم جو یہاں موجود ہو عارف ۔۔" چیف انسپکٹر نے جواب دیا ۔" اگر یہی خیال ہے تو ذرا ہوشیار رہ کر اس کی حفاظت کا دھیان رکھنا ۔۔۔ اچھا شب بخیر ۔۔۔!"

نیاز نے سرسلطان کی طرف دیکھا اور وہ اپنا کوٹ درست کرتا ہوا دو قدم اسی کے ساتھ چلا پھر اچانک ٹھہر کر کہنے لگے ۔۔۔

"سنو نیاز ! فرض کر دو ڈاکٹر عارف ہی کا خیال درست ہو۔ تب ۔۔۔؟"

"چلئے بھی سرسلطان ۔۔۔" چیف انسپکٹر نے جھنجھلا کر کہا ۔" کیا ہم اس معاملے پہ پوری تندہی سے غور نہیں کر چکے ۔۔۔؟"

"وہ تو ٹھیک ہے۔" سر سلطان نے متفکرانہ انداز میں جواب دیا۔ "پھر بھی اس سلسلے میں ڈاکٹر عارف کا مطمئن کر دینا میں مناسب سمجھتا ہوں۔"

"جیسی آپ کی مرضی۔ لیکن اس جگہ کھڑے ہو کر سرگوشیاں کرنا میرے خیال میں درست نہیں ہے۔" اس نے آواز بلند کر کے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔ "ٹھہریئے گا مسٹر جیسیمہ۔ ابھی تو آپ کی گاڑی میں دیر ہے۔ آپ کار میں ہی بیٹھیے۔ ہم لوگ ابھی آتے ہیں۔" پھر ان لوگوں کی طرف مڑ کر کہا۔

"آئیے ہال میں چل کر گفتگو کریں۔"

وہ سیڑھیاں چڑھ کر ہال میں آ گئے۔ نیاز نے دروازہ بند کر کے پیچھے پلٹتے ہوئے ادھر اُدھر دیکھا اور کہا۔

"سنو ڈاکٹر عارف! یہ تو طے شدہ امر ہے کہ تمہاری اس ناولسٹ خاتون سلمیٰ سلیم نے اپنے شوہر کو کسی ایسی ترکیب سے قتل کیا ہے جسے فی الحال ہم سمجھ نہیں سکے۔ میں نے تو خیر اس کی لکھی ہوئی کوئی ناول نہیں پڑھی۔ لیکن میری بیوی کو سلمیٰ سلیم کی ناولیں بہت پسند ہیں اور اکثر انہیں پڑھتی رہتی ہے۔ میرے یہاں سے تمہیں آنے سے قبل اس نے اس سلسلے میں مجھے دو ایک باتیں بتلائی تھیں۔ اس کی ایک ناول میں جو غالباً مصر کے اسرار سے تعلق رکھتی ہے۔ ایک وسیع خاندان کے تمام افراد یکے بعد دیگرے مر جاتے ہیں۔ عام طور پر یہی سمجھا جاتا ہے کہ وہ ایک روحانی بزرگ کی بد دعا کی وجہ سے مر گئے جب کہ ایک چالاک آدمی اُن سب کو 'کاربن مانو آکسائیڈ' گیس کے ذریعے قتل کرتا رہا تھا۔ میری بیوی کو ذریعۂ قتل کے بارے میں زیادہ تفصیل سے یاد نہیں رہ گیا تھا لیکن قتل کا طریقہ بالکل سائنٹفک تھا اور اس کی مدد سے واقعی کسی کو قتل کیا جا سکتا

ہے۔ لہٰذا میری بیوی کو خوف محسوس ہو رہا تھا کہ کہیں سلمیٰ سلیم مجھے بھی اس قسم کے کسی ایسے ہی طریقے سے ختم نہ کر دے "

"ہونہہ۔" ڈاکٹر عارف نے کہا " اسی لئے تو عورتوں کو ناقص العقل کہا گیا ہے۔"

"خیر۔" نیاز نے کوئی اثر لئے بغیر جواب دیا۔ " مجھے تسلیم ہے کہ میری جان کے سلسلے میں میری بیوی کا خدشہ بے بنیاد تھا۔ شاید تم نے سلمیٰ سلیم کا ناول " دوسری شخصیت" پڑھا ہو۔ میری بیوی یہ ناول بھی پڑھ چکی ہے۔ اس میں بھی ایک ایسے شخص کا تذکرہ اس نے دیکھا تھا جسے 'انسولین' کے زہریلے انجکشن دے کر قتل کیا جاتا ہے اور اسکی علامات بھی بڑی مشکل سے سمجھ میں آتی ہے۔ تمام ناول ہیبتناک واقعات سے پُر تھا۔ لیکن اگر حقیقی زندگی میں کوئی اس طریقے پر کسی شخص کو قتل کرنا چاہے تو ناممکن نہیں معلوم ہوتا کیونکہ طریقہ بڑا سا خطرناک تھا۔

" درست ہے۔" عارف نے کہا۔ " میں نے بھی یہ ناول " دوسری شخصیت " پڑھا ہے لیکن سلیم کی موت کے بعد اس کا پوسٹ مارٹم پورے ہوش و حواس کے ساتھ میں نے ہی کیا تھا۔ اور میں قسم کھاتا ہوں کہ وہ 'کاربن مانو اکسائیڈ' گیس یا 'انسولین' کے انجکشن سے نہیں مارا گیا۔"

" اور تمہاری یہ بات میرے نظریے کی تائید کرتی ہے۔" چیف انسپکٹر نے کہا۔ "اگر وہ کسی کو قتل کرنا چاہے گی تو ہرگز وہ طریقے نہیں استعمال کرے گی جنہیں وہ اپنی ناولوں میں ظاہر کر چکی ہے۔ کوئی بہت معمولی لیکن نیا طریقہ اسے سوچنا پڑے گا جس کی طرف کسی کا خیال نہ پہنچ سکے۔ کوئی ایسا سیدھا سا طریقہ جو عام طور پر ہر شخص بغیر کسی خاص معلومات کے عطر صابن اور تانبے کی دوا جو شیشوں سے اپنے گھر میں کر سکے۔"

"ہوں ــــ" پر خیال انداز میں سر سلطان نے آواز نکالی جو اچانک غور نیاز کی باتیں سنتا رہا تھا۔ "جی، کیا آپ کچھ کہنا چاہتے ہیں ــــ؟"

"نہیں کچھ نہیں ــــ"

چیف انسپکٹر اس کی طرف تجسس نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ سر سلطان نے مسکرا کر کہا۔
ــــ "کچھ نہیں بھئی۔ میں یوں ہی ذرا کچھ سوچ رہا تھا۔ تم اپنی گفتگو جاری رکھو۔ میں جو کچھ سوچ رہا تھا۔ اس کا تمہاری اس گفتگو سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں صرف یہ اندازہ لگا رہا تھا کہ سلیم کے کمرے میں موم بتی کے وہ دھبے ٹھیک کس مقام پر تھے
ــــ خدا تمہارا بھلا کرے نیاز! تم اس طرح کیوں دیکھ رہے ہو جیسے میں تمہیں بیوقوف بنانے کی کوشش کر رہا ہوں ــــ"

"کیونکہ آپ اکثر مجھے بیوقوف بنایا کرتے ہیں ــــ" نیاز نے آنکھیں جھپکا کر کہا ــ

"اور دیکھئے سر سلطان...."

"اوہ تم اپنی بات تو پوری کرو ــــ" ڈاکٹر عارف نے اسے ٹوکتے ہوئے کہا۔
"یہ بتلاؤ کہ اگر تم سلی سلیم کو ہی قاتل سمجھتے ہو تو پھر پروفیسر خطیب کو اس کیس میں کس مقام پر رکھو گے ــــ؟"

"اوہ تم اپنی بات تو پوری کرو ــــ" ڈاکٹر عارف نے اسے ٹوکتے ہوئے کہا۔
"یہ بتلاؤ کہ اگر تم سلی سلیم کو ہی قاتل سمجھتے ہو تو پھر پروفیسر خطیب کو اس کیس میں کس مقام پر رکھو گے ــــ؟"

"اوہ!" چیف انسپکٹر اس کی طرف متوجہ ہو کر بولا ــ "اس کی حیثیت تو روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ پروفیسر کو معلوم تھا، یا اس نے اندازہ سے معلوم کر لیا تھا کہ سلی کب

اپنے شوہر کو قتل کرنے کی کوشش کرے گی۔ اسے وجہ پہلے ہی سے معلوم تھی کہ سلمیٰ اپنے شوہر کی سخت مزاجی کی وجہ سے اس سے نفرت کرتی ہے۔ لہٰذا اس نے خیال ظاہر کیا کہ سلیم اختر قتل کر دیا جائے گا۔ اور جب وہ قتل کر دیا گیا تو محض سستی شہرت حاصل کرنے کے لئے اس نے اپنی قوت ارادی، اور "خیالات کی لہروں سے پیدا ہونے والی پُراسرار طاقت" کا افسانہ لوگوں کو سنانا شروع کر دیا۔ اسے معلوم تھا کہ اس طرح قانون اس سے کوئی جواب نہیں طلب کر سکتا۔ خیال رہے کہ اس قتل سے قبل اس نے اس قسم کا کوئی دعویٰ نہیں کیا کہ وہ خیالات کی لہروں کی طاقت سے کسی کو قتل کر سکتا ہے۔ وہ صرف یہ کہتا تھا کہ ایسا ممکن ہے۔ اور جب سلیم مرگیا تو وہ اعلانیہ کہنے لگا کہ اسی نے اپنی پراسرار طاقت سے اسے قتل کیا ہے۔ سمجھ رہے ہو نا۔ ؟ ۔ اب میں یہ نہیں کہتا کہ پروفیسر خطیب اس سازش میں سلمیٰ کا شریک تھا۔ نہیں۔ وہ محض نفسیاتی طور پر اس عورت کو قتل کے لئے ابھار رہا تھا اس نے خود سلیم کو قتل نہیں کیا بلکہ سلمیٰ کو آلے کے طور پر استعمال کیا اور اسی لئے اب اپنے شوہر کو قتل کر چکنے کے بعد غور کرنے پر اسے اپنی حماقت کا احساس ہوا ہے اور سلمیٰ خطیب سے اس درجہ نفرت کرنے لگی ہے۔ اور ہمارے نظریے کی تائید اس طرح بھی ہوتی ہے کہ سلمیٰ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ پروفیسر خطیب نے اپنی کسی پراسرار قوت سے سلیم کو نہیں قتل کیا نہ ہی وہ کسی دوسرے کو قتل کر سکتا ہے لہٰذا وہ اسے چیلنج کرنا چاہتی ہے۔" [1]

---

[1] اس جگہ قارئین کی دلچسپی اور معلومات کے لئے میں اس حقیقت کے انکشاف کو قبل از وقت نہیں سمجھتا کہ گو اس کیس کا مطالعہ کرتے ہوئے کئی بار یہ خیال قاری کے دل میں پیدا ہو گا کہ قتل میں ایک سے زیادہ اشخاص کی سازش تھی اور انھوں نے اپنی ترکیبوں سے مل کر مقتول کو مارا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس تمام کیس میں قاتل نے تنہا اور اکیلے تمام کام کیا ہے۔ یہاں تک کہ ان میں سے کسی کو قاتل کے خیالات کا علم نہ تھا۔ قارئین خیال رکھیں۔
مظفر حسین ھسوی

"کیا کہا تم نے ---" سر سلطان نے استفسار کیا۔

"کیوں کیا آپ میرے نظریے سے متفق نہیں ہیں ---؟" نیاز نے دریافت کیا۔

"کسی پاگل ہی کو تمہارے اس نظریے سے اتفاق ہو سکتا ہے ---" سر سلطان نے کہا۔

"بھلے آدمی! اتنا تو سوچو کہ اگر پروفیسر خطیب، اس عورت سلمیٰ کا سارا جرم اپنے سر تھوپنے پر تلا ہوا ہے تو پھر وہ اس سے اتنی نفرت کیوں کرتی ہے۔ کیوں وہ یہ ظاہر کرتی ہے کہ خطیب نے سلیم کو قتل نہیں کیا۔ اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ وہ جان بوجھ کر ہمیں اس بات پر راغب کرتی ہو کہ دوسرے راستے پر چل کر اس تک پہنچیں ---"

"جی ہاں اس کی یہ حرکت سمجھ میں نہیں آتی ---" چیف انسپکٹر نے سوچتے ہوئے کہا ---" ہو سکتا ہے اس میں بھی اس کی کوئی سوچی سمجھی ہوئی چال ہو ---"

"ہاں ممکن ہے یہ اس کی کسی اسکیم کا ایک حصہ ہو اور اس کا یہ چیلنج بھی ہمیں بھٹکانے کی ایک کوشش ہو۔ بہرحال اس کیس کی پیچیدگی تو بہ لمحہ بڑھتی ہی جاتی ہے۔ اور سب سے بڑی مشکل تو یہ ہے کہ کسی بات کو بالکل سچ سمجھتے ہوئے بھی ہم اسے سچ ثابت نہیں کر سکتے۔ بہرحال میرے خیال میں تمہارا قائم کردہ نظریہ کا ایک حصہ کسی حد تک سچ ہے۔ اور جہاں تک تمہارے اندیشوں کا تعلق ہے ---" سر سلطان نے ڈاکٹر عارف کی طرف دیکھ کر کہا ---

"میں تمہیں یقین دلاتا ہوں ڈاکٹر عارف! کہ کم از کم آج کی رات تمہاری سلمیٰ سلیم اتنی ہی محفوظ ہے جتنی کہ ریزرو بنک آف انڈیا میں جمع کی ہوئی چیزیں۔ اور اب چیف انسپکٹر --- ہم لوگوں کو چلنا چاہئے ورنہ میسور کی ٹرین ملنی مشکل ہے۔ جاؤ عارف اطمینان سے آرام کرو۔ خدا حافظ!"

ڈاکٹر عارف "سلمیٰ کوٹھی" کے پھاٹک پر کھڑا لمحہ بہ لمحہ چھوٹی پڑتی ہوئی پولیس کار کو تکتا

سر غور شن کو دیکھتا رہا جو تھوڑی دیر بعد غائب ہو گئی۔ اس نے ایک بار کمپاؤنڈ میں نگاہ گھما کر اطمینان کر لیا اور پھر اندر جا کر دروازے کو بند کر کے اس میں تالا لگا دیا۔ اور اب وہ ایک ایسے مکان میں جہاں دو دن قبل ایک قتل ہو چکا تھا، ایک ایسی بھولی بھالی معصوم عورت کے ساتھ اکیلا رہ گیا جیسے اس کے دوساتھی، ہندوستان کے دو نامور جاسوس اپنے شوہر کا قاتل خیال کرتے تھے۔ اس خیال نے اسے کچھ مسکرانے پر مجبور کر دیا۔

" اور اب وہ "پیلی کوٹھی" میں سلمیٰ سلیم کے ساتھ اکیلا رات گذارنے کی تیاری کرنے لگا، جو بعد میں اس کی زندگی کی بدترین رات ثابت ہوئی!

(۱۲)

اس کا پہلا خیال، جیسا کہ اس نے بعد میں یاد کیا، بڑا خوشگوار اور آزادی کے احساس سے پُر تھا۔ اب وہ چین کے ساتھ بیٹھ کر پڑھ سکتا تھا، یا اپنی نجی مسئلوں پر غور کر سکتا تھا۔ یعنی اب اسے کئی دن بعد تنہائی کی دولت نصیب ہوئی تھی۔ کسی دوسرے کے مکان میں اتنی بہت ساری بجلی کی روشنیاں جلانا چاہے مناسب بھی کیوں نہ ہو، لیکن اس نے انھیں گل کر کے مالک مکان کے اقتصادی فائدہ کا خیال نہیں کیا پھر اس نے محسوس کیا کہ مکمل خاموشی کے عالم میں تنہا رہنے سے ایک انسان کی تمام حسین قوتیں کس طرح بیدار ہو جاتی ہیں۔ ہر چیز پہلے سے نسبتاً بڑی اور دلکش سی نظر آتی تھی۔ پختہ فرش پر چپل قدمی کرنے سے پیدا ہونے والی قدموں کی آہٹ اور چلنے میں کپڑوں کی سرسراہٹ میں بھی ایک آہنگ اور خوشگوار موسیقی محسوس ہوتی تھی۔

..ڈرائنگ روم میں گیا جہاں چکیلے فرش پر قدموں سے اور زیادہ گونج پیدا ہوتی تھی۔ یہاں کچھ خنکی سی محسوس ہو رہی تھی۔ اچانک اس کی نگاہ کھلی ہوئی کھڑکی پر جا پڑی اور اس نے جھپٹ کر اسے بند کر دیا۔ اور پھر بعد میں ایک لکڑی تلاش کر کے اس کی کنڈی میں پھنسا دی اور پھر اس نے نگاہ گھما کر تمام کھڑکیوں کی طرف دیکھا سب ہی مضبوطی سے بند تھیں۔ اسے کچھ گونہ اطمینان کا احساس ہوا۔ نہ معلوم لوگ مکانات میں اتنی زیادہ کھڑکیاں کیوں بنواتے ہیں اس سے تو یہی بہتر ہے کہ کھلی ہوئی فضا میں سو لیا جائے۔ اس نے سوچا۔

پھر غور سے دیکھ کر کہ کوئی دروازہ یا کھڑکی کھلی تو نہیں رہ گئی اور سب کو بند دیکھ کر اطمینان کی سانس لینے کے بعد وہ کھانے کے کمرے میں جا پہنچا۔ الماری سے سامان نکال کر چائے تیار کی اور میز کے سامنے کرسی پر بیٹھ کر اپنا سگریٹ سلگانے کے بعد بالترتیب چسکیاں اور کش لینے لگا اس کے دماغ میں بڑی تیزی سے خیالات کی آمد ہو رہی تھی۔

وہ ایک دن فرصت نکال کر 'خوف اور اس کے اثرات' پر ایک مدلل مقالہ لکھنے کے بارے میں غور کرنے لگا اس موضوع پر پہلے بھی کچھ لکھا جا چکا ہے لیکن جب سے اس نے چیف انسپکٹر کے لئے وہ مضمون تیار کرنے کے سلسلے میں طبی کتابوں کی ورق گردانی کی تھی اسی وقت سے اس کا یہ خیال پختہ ہو گیا تھا کہ یہ موضوع ابھی بہت تشنہ ہے اس کا میدان بہت وسیع ہے اور اس پر مزید روشنی ڈالنے سے اس کی وقعت کافی بڑھ سکتی ہے۔ اور اچانک اس موضوع پر سوچتے سوچتے اس کی خیالات کی رو صبیحہ کی طرف منتقل ہو گئی۔ وہ بھی تو جمعہ کی رات کو بہت خوفزدہ ہو گئی تھی۔ ابتک اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ محض پروفیسر خطیب کو اپنے کمرے میں دیکھ کر وہ اس بری طرح کیوں سہم گئی تھی۔ اور پھر اس کے

خیالات نے ایک دور طویل جست لگائی۔ اب وہ مرحوم سلیم اختر کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ وہ بھی کسی چیز سے اس بری طرح سہم گیا ہو کہ اس کے قلب کی حرکت بند ہو گئی۔ کوئی چیز جو غیر متوقع طور پر اسے نظر آ گئی ہو یا کسی نے اسے ڈرانے کے لئے اس کے سامنے کر دیا ہو۔

اچانک اس کی پشت پر باورچی خانہ کا دروازہ چرچرایا۔ اس نے چونک کر اچھل پڑنے سے اپنے آپ کو سنبھال لیا اور گردن پھیر کر پیچھے دیکھا۔ لیکن اسے کوئی چیز نظر نہیں آئی۔ وہاں تاریکی تھی اور سناٹا۔ یہی عالم اس نوارے والی دالان کا تھا جو اس کی پشت پر تھی اور جو روشنی میں دہیں سے بیٹھے بیٹھے شیشوں کے پار دیکھی جا سکتی تھی لیکن اس وقت تاریکی کی وجہ سے اُسے اس طرف کچھ نظر نہیں آیا۔ سناٹا ——!

چائے کی پیالی خالی ہو چکی تھی اور سگریٹ بھی ختم ہو چلا تھا۔ اس نے بقیہ ٹکڑے کو پیالی میں ہی ڈال دیا اور یہ سوچ کر کہ یہ وقت بیکار بیٹھ کر خیالات کو بھٹکانے کے بجائے کسی کام میں صرف کرنا چاہئے۔ کیوں نہ اوپر چل کر دیکھا جائے کہ سلمیٰ اطمینان سے سو رہی ہے یا نہیں۔ وہ وہاں سے اٹھ کھڑا ہوا اور کمرے سے نکل کر زینہ طے کر کے اوپر پہنچا۔ اس نے سلمیٰ کے خوابگاہ کے دروازے پر دستک دی لیکن کوئی جواب نہیں ملا نہ ہی اسے جواب ملنے کی امید تھی۔ نیند لانے والی گولیاں اپنا اثر دکھلا چکی ہوں گی اور سلمیٰ پڑی سو رہی ہو گی۔ اس نے سوچا۔ اس نے آہستگی سے دروازہ کھول کر اندر دیکھا —— سلمیٰ کا بستر خالی دیکھ کر اس کا دل زور زور سے اُچھلنے لگا! ——

شب خوابی کے کپڑے بے ترتیبی سے پلنگ پر پڑے ہوئے تھے۔ قمیص کی طرف پلنگ پر تکیے بری طرح مڑے تڑے پڑے ہوئے تھے۔ ڈریسنگ گاؤن اور سلیپر جوں کے توں

کے قریب سلمیٰ کے کمرے میں دیکھ گیا تھا اب غائب تھیں۔ جھجکتے ہوئے اس نے غسلخانے میں جھانک کر دیکھا لیکن وہ بھی خالی پڑا تھا۔ اس کے متصل سلیم اختر کا کمرہ تاریک اور سنسان پڑا تھا جس میں کسی کے بیٹھنے یا لیٹنے کا خیال پیدا ہی نہیں ہو سکتا تھا۔

"سلمیٰ صاحبہ!" اس نے آواز دی۔

"سلمیٰ صاحبہ ـــــ!" کھنکھناتی ہوئی آواز میں بازگشت نے اُسے جواب دیا۔ کسی شخص کے لئے اس سے زیادہ تکلیف دہ بات اور کوئی نہیں ہوتی کہ وہ کسی مکان سے کسی دوسرے شخص کو بلائے اور وہ موجود ہوتے ہوئے بھی کسی وجہ سے جواب دینا پسند نہ کرے۔ اس نے ایک بار پھر آواز دی لیکن اگر سلمیٰ کہیں تھی، تو وہ وہیں چھپی رہی۔

اس نے کمرے میں تلاش کرنا شروع کر دیا اور کپڑوں کی بڑی الماری کو پورے یقین کے ساتھ، کہ سلمیٰ اسی میں چھپی ہوگی اور پریشان ہوتا ہوا کہ وہ اس میں چھپی ہوئی حالت میں پاکر اس سے کیا کہے گا، اس نے پٹ کھولے لیکن وہاں بھی کچھ نہ پاکر اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کی دل کی حرکت بند ہونے والی ہے۔ وہ لپکتا ہوا پھر غسل خانے میں گیا اور بلب روشن کرکے الکٹرک ہیٹر کی چمکدار دھات میں اپنا عکس دیکھ کر بڑے زور سے چونکا۔

پھر اس نے دروازہ کھول کر مرحوم سلیم اختر کے کمرے میں بھی تلاش کیا لیکن بے سود۔ روشنیاں جلتی ہوئی چھوڑ کر وہ تیزی سے غسلخانے میں دو تین برتن گھبراہٹ میں گراتا ہوا باہر نکل آیا۔ اور برتن تیز جھنکار پیدا کرتے ہوئے رات کی سائیں سائیں کیساتھ سر ملاتے رہے۔

پہلے اس نے اپنے کمرے میں آکر دیکھا پھر اس نے باری باری سے اوپر منزل پر واقع تمام کمرے دیکھ ڈالے لیکن سلمیٰ کا کہیں پتہ نہ تھا۔ وہ دو دو سیڑھیاں ایک ساتھ کودتا ہوا نیچے ہال میں پہنچا اور یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ڈرائنگ روم کا دروازہ جو وہ کھلا چھوڑ گیا تھا اب بند تھا۔

اس نے دھکا دیا۔ دروازے تیز آواز پیدا کرتے ہوئے کھل گئے۔ اور جیسے ہی اس نے اندر قدم رکھا ٹیلیفون کی گھنٹی اتنی زور سے بجنے لگی جیسے وہ اچانک کسی جادو کے کرے میں آگیا ہو۔ کمرے میں پہنچ کر سرسری نظر سے چاروں طرف دیکھنے کے بعد اس نے یہی بہتر سمجھا کہ دیکھے فون پر کون ہے۔ اس نے بڑھ کر رسیور اٹھایا۔ اسے رسیور کچھ گرم محسوس ہوا جیسے ابھی ابھی کوئی اسے ہاتھ میں تھامے رہا ہو۔ حیران وششدر ہو کر اس نے رسیور کو کان سے لگا لیا۔

"ہلو!" ایک جھینگر کی چیخ سے مشابہ آواز اس کے کانوں میں آئی: "کیا یہ رجبیس نگر کا نمبر تین ایک ہے؟"

"نہیں.... اور ہاں ۔" ڈاکٹر عارف نے ڈائل پر فون کا نمبر دیکھ کر ہکلاتے ہوئے جواب دیا۔ "کیا بات ہے؟ میں پوچھتا ہوں کون بول رہا ہے؟"

"میں 'کرائم رپورٹر' کے دفتر سے بول رہا ہوں۔ کیا میں مسز سلیم سے گفتگو کرسکتا ہوں؟"

"کس سے؟..... اوہ مسز سلیم اس وقت از حد مصروف ہیں اور افسوس ظاہر کرتی ہیں کہ۔"

"اوہ ڈاکٹر عارف! لائیے رسیور مجھے دیجئے!"

اس کے دوسرے کان کے بالکل قریب سلمیٰ کی آواز سنائی دی۔ اس نے چونک کر ادھر دیکھا تو سلمیٰ سلیم کا چہرہ بالکل اپنے شانے سے لگا ہوا نظر آیا۔ وہ منھ کھولے ہوئے سا دیکھتا ہی رہ گیا اور سلمیٰ نے رسیور اس کے ہاتھ سے لے کر اپنے کان سے لگا لیا۔

"ہلو! ہاں یہ میں سلمیٰ سلیم بول رہی ہوں۔ یہ آپ کو دوبارہ فون کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی مسٹر خاور کلیم؟ اوہ! آپ اطمینان کر لینا چاہتے تھے کہ کہیں آپ کو دھوکا تو نہیں دیا گیا۔ چلئے خیر ٹھیک ہے۔ جی ہاں! میں خوب سمجھتی ہوں

کہ آپ لوگوں کو کافی محتاط رہنا پڑتا ہے ـ جی ہاں صاحب! میں کتنی بار آپ سے کہوں ـ بیشک آپ اسے اپنے اخبار میں شایع کر دیجئے ـ جتنے بھی سخت الفاظ میں آپ چھاپ سکیں چھاپئے ـ اور اب میں آپ سے معافی چاہتی ہوں ـ جی ہاں میری طبیعت کچھ مضمحل سی ہے ـ شکریہ ـ جی ہاں تھینک یو ـ !

اس نے ریسیور کان سے ہاتھ میں لیا، مسکرا کر عارف کی طرف دیکھا اور پھر ریسیور کو سٹ کے ہک پر واپس رکھ دیا۔

" مجھے سخت افسوس ہے ڈاکٹر صاحب کہ میں آپ کو دھوکا دینے پر مجبور تھی " سلمیٰ نے معذرت چاہتے ہوئے کہا ـ " لیکن میں نے آپ کے سامنے ہی چیف انسپکٹر سے کہہ دیا تھا کہ وہ لوگ مجھے اپنے ارادے سے باز نہیں رکھ سکتے۔ جیسے ہی وہ لوگ روانہ ہوئے میں اوپر سے نیچے اتر آئی تھی ـ

" جی ہاں ٹھیک ہے ـ " ڈاکٹر عارف نے اپنے اوسان بحال کرنے کی کوشش کی۔

" کیا آپکو بہت پریشانی اٹھانی پڑی ـ ؟"

افوہ رے تجاہل عارفانہ۔ یعنی محترمہ کو اب بھی اس میں کچھ شک نظر آتا ہے۔ ڈاکٹر عارف نے دل ہی دل میں کہا اور پھر سلمیٰ کو جواب دیا۔

" جی نہیں محترمہ! سب ٹھیک ہے ـ میں اگر خود ہی اپنے آپ کو بیوقوف ثابت کروں تو اس میں آپ کا کیا قصور ہے ـ "

اُسے یاد آیا کہ وہ کس طرح پاگلوں کی مانند ادھر ادھر کمروں میں سلمیٰ سلیم کی تلاش میں دروازے بھڑ بھڑاتا اور ٹھوکریں کھاتا پھرا تھا۔ دل ہی دل میں کڑھتے ہوئے اس نے سلمیٰ سے دریافت کیا ـ

"کیا آپ مجھے نہ بتلائیں گی کہ نیند لانے کی دو گولیاں کھانے کے بعد بھی آپ اس وقت کیسے جاگتی رہیں ___؟"

"میں نے وہ گولیاں کھائی ہی کہاں تھیں؟" سلمی نے ہنس کر عارف کے دل و دماغ پر بجلی سی گراتے ہوئے کہا۔ "میں نے آپ پر ظاہر یہی کیا تھا کہ میں خواب آور گولیاں کھا چکی ہوں لیکن میں نے دراصل کھائی نہ تھیں۔ اور آپ دیکھتے ہیں کہ میں نے پروفیسر خطیب کو چیلنج دے دیا۔ میں نے اخبار میں اعلان چھپنے کے لئے بھیج دیا۔ حالانکہ کمبخت کلیم خاور، "کرائم رپورٹر" کا ایک ایڈیٹر اسے مکمل چھاپنے پر رضامند نہیں ہوا۔ اس کا کہنا ہے کہ چیلنج کی زبان بہت سخت ہے۔ لیکن پھر بھی وہ جو کچھ چھاپیں گے وہی کافی ہوگا۔ ہاں "دیو جانس کلبی" کے بوکھلانے کے لئے اتنا ہی کافی ہوگا۔ کیا آپ "دیو جانس کلبی" کو نہیں جانتے؟ بحری جہاز میں ایک فوجی کپتان پروفیسر خطیب کو "دیو جانس کلبی" کہہ کر چھیڑا کرتا تھا۔ مجھے معلوم نہیں اس نام سے وہ کمبخت خطیب اس بری طرح کیوں چڑتا ہے؟ بہرحال اب میں اسے چیلنج بھیج چکی اور میرے دل کو کچھ تسکین آ گئی ہے۔ اب میں اوپر جاتی ہوں اور خواب آور دوا کی دو گولیاں کھا کر آرام سے سو جاؤں گی۔ کیوں ٹھیک ہے نا ___؟"

"جی ہاں بہتر ہے۔" عارف نے جواب دیا۔ "تشریف لے جائیے ___"

"کیا آپ اوپر نہیں چلیں گے ___؟" سلمی نے دریافت کیا۔ "میں تنہائی محسوس کروں گی۔ خصوصاً دن کی بہ نسبت رات کو تنہائی بڑی طرح کھلتی ہے۔ آپ کے علاوہ سبھی لوگ تو حویلی کو خوشی سے چلے گئے ___"

"بہتر ہے چلئے میں بھی چلتا ہوں ___"

زینے پر چڑھتے ہوئے انھیں ہال میں کلاک کے دس بجانے کی آواز سنائی دی سلمیٰ کے کمرے میں پہنچ کر ایک کرسی پڑ بایک رکھا کر عارف بیٹھ گیا۔ غسلخانے میں جا کر سلمیٰ نے شب خوابی کے کپڑے پہنے، عارف کی نگاہوں کے سامنے ہی دو خواب آور گولیاں کھائیں اور بستر پر لیٹ گئی۔ تھوڑی دیر بعد ہی دوا نے اثر دکھلایا اور وہ اونگھنے لگی۔
عارف اس وقت تک وہاں بیٹھا رہا جبتک سلمیٰ گہری نیند میں نہیں سوگئی۔ پھر اس نے اٹھ کر اس کی نبض دیکھی جو حسب توازن سے چل رہی تھی۔ اور پھر تیز روشنی کا بلب گل کر کے ہلکی روشنی کا بلب آن کر دیا اور کمرے سے باہر آ گیا۔
اس تمام واقعہ کے باوجود ڈاکٹر عارف کے دل میں سلمیٰ کی ہمدردی کم نہیں ہوئی اور وہ اسے بدستور مظلوم اور مخلص عورت سمجھتا رہا جو محض وقتی جذبات کی رو میں بہہ کر کچھ غلط باتیں کہہ گئی تھی اور ایک غلط حرکت بھی کر گئی تھی جس نے ابھی تھوڑی دیر پہلے عارف کو بری طرح سہما دیا تھا۔ اس تمام بے معنی دوڑ دھوپ سے جو عارف نے سلمیٰ کی تلاش میں کی تھی، ایک فائدہ ضرور ہوا کہ نیند جو پہلے عارف کو پریشان کر رہی تھی اب کوسوں دور بھاگ گئی تھی۔ ڈاکٹر عارف چاہتا بھی یہی تھا کہ آج رات کو جاگ کر سلمیٰ کی حفاظت کا خیال رکھے۔

وہ سارے مکان میں گھوم گھوم کر دیکھ کر اطمینان کر آیا کہ ہر کھڑکی اور ہر دروازہ بند ہے یا نہیں؟ پھر ایک بار ڈرائنگ روم میں واپس آ کر اس نے چائے تیار کر کے ایک پیالی پی اور سگریٹ سلگا کر کرسی پر بیٹھے ہوئے دھوئیں کے مرغولے بنانے لگا۔ پھر اکتا کر اس نے ایک بار پھر مکان کی دونوں منزلوں کا چکر لگایا تھوڑی دیر تک ڈرائنگ روم میں الماری میں سجی ہوئی کتابوں کو بے معنی طور پر الٹتا پلٹتا رہا۔ ہال میں کلاک نے ساڑھے دس

کا گھنٹہ بجایا، وہ ڈرائنگ روم میں کھڑا ہوا ایک باتصویر رسالہ پلٹتا رہا اور جب کلاک نے گیارہ بجادیئے تو پھر ڈرائنگ روم میں واپس جاکر کرسی پر بیٹھ گیا اور سگریٹ سلگاکر کش لگانے لگا۔ بڑی دیر تک وہ خیالات میں غرق زمین پہ نگاہیں جمائے مرغولے اڑاتا رہا۔

تقریباً ساڑھے گیارہ کا عمل رہا ہوگا جب اس نے محسوس کیا جیسے ایک لمحے کے لئے اسے پروفیسر خطیب کا چہرہ شیشے کی کھڑکی سے جھانکتا ہوا نظر آیا ہے۔ اس کے ہاتھ سے جلتا ہوا سگریٹ چھوٹ کر زمین پر گر پڑا۔ لیکن اسے چند سکنڈ بعد احساس ہوا تھوڑی دیر پہلے سے وہ ایک ہلکی سی آواز کو پہچاننے کی کوشش کر رہا تھا پھر اسے خیال آیا۔ کہ وہ آواز شاید فوارے سے پانی کے اُبل کر حوض کے پانی میں گرنے سے پیدا ہونے والی آواز رہی ہوگی۔ کیونکہ آواز تقریباً ویسی ہی تھی جو جمعہ کی شام کو سلیم وغیرہ کے ساتھ فوارے کے قریب بیٹھ کر گفتگو کرتے ہوئے اس نے سنی تھی۔ ہاں۔ یہ پانی ہی کے گرنے کی آواز تھی ورنہ کھل کھل۔ کھل کھل کی سی صدا اور کہاں سے آئی تھی؟ اور اسی لمحے اسے پروفیسر خطیب کے چہرے کی جھلک کھڑکی کے شیشے میں دکھلائی دی۔ ایک لمحے کیلئے اس کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ کہیں بجلی کی روشنی میں شیشے پر اسی کے چہرے کا عکس تو نہیں دکھلائی دے گیا

اس نے اپنی کرسی پیچھے کھسکائی اور اٹھ کر کھڑکی کے پاس جا پہنچا ——————

— کھڑکی کھولتے ہوئے رات کی خنک ہوا کا ایک تھپیڑا اس کے منھ پر پڑا، لیکن باہر مکمل خاموشی اور سناٹا تھا۔ گہری تاریکی میں اسے کوئی دکھلائی نہیں دیا، اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے کی کوشش کی۔ کہیں کچھ نہیں۔ کوئی سایہ نہیں۔ کوئی متحرک چیز نظر نہیں آئی تھی۔ اور رات سائیں سائیں کی بھیرویں الاپ رہی تھی۔ اور پھر اچانک اسے سلمیٰ سلیم کا خیال آگیا۔

سلمیٰ سلیم جو بالائی منزل پر ایک کمرے میں تنہا خواب آور گولیوں کے نشے میں مدہوش پڑی تھی! وہ تقریباً دوڑتا ہوا کمرے سے نکلا اور دو دو تین تین سیڑھیاں ایک ساتھ طے کرتا ہوا اوپر پہنچا۔ تیزی سے دروازہ کھول کر وہ سلمیٰ کے کمرے میں داخل ہوا لیکن اس کے تمام اندیشے بیکار تھے۔

وہ بڑے سکون کے ساتھ اپنے بستر پر سو رہی تھی۔ اور ریشمی چادر جو اس پر پڑی تھی اس کی متوازن سانسوں سے اوپر نیچے ہو رہی تھی۔ عارف نے ایک گہرا سانس لیا۔ غسلخانے کا دروازہ اندر سے بند تھا اور چٹخنی لگی ہوئی تھی۔ دوسری کھڑکیاں بھی مضبوطی سے بند تھیں۔ پلنگ کے نیچے اور الماریوں کے پیچھے احتیاطاً جھانک کر اطمینان کر لینے کے بعد کہ کوئی ان جگہوں پر پوشیدہ نہیں ہے۔ عارف سلمیٰ کی خوابگاہ سے باہر نکل آیا اور دروازے کو بند کر کے کنجی آٹومیٹک تالے میں لگی ہوئی نکال کر اپنی جیب میں ڈال لی۔ اب سلمیٰ کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔ اس نے دل میں سوچا۔

اب اسے یہ بھی اطمینان ہو گیا کہ کھڑکی سے پروفیسر خطیب نہیں جھانک رہا تھا بلکہ یہ اس کا اپنا منتشر دماغ تھا جس نے ایک فرضی چہرے کی جھلک اسے شیشے پر دکھلائی تھی۔ اور اب تو اسے اس بات میں بھی شک ہونے لگا کہ اس نے کھڑکی کھول کر باہر دیکھا بھی تھا یا نہیں؟ دماغ پر زور دینے پر اسے یاد آیا کہ بے شک کم از کم کھڑکی کھول کر اس نے باہر دیکھا ضرور تھا۔ بہر حال مزید احتیاط کے طور پر اس نے یہ طے کیا کہ وہ زینے کی سب سے اوپری سیڑھی پر بیٹھے گا۔ اس طرح سلمیٰ کا کمرہ اس کی نگاہوں کے سامنے رہے گا۔ وہ جا کر اوپری سیڑھی پر بیٹھ گیا اور لمبی لمبی سانسیں لے کر اپنے تنفس کو اعتدال پر لانے کی کوشش کرنے لگا۔ جلد ہی اس کی سانس

جو اب تک بہت تیز چل رہی تھی، جیسے وہ اب تک ہانپتا رہا ہو، اعتدال پر آ گئی۔ اس نے اپنے حواس مجتمع کئے اور طبیعت میں سکون آ گیا۔ اس جیب میں ہاتھ ڈال کر سگریٹ کیس تلاش کیا اور اس میں سے ایک نیا سگریٹ نکال کر سلگایا۔ تھوڑی دیر تک دھواں اڑاتا ہوا مرغولوں کو گھورتا رہا اور پھر اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی پر نظر ڈالی۔ بارہ بجنے میں پندرہ منٹ باقی تھے۔

اسی وقت ڈرائنگ روم سے اسے ٹیلیفون کی گھنٹی بجنے کی آواز سنائی دی۔ وہ اتر کر نیچے پہنچا اور ڈرائنگ روم میں داخل ہو کر ریسیور اٹھا لیا —

"ہلو —" دوسرے سرے سے آواز سنائی دی — "نمبر تین ایک برجیس نگر —؟"

"جی ہاں — میں برجیس نگر تین ایک سے بول رہا ہوں —" ڈاکٹر عارف نے جواب دیا — "آپ کہاں سے بول رہے ہیں —؟"

"کرائم رپورٹر' بمبئی کے دفتر سے —" جواب ملا — "کیا مسز سلیم.....؟"

"مجھے افسوس ہے مسٹر —" عارف نے قطع کلام کر کے کہا — "فی الحال مسز سلیم آپ سے گفتگو نہ کر سکیں گی —"

"ذرا سنئے —" اس کے کانوں میں آواز آئی اور وہ ریسیور رکھتے رکھتے رک گیا — "ہمیں مسز سلیم سے گفتگو نہیں کرنی ہے۔ از راہ کرم یہی بتلا دیئے کہ آپ کون ہیں۔؟"

"ڈاکٹر عارف —" عارف نے جواب دیا۔ "سلمیٰ سلیم صاحبہ کا ایک دوست۔"

"بہتر ہے۔ کیا سلمیٰ صاحبہ اچھی طرح ہیں —؟"

"کیا —؟"

"میں نے پوچھا تھا کہ مسز سلیم اچھی طرح ہیں —؟"

"ہاں وہ بیجر ہیں، کیوں ۔۔ ؟" عارف نے جواب میں پوچھا۔

"اررررر ۔۔۔۔" دوسرے سرے سے ہچکچاتی ہوئی آواز میں جواب ملا: "دراصل ابھی ہمیں پروفیسر خطیب نے فون کیا تھا ۔۔"

"ہاں پھر ۔۔ ؟" ڈاکٹر عارف نے کان کھڑے کرتے ہوئے دریافت کیا۔

"اس نے کہا تھا کہ مسز سیلیم آج رات کو بارہ بجے سے قبل مرجائیں گی۔ اس نے وضاحت کرتے ہوئے ہمیں بتلایا تھا کہ وہ اس بارے میں پورے یقین سے نہیں کہہ سکتا لیکن اس کا خیال تھا کہ وہ سلمیٰ صاحبہ کو شاید بارہ بجے سے پہلے پہلے قتل کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ قدرتی طور پر ہم نے اس کی بات کا کوئی اثر نہیں لیا ۔۔ بہرحال ہم نے بہتر سمجھا کہ 'سیلی کوٹھی' پر فون کر کے ۔۔۔۔"

"خطیب نے فون کہاں سے کیا تھا ۔۔ ؟" ڈاکٹر عارف نے اسے درمیان میں ٹوک کر پوچھا۔

"'سیلی کوٹھی' سے تقریباً دس میل دور "نشاط ریسٹوران" سے ۔۔"

"کیا آپ کو یقین ہے کہ وہ وہیں سے بول رہا تھا ۔۔ ؟"

"جی ہاں ۔۔ ہم نے بعد میں ٹیلیفون ایکسچینج سے تصدیق کرلی تھی ۔۔"

"اس نے آپ کو کتنی دیر پہلے فون کیا تھا ۔۔ ؟"

"تقریباً بیس منٹ ہو گئے ۔۔" دوسرے سرے سے بولنے والے نے کہا: "ہاں ڈاکٹر صاحب ۔۔ کیا آپ ہمیں اپنا بیان دے سکیں گے ۔۔ ؟"

"بہتر ہے آپ نوٹ کر لیجئے۔ پروفیسر خطیب کا دعویٰ قطعیٰ باطل ہے۔ مسز سلیم ایک مقفل اور محفوظ کمرے میں بڑے اطمینان سے سو رہی ہیں اور کوئی ان کے نزدیک نہیں پہنچ

سکتا۔ وہ پورے طور پر صحت مند اور بخیر ہیں۔ بس یہی میرا بیان ہے ـــ"

اس نے رسیور رکھ دیا، ہاتھ ڈال اپنے کوٹ میں سلمیٰ کے کمرے کی کنجی موجود ہونے کے بارے میں اطمینان حاصل کیا اور پھر اچانک اس کے دماغ میں خیال پیدا ہوا کیا واقعی سلمیٰ خیریت سے ہے؟

وہ پیچھے پلٹنے ہی والا تھا کہ اس کی کہنی کے پاس رکھا ہوا ٹیلیفون پھر گھنگھنا کر گھنٹی بجانے لگا اور عارف نے رسیور اٹھالیا ـــ

" ہلو بس۔ نمبر تین ایک بر جیس نگر ـــ ! ہم روزنامہ "انقلاب" کے دفتر سے بول رہے ہیں اور اتنی رات گئے زحمت دینے کے لئے معافی چاہتے ہوئے کہنا چاہتے ہیں کہ کہ آج صبح ایک شخص پروفیسر خطیب نے ہمیں اپنا بیان لکھواتے ہوئے ایک پراسرار طاقت کا حامل ہونے کا دعویٰ کیا تھا ـــ اور ابھی اس نے ہمیں فون سے مطلع کیا ہے کہ..."

" مجھے معلوم ہے ـــ" ڈاکٹر عارف نے جلدی سے کہا۔ " اس نے آپ سے کہا ہوگا کہ وہ اپنی خیالات کی لہروں سے ضرب پہنچا کر مسز سلیم کو بارہ بجے سے قبل قتل کر دیگا۔ اس نے اپنی کامیابی کا پختہ وعدہ نہ کیا ہوگا بلکہ کہا ہوگا کہ شاید وہ اپنی کوشش میں کامیاب ہو جائے اور...."

" جی ذرا سنئے ـــ" دوسری طرف سے آواز آئی ـــ" یہ تمام باتیں تو اس نے اب سے تقریباً بیس منٹ قبل فون پر کہی تھیں ـــ"

" پھر اب اس نے آپ کو کیا اطلاع بھیجی ہے ؟ "۔ ڈاکٹر عارف نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

" اس نے کہا ہے کہ سلمیٰ سلیم صاحبہ کو قتل کر دیا گیا ـــ اور ...."

لیکن اس وقت تک ڈاکٹر عارف رسیور رکھ چکا تھا۔ اب وہ اس قسم کی بے کار بکواس سن کر اپنا دماغ نہیں خراب کرے گا۔ بہرحال ایک بات صاف ہو چکی تھی کہ ابھی چند منٹ پہلے قائم کردہ اس کا یہ خیال بالکل غلط تھا کہ پروفیسر خطیب کی اسے جھلک سے کھڑکی میں نظر آئی تھی۔ کیونکہ خطیب اس وقت "بیلی کوٹھی" سے دو میل دور "نشاط ریسٹورانٹ" میں بیٹھا ہوا اخباروں کو غلط خبریں بھیجنے میں مصروف تھا، عارف کو اپنے تصور پر تعجب تھا جس نے اس کی آنکھوں کے سامنے کھڑکی کے شیشے پر خطیب کا چہرہ اس صورت میں پیش کیا کہ ہتھیلیاں شیشے پر رکھی ہوئی اور اس کی ناک کھڑکی کے شیشے سے بالکل چپکی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ اور ڈاکٹر عارف اس وقت کا خیال کر کے ایک بار پھر تذبذب میں پڑ گیا۔ کتنا صاف چہرہ دکھلائی دیا تھا اس وقت کیا وہ واقعی حقیقی پروفیسر خطیب کا چہرہ تھا یا محض اس کا تصور ۔۔۔ ؟

ٹیلیفون کی گھنٹی پھر زور سے بج اٹھی۔

"ہلو ۔۔۔ تھری ون ۔۔۔ برجیس نگر۔ ؟ ایڈیٹر ٹائمز ڈیلی اسپیکنگ پلینر ۔۔۔"

اس بار اور زیادہ سننے کی زحمت گوارہ نہ کر کے ڈاکٹر عارف نے رسیور زور سے ہک پر پٹک دیا۔ اپنی جیب سے اس نے سلمٰی کے کمرے کی کنجی نکالی اور کمرے سے نکل آیا۔ ہال کو پار کر کے اور زینہ چڑھ کر وہ اوپری منزل پر پہنچا اور پھر سب سے اوپر کی سیڑھی پر پہنچ کر وہ اچانک تیزی سے دوڑ پڑا۔ سلمٰی کے کمرے کے سامنے پہنچ کر اس نے تالے میں کنجی داخل کر کے دروازہ کھولا اور سلمٰی کے بستر کے قریب جا پہنچا۔

اور کچھ منٹ بعد جب وہ کمرے سے باہر نکلا تو اس کے دماغ میں صرف ایک خیال تھا۔ سلمٰی اب تک اپنے بستر پر پڑی تھی۔ اور اس کی حالت پر سکون نظر آتی تھی۔

لیکن کیسا سکون ــــ؟

لیکن کیا کوئی نیند موت کی نیند سے زیادہ پرسکون ہوسکتی ہے ؟!

غریب سلمیٰ، جس کے لئے نہ جانے کیوں عارف کے دل میں اتنی ہمدردی پیدا ہوگئی تھی اپنے بستر پر مردہ پڑی تھی!

اور نیچے ٹیلیفون کی گھنٹی پرشور آواز میں رات کے سناٹے کو قطع کررہی تھی!!!

کتاب دوم ختم ہوئی

کتاب سوم

خوف و ہراس

بے معنی سراغ

سوادِ محمل کی جستجو میں ہزار دل دشتِ طلب سے گزرے
نہ محمل آیا نظر نہ ناقہ فقط کچھ اٹھتا غبار دیکھا

شرلاک ہومز ہندوستان میں

چہ میگوئیاں

(کرائم رپورٹر " ڈیلی" ۲ر مئی ۴۳ء کی اشاعت)

جاسوسی ناولوں کی نامور مصنف کی پراسرار موت۔

نامعلوم پراسرار طاقت کا دوسرا شکار

(روزنامہ " انقلاب" بمبئی)

قوت ارادی ــــــ! ایک نئی سنسنی خیز ایجاد ــــــ؟

(ٹائمز " ڈیلی بمبئی)

خیالات کی لہروں سے قتل ــــ؟ قوت متخیلہ کا کرشمہ ــــ؟ یہ کیسی پراسرار طاقت ہے؟

عوام کے خیالات

" ہاں بہن! ہم لوگوں نے ریڈیو پر یہ خبر سنی۔ میرے میاں کو تو یہ یقین ہی نہیں آتا تھا۔ میں نے ان سے کہا کہ اگر تم آل انڈیا ریڈیو کی خبروں پر یقین نہیں کرسکتے تو پھر کس پر یقین کروگے؟"

- ہاں...... آج تو جدھر جاؤ لوگ اسی بات کا تذکرہ کرتے ہوئے ملتے ہیں۔ میرے بھائی جان بی بی سی نگر یا در ہاؤس میں لازم ہیں۔ انھوں نے تفصیل سے سب کچھ بتلایا ہے۔ ایسی خبریں ہیں کہ میرے تو سن کر رونگٹے کھڑے ہوگئے۔"

"ہومس لوسی! کبھی تم نے جاسوسی ناولوں کی مصنفہ کے قتل کا قصہ سنا ـــ؟"

"ہاں ڈارلنگ! بڑا عجیب قصہ ہے۔ کیوں نہیں ہماری حکومت ہٹلر کے قتل کے لئے اس پر اسرار پروفیسر کی خدمات حاصل کر لیتی! لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا یہ قوت ارادی کیا بلا ہے؟"

"ارے! بالکل وائرلیس کے ایسے اصول ہیں۔ ہاں یہ طاقت لاسلکی کی لہروں سے ذرا زیادہ اہم ہے۔"

"لیکن کیا عدالت پروفیسر خطیب کو، جس نے سلمیٰ سلیم کو قتل کیا ہے، کوئی سزا دے گی؟"

"اجی حکیم صاحب! آپ بھی کن وقتوں کی باتیں کرتے ہیں۔ اب ہم پہ اسنے لوگوں کا زمانہ لد چکا صاحب۔ اب نیا زمانہ ہے نیا زمانہ!۔ جو کچھ نہ ہو جائے تھوڑا ہے۔ نئی نئی ایجادیں ہو رہی ہیں۔ بتلائیے شروع میں کسے یقین تھا کہ لکھنؤ میں اندر بیٹھ کر آپ میری باتیں سن سکیں گے، یا ہوا میں پرواز کر سکیں گے۔ آج سب کچھ ممکن ہے۔"

"پھر بھی قبلہ! یہ بات سمجھ میں آنیوالی نہیں ہے۔ اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ نعوذ باللہ خدا نے اس شخص خطیب کے قبضہ میں ملک الموت کو دیدیا ہے۔ اور خطیب جس شخص کو مرنے کا حکم دیتا ہے، ملک الموت جا کر اس کی روح قبض کر لیتا ہے۔ یا اللہ تیری پناہ۔ مجھے تو شک ہونے لگا ہے یہ شخص خطیب کہیں دجال تو نہیں ہے جس کے بارے میں حدیثیں کہتی ہیں کہ اسے موت پر پورا اختیار ہوگا۔ یا اللہ اپنی اماں میں رکھنا ـــ ہاں صاحب کیوں نہ ہو۔ چودھویں صدی بھی تو چل رہی ہے۔ سب قیامت کے آثار ہیں ـــ!"

"کیا بات کرتے ہیں آپ بھی — !" اجی مولانا صاحب، کلام اللہ میں بڑی طاقت ہے۔ کون سی جنگ تھی وہ، مجھے یاد نہیں آرہا۔ ہمارے حضور نے، قربان جائیے ان کے قدموں میں۔ ہزاروں کافروں کے مقابلے پر کچھ آیتیں پڑھنے کے بعد ایک مٹھی ریت پھینک دی تھی اور وہ سب کے سب اندھے ہوگئے۔ تو یہ سب کیا تھا — ؟ کلام اللہ کی تاثیر — وہ پاک بے نیاز ہر طاقت پر قادر ہے بھائی۔ اس کی قدرت میں کسی کو دخل نہیں۔ اس کے اسرار کون جاسکتا ہے — جناب یہ بھی کلام اللہ کی تاثیر ہی تھی کہ مولانا خطیب نے دو میل دور بیٹھ کر عمل کیا اور وہ نئی فیشن کی چڑیا، جو نادلیں لکھا کرتی تھی، اپنے مقفل کمرے کے اندر پڑے پڑے ٹیں ہوگئی۔ جی ہاں — پڑھئے کلمہ لا الہ الا اللہ —"

"ہلو مسٹر لیونارڈ — کیا تم نے کچھ سنا — ؟

"کیا کوئی نئی خبر ہے — ؟

"جیسے تم انگلینڈ میں رہتے ہی نہیں ہو — مسٹر آج بی۔ بی۔ سی نے اعلان کیا ہے کہ انڈیا میں کئی سائنسدانوں نے ایک نئی ایجاد کی ہے —"

"کیسی ایجاد مسٹر ہارولڈ — ؟"

"اس سے کوسوں دور بیٹھ کر کسی انسان کو قتل کیا جاسکتا ہے —"

"کیا واقعی — ؟" تب تو اس جنگ کا خاتمہ سمجھو۔ ہاں ہماری گورنمنٹ کو اس سائنسداں کا خاص خیال رکھنا چاہئیے، کہیں ہٹلر کے جاسوس اسے بھی نہ لے اڑیں — !"

(۱۴)

منگل کے دن ڈاکٹر عارف سنٹرل بمبئی کے اسٹیشن سے باہر نکل کر ایک طرف کو ہو لیا۔ وہ 'ناز ہوٹل' میں جا رہا تھا جہاں کر سر سلطان اور چیف انسپکٹر نیاز کے ساتھ پرنس سلیم کے قتل پر غور وخوض کرنے کی بات طے پائی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ بمبئی جیسے عظیم شہر کی رنگا رنگیوں میں وہ کم از کم کچھ دیر کے لئے ان ہولناک حالات کو بھلانے کے قابل ہو سکے گا جن سے وہ حال ہی میں دو چار ہو چکا تھا۔ لیکن یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ دوسرے جگہوں پر اس سلسلے میں تو صرف معمولی چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں لیکن یہاں اس سلسلے میں باقاعدہ غل غپاڑہ مچا ہوا ہے۔ راہ میں ہزاروں شخص اسی معاملے پر چرچا کر رہے تھے۔ بازار میں دیواروں پر اخبارات کے بڑے بڑے پوسٹر لگے ہوئے تھے جن پر سلیم کے قتل کی سنسنی خیز سرخیاں چھپی ہوئی تھیں۔

'ناز ہوٹل' کے وسیع ہال میں پہنچ کر اس نے ایک ویٹر کو بلایا جو اسے لے کر اس کیبن میں پہنچا جہاں چیف انسپکٹر نیاز پہلے سے موجود تھا۔ چند منٹ بعد سر سلطان بھی آپہنچا۔ شارک اسکن کے بہترین سوٹ اور فلٹ ہیٹ میں اس کی شخصیت کچھ اور بھی بارعب ہو گئی تھی۔ مصافحہ کرنے کے بعد نیاز نے دریافت کیا۔

"آپ کو کچھ دیر ہو گئی سر سلطان ۔۔؟"

"جی ہاں اس دوران میں بہت مصروف تھا۔۔" سر سلطان نے عینک صاف کرتے ہوئے کہا۔۔ "مرکزی حکومت سے ملٹری انٹیلیجنس ڈپارٹمنٹ کے چیف کا عہدہ

قبول کرنے کے لئے بہت زور دیا جارہا ہے۔ ابھی تک تو میں انھیں ٹالتا رہا ہوں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ پہاڑ زبردستی میرے سر پہ لاد دیا جائے گا۔ انہیں وجوہات سے میں کل "پیلی کوٹھی" نہیں جاسکا۔ حالانکہ سلمٰی کے قتل کے بارے میں خبر پڑھ کر میری دلچسپی اس کیس میں بہت بڑھ گئی ہے۔ بہرحال اب میں نے حکام سے اس وقت تک کے لئے مہلت حاصل کرلی ہے جب تک تمہارے یہ "پیلی کوٹھی والے اسرار حل نہیں کرلیتا۔"

چیف انسپکٹر نے مینو دیکھ کر بیرے کو کھانا لانے کا آرڈر دیا۔ سلطان نے کچھ توقف کے بعد پھر کہا۔

میں اس سلسلے میں چند مشہور سائنسدانوں سے مل چکا ہوں اور موت کے اُن شعاعوں کا حال معلوم کررہا تھا، جن سے دور رہ کر کسی شخص کو قتل کیا جاسکتا ہے۔ لیکن وہاں بھی مایوسی ہوئی۔ نازیوں سے جنگ کے لئے امریکی اور انگریز سائنسدانوں نے ابھی حال ہی میں موت کی جو شعاعیں ایجاد کی ہیں وہ صرف نصف میل کے حلقے میں ہی کام کرسکتی ہیں۔ علاوہ ازیں اُن سے مرنے والا جھلس جاتا ہے۔ جبکہ ہمارے اس کیس میں موت کا کوئی سبب ہی نہیں معلوم ہوتا۔ عجیب قسم کے پراسرار حالات میں ہمیں کام کرنا ہے۔"

"ذرا اِدھر دیکھیئے۔" چیف انسپکٹر نے کھڑکی سے باہر کی طرف انگلی سے اشارہ کیا۔ سامنے ایک بلڈنگ کی دیوار پر اخبار کا بڑا سا پوسٹر چپاں تھا۔ "آخر یہ سب کب تک اس کیفیت جاری رہے گی؟ سیکریٹ سروس کے کمشنر صاحب آج بُری طرح جھنجھلا رہے تھے۔"

"مجھے معلوم نہیں۔ لیکن بہت جلد اس کا انسداد کرنا پڑے گا۔"

"اور کیا آپ کے خیال میں سلمٰی کا قتل واقعی پروفیسر خطیب نے کیا ہے۔؟"

"بیشک!" سر سلطان نے جواب میں کہا۔" یہ سب اسی کی کارستانی ہے۔"
"میں نے اپنی تمام عمر میں نہیں دیکھا کہ کسی معاملے کو لے کر اخبارات نے اتنا تہلکہ مچایا ہو۔ علاوہ ازیں، پارکوں، ٹرینوں، ٹراموں، اور بسوں میں، جہاں بھی کچھ لوگ جمع ہوتے ہیں بس اسی بات کا تذکرہ ہوتا ہے۔ پولیس اور سیکریٹ سروس والوں کو گالیاں دی جاتی ہیں۔ ناکارہ قرار دیا جاتا ہے۔ ہر شخص کی زبان پر "قوت ارادی" اور "خیالات کی لہریں" کا ذکر ہے۔ آج مجھے پہچان کر ایک شخص نے ٹرام میں پکڑ لیا اور پوچھنے لگا کہ آخر ہم لوگ پروفیسر خطیب کو گرفتار کر کے جیل میں کیوں نہیں ٹھونس دیتے؟ اخبارات ہیں کہ الگ جان کھائے جا رہے ہیں۔ غالباً انھیں مخالف سیاسی پارٹیوں کے لوگ اُکسا رہے ہیں ——"
"کیا تم یہی جاننا چاہتے ہو کہ اخبارات کو کون اُکسا رہا ہے ——؟" سر سلطان نے مسکرا کر کہا۔
"جی ہاں —— ورنہ اس واقعہ کو لے کر کیوں اتنا شور و غل مچایا جا رہا ہے؟ ——"
"تو برخوردار سن لو کہ میں مختلف اخبارات کے مدیروں سے مل چکا ہوں۔" سر سلطان نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔" اور شاید تم میرے ذاتی اختیارات سے واقف ہو گے۔ مدیران میں سے بہت سے میری مٹھی میں ہیں اور اگر میں چاہوں تو ایسے کچھ ثبوت میرے پاس ہیں جنھیں پیش کرنے پر ان اخبارات کا ڈکلریشن ضبط ہو سکتا ہے۔ کچھ سے میرے دوستانہ تعلقات بھی ہیں۔"
"آخر آپ کہنا کیا چاہتے ہیں ——؟"
"یہی کہ میری ایما پر ہی اس معاملے کو اتنی ہوا دی جا رہی ہے۔ میری ہی تجویز سے لوگوں کا خیال زیادہ سے زیادہ پروفیسر خطیب کی طرف مائل کیا جا رہا ہے۔ ورنہ شاید مٹھی میں بھی ایک بھی شخص ایسا نہ تھا جو پروفیسر خطیب کے دعووں پر یقین کرے ——"

"لیکن ــــ لیکن لوگ تو سچ مچ اب پروفیسر خطیب کو، اُستاد گرو سمجھنے لگے ہیں۔"

"ہاں برخوردار!" سرسلطان نے قہقہہ لگایا ــــ "ہم لوگوں کی طرف سے پروفیسر خطیب کو مسکہ لگایا جارہا ہے۔ اسے اپنی اہمیت کا احساس دلایا جارہا ہے۔ انتظار کرو۔ شاید کل رات کو تم اسے ریڈیو پر تقریر کرتے ہوئے سنو گے ــــ"

"اُف رحم خدا!" چیف انسپکٹر نیاز نے بوکھلا کر کہا ــ "تب تو سمجھ لیجئے کہ سیکریٹ سروس والوں کی موت آگئی۔ کیا واقعی آل انڈیا ریڈیو نے اس کی تقریر براڈ کاسٹ کرنے کا ارادہ کر لیا ہے ــ؟"

"نہیں۔ بلکہ ریڈیو سیلون اس کی تقریر براڈ کاسٹ کرے گا ــــ!" سرسلطان نے اور زور سے ہنس کر کہا ــــ "ریڈیو سیلون سے جمعرات کی رات کو کچھ خاص پروگرام نشر کئے جاتے ہیں۔ انھیں میں کمرشل پروگرام بھی ہوتے ہیں۔ بڑی بڑی تجارتی فرمیں خطیر معاوضے دے کر فلم کے ایکٹروں اور مشہور آدمیوں سے اپنی چیزوں کی سفارش کراتے ہیں۔ تاکہ ان کے مال کی بکری زیادہ ہو ــــ اور کل رات کو غالباً شیو شنکر بسکٹ فیکٹری کا نمائندہ ریڈیو سیلون پر اعلان کرتا سنائی دے گا ــــ "حضرات اب آپ وقت کی مشہور ترین شخصیت پروفیسر خطیب کی زبانی سنئے کہ وہ کس طرح شیو شنکر بسکٹ، کی مدد سے اپنی جسمانی توانائی کو برقرار رکھتے ہیں۔ اور جسمانی توانائی کے بغیر روحانی طاقت حاصل کرنا کتنا ناممکن ہے ــ وغیرہ وغیرہ ــــ"

"اور شاید آپ ہی نے شیو شنکر بسکٹ فیکٹری والوں کو اس بات پر راضی کیا ہوگا ــ؟"

"کیوں ــــ؟ تمھیں کوئی اعتراض ہے ــــ؟" سرسلطان نے لطف لیتے ہوئے کہا۔

چیف انسپکٹر نیاز نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ سرسلطان کو ایسی عجیب نظروں سے دیکھ

رہا تھا جیسے اس کا خیال ہو کہ اس بوڑھے کو ملٹری انٹیلیجنس ڈیپارٹمنٹ کا چیف ہونے کے بجائے پاگل خانے میں ہونا چاہیئے۔

لیکن سر سلطان مذاق نہیں کر رہا تھا اُس نے مکمل سنجیدہ ہو کر کہا ——

"نیاز! انہیں مجھ پر بھروسہ کرنا چاہیئے۔ میں بوڑھا آدمی ہوں۔ بغیر سوچے سمجھے کوئی قدم تو اٹھایا نہ ہوگا۔ لیکن ہاں ....."

"جی ہاں —— لیکن کیا —— ؟"

"میں نے ایک آخری داؤں لگا دیا ہے۔ اگر خدانخواستہ بازی الٹی ہو گئی تو پھر میں اپنا بوریا بستر لپیٹ کر سراغرسانی کے پیشے سے الگ ہو جاؤں گا ——"

"یعنی آپ بھی اس بارے میں پریشان ہیں —— ؟"

سر سلطان واقعی بہت متفکر ہو گیا — "ہاں نیاز —!" اس نے کہا — "ہمیں بہت جلد کوئی ٹھوس قدم اٹھانا پڑیگا۔ ابتک ہمارے پاس کوئی حربہ نہیں ہے جبکہ ہمارا دشمن پروفیسر خطیب بہت سارے حربے لئے بیٹھا ہے۔ ہمیں اصل حالات کا صحیح علم بھی اب تک نہیں حاصل ہوا۔ میں نے تمہاری مفصل رپورٹ اس سلسلے میں پڑھ لی ہے۔ اور ڈاکٹر عارف تمہاری وہ رپورٹ بھی جو تم نے سلیم اختر کے پوسٹ مارٹم پر تیار کی تھی۔ کیا کل سلمیٰ سلیم کا پوسٹ مارٹم بھی تم ہی نے کیا ہے —— ؟"

"جی ہاں ——"

"اس کی لاش کے پوسٹ مارٹم سے موت کا کوئی سبب معلوم ہوا —— ؟"

"جی نہیں ——" عارف نے کہا — "ہاں یہ ضرور معلوم ہوا کہ غالباً اپنے شوہر کی موت کے صدمے سے اس کی تندرستی پر خراب اثر پڑا تھا۔ اور قاتل کے لئے اس کا ایسا

کرنل سکار ملنا مشکل تھا۔"

"ہوں ۔۔۔" اس نے گہرے خیالات میں ڈوبتے ہوئے کہا۔ "اچھا عارف! اب تم وہ تمام واقعات پوری تفصیل کے ساتھ مجھے سناؤ جو اتوار کی رات کو "سیلی کوٹھی" میں تمہیں پیش آئے۔ اچھی طرح یاد کر کے تمام باتیں بیان کرو کوئی خفیف سا واقعہ چھوٹنے نہ پائے ۔۔۔ ہاں تو جب ہم لوگ تمہیں سلمیٰ سلیم کے ساتھ "سیلی کوٹھی" میں چھوڑ کر چلے آئے تو کیا ہوا ۔۔۔؟"

کھانے کے دوران میں عارف نے تمام حالات سنا ڈالے۔ متعدد لوگوں کو واقعات بتلا بتلا کر وہ بری طرح اُوب چکا تھا لیکن پھر بھی اس نے اچھی طرح یاد کر کے بڑے محتاط لہجے میں پورے حالات بیان کر دیئے۔ اس تمام دوران میں سر سلطان کھانا کھاتے ہوئے بڑے غور سے عارف کی کہانی سنتا رہا۔ لیکن ان میں سے کسی کو یہ نہ معلوم ہو سکا کہ سر سلطان نے کہانی کے کس حصے کو زیادہ اہمیت دے کر سنا ہے۔

ڈاکٹر عارف کا بیان ختم ہونے پر سر سلطان نے چمچے پلیٹ میں رکھتے ہوئے پُر خیال انداز میں کہا ۔۔۔ "ہوں ۔۔۔! تو بس یہ تمہاری روداد ہے ۔۔۔؟"

- سر سلطان ۔۔۔!" چیف انسپکٹر نے کہا ۔۔۔" اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ مسز سلیم کے بارے میں ہمارا قائم کردہ خیال غلط تھا ۔۔۔"

- "اور اگر تمہارا یہ خیال ہے تو پھر اس سلسلے میں غور کرو کہ کسی وجہ سے تم نے ایک غلط نظریہ قائم کیا تھا ۔۔۔؟ اندازہ لگانے کی کوشش کرو ۔۔۔"

- "میں اب قیاس اور اندازے قائم کرنے سے اُکتا گیا ہوں۔ سر سلطان ۔۔۔! اب ہمیں حقیقی حالات معلوم ہونے چاہئیں ۔۔۔"

سر سلطان نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔ "پہلے یہ بتاؤ کہ کیا تمہیں پورا یقین ہے کہ پروفیسر خطیب اتوار کی رات کو "بیلی کوٹھی" میں نہیں تھا ۔۔۔؟"

"جی ہاں ۔" چیف انسپکٹر نے پورے وثوق سے تائید کی ۔" اس میں ذرہ برابر شک کی گنجائش نہیں ہے ۔ آپ کو یہ تو یاد ہوگا کہ صبیو کو اسٹیشن پر چھوڑ کر ہم لوگ "نشاط ریسٹوران" میں گئے تھے اور پروفیسر خطیب سے ملنے کی کوشش کی تھی لیکن اس نے ملنے سے انکار کر دیا تھا ۔۔۔"

"ہاں ، ہاں ۔ آگے کہو ۔۔" سر سلطان نے کہا ۔

"خیر تو میں نے سیکریٹ سروس کے چار آدمی جو سادہ لباس میں ملبوس تھے ، اس کی نگرانی پر متعین کر دیئے تھے ۔ اور پروفیسر خطیب کم از کم نو بجے سے لے کر بارہ بجے کے بعد تک ایک لمحہ کے لئے ان کی نگاہوں سے علیحدہ نہیں ہوا ۔ وہ لوگ کہتے ہیں کہ بارہ بجے سے کچھ پہلے اس کے چہرے سے یوں معلوم ہوتا تھا جیسے اُسے کوئی روحانی تکلیف ہو رہی ہے ۔"

"اور جب وہ ٹیلیفون کر رہا تھا ۔۔۔؟"

"اس وقت بھی میرے آدمی نگاہ رکھے ہوئے تھے ۔ حالانکہ ہوٹل میں شور وغل کی وجہ سے وہ سن نہیں سکے کہ وہ کیا کہہ رہا تھا ۔ لیکن تمام فون اُن لوگوں کے سامنے کئے ۔ بہرحال اس میں شک نہیں ، کہ حکومت کے چار ذمہ دار ملازم اس بات کے گواہ ہیں کہ پروفیسر خطیب نو بجے سے لے کر بارہ بجے کے بعد تک "نشاط ریسٹوران" کے باہر نہیں نکلا ۔۔۔"

اس نے کچھ رک کر کہا ۔۔۔ "لیکن دوسری طرف ڈاکٹر عارف کا خیال ہے کہ انھوں نے پروفیسر خطیب کو تقریباً ساڑھے گیارہ بجے "بیلی کوٹھی" میں دیکھا تھا ۔۔۔! کتنی عجیب بات ہے ۔۔۔؟"

سر سلطان نے دریافت کیا۔ "کیا تمہیں یقین ہے عارف کہ تم نے پروفیسر خطیب کو 'نیلی کوٹھی' میں ایک کھڑکی سے جھانکتے ہوئے دیکھا تھا؟"

"جی ہاں —" عارف نے کہا — "ایک لمحے کے لئے میرے دل میں خیال پیدا ہوا تھا کہ کہیں میری نگاہ نے مجھے دھوکا تو نہیں دیا — لیکن بعد میں ٹھنڈے دل سے بیٹھ کر غور کرنے پر مجھے یاد آیا کہ نہیں میں نے واقعی اسی کھڑکی کے شیشے سے جھانکتے ہوئے صاف دیکھا تھا —"

"ناز ہوٹل" میں گاہکوں کی کثرت سے کافی شور و غل ہو رہا تھا۔ ڈاکٹر عارف نے ایک بار پھر تصور ہی تصور میں خود کو 'نیلی کوٹھی' کے ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوئے دیکھا پھر اُسے پروفیسر خطیب کا چہرہ جھانکتا ہوا دکھائی دیا تھا — اس نے پورے یقین سے کہا —

"ہاں سر سلطان! مجھے اچھی طرح یاد آتا ہے کہ میں نے خطیب کو ساڑھے گیارہ بجے کے قریب "نیلی کوٹھی" میں دیکھا تھا — ضرور وہ خطیب تھا یا پھر اس کا بھوت۔"

"ہاں ممکن ہے خطیب کا ہمزاد ہی تمہیں 'نیلی کوٹھی' میں اتوار کی رات کو دکھلائی دیا ہو —" سر سلطان نے بغیر کسی استعجاب کے کہا —

"ہمزاد —!" چیف انسپکٹر نے حیران ہو کر سر سلطان کو دیکھا — "یہ کیا بکواس ہے؟ کیا آپ کا خیال ہے کہ پروفیسر خطیب لوگوں کو نہ صرف اس طرح قتل کر سکتا ہے کہ ان کی لاشوں سے موت کا باعث نہ معلوم کیا جا سکے — بلکہ ایسی قوت کا مالک بھی ہے کہ کسی ایک جگہ موجود رہ کر اپنے ہمزاد کو دوسری جگہ بھیج سکے —؟"

"پھر تم ڈاکٹر عارف اور اپنے چار آدمیوں کے بارے میں کیا کہو گے جو ایک

بتا وقت میں پروفیسر خطیب کو دو مختلف مقامات پر دیکھنے کی قسم کھاتے ہیں؟"

"میں کچھ نہیں کہہ سکتا، میں کچھ نہیں کہہ سکتا ـــ مجھے صرف اتنا معلوم ہے کہ اگر حالات اسی روش پر بڑھتے رہے تو میں بہت جلد پاگل ہو جاؤں گا۔ سچ کہتا ہوں سر سلطان بہت جلد پاگل ہو جاؤں گا۔"

"ہوش و حواس بجا رکھو نیاز!" سر سلطان نے اپنی عینک ٹھیک طرح ناک پر جماتے ہوئے تاکید کی ـــ "اور خدارا میز کو اس طرح نہ پیٹو کہ معلوم ہو کہ زلزلہ آگیا ہے۔ میری طرح ہر حالت میں دماغی سکون قائم رکھنا سیکھو۔ اور ہاں۔ تمہارے گھر میں تو سب خیریت ہے۔ بچہ کیسا ہے ـــ؟"

نیاز کے چہرے پر کچھ رونق بڑھ گئی ـــ "جی خدا کا شکر ہے ـــ" اس نے کہا ـــ "سب خیریت ہے۔ بچے کا آپریشن بخیر و خوبی ہو گیا ہے۔ میری بیوی اسی کے ساتھ ہسپتال میں ہے اور امید ہے کہ بچہ بہت جلد تندرست ہو جائے گا۔"

"بڑی خوشی کی بات ہے ـــ" سر سلطان نے کہا۔

"شکریہ ـــ"

"ہاں ـــ" سر سلطان نے کچھ یاد کر کے کہا ـــ "پچھلی ملاقات پر تم نے بتلایا تھا کہ تم پروفیسر خطیب کے بارے میں حالات معلوم کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔ تمہیں اپنی کوشش میں کچھ کامیابی ہوئی ـــ؟"

"جی ہاں۔ بہت کوشش کے بعد تھوڑے سے حالات معلوم ہو سکے ہیں ـــ"

"کیا ـــ؟"

"اس معلومات کا کچھ حصّہ تو مجھے ایم فیروز سے معلوم ہوا ہے اور بقیہ حالات

خوش قسمتی سے" نشاط اور سیٹھو رمان کے ذریعے معلوم ہو گئے۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں ہمارے سامنے سب سے اہم سوال یہ تھا کہ یہ شخص پروفیسر خطیب دراصل ہے کون؟ کہاں سے آیا ہے؟ اور کام کیا کرتا ہے؟ کل میں نے ایم فیروز سے ملاقات کی۔ کیونکہ میرے خیال میں مسٹر اور مسز سلیم کے انتقال کے بعد وہی واحد شخص ہے جس سے خطیب کے بارے میں کچھ معلوم کیا جا سکتا ہے۔"

"اتنی طویل تمہید کافی ہے۔" سر سلطان نے کہا۔ گو کہ اس کے لہجے سے اکتاہٹ کے آثار قطعاً ظاہر نہ ہوتے تھے "اب تم بیان کرو کہ خطیب کے بارے میں کیا باتیں تمہیں معلوم ہوئیں؟"

"جی میں بتلاتا ہوں ویسے میں نے ایم فیروز کو اس بات پر راضی کر لیا ہے کہ وہ آج آ کر اسی ہوٹل میں ہم سے مل لے۔ امید ہے آپ اس سلسلے میں براہ راست اس سے گفتگو کرنا پسند کریں گے۔ خیر یہ تو ایک فروعی چیز تھی۔ دراصل میں ایم فیروز سے معلوم کرنا چاہتا تھا کہ پروفیسر خطیب کے پاس کون کون یونیورسٹیوں کی ڈگریاں ہیں؟ معلوم ہوا کہ اس نے بنکاک یونیورسٹی سے ایم۔ایس سی کیا ہے اور رنگون یونیورسٹی سے سائیکالوجی میں ایم۔اے کیا ہے۔ میں نے ہر دو یونیورسٹیوں کو سیکرٹ سروس کی طرف سے کیبل گرام بھیجے تھے۔ اور ان کے جواب بھی آج صبح آ گئے۔ وہ لوگ کوئی خاص بات نہیں بتلا سکے۔ سوا اس تصدیق کے کہ تقریباً پندرہ سال پہلے اس نے ہر دو امتحانات ان یونیورسٹیوں سے امتیازی نمبروں کے ساتھ پاس کئے تھے۔ ہاں رنگون یونیورسٹی سے اتنا اور معلوم ہوا ہے کہ سرٹیفکیٹ میں اسے اپنا نام خطیبی لکھوایا تھا خطیب نہیں ـــــ!"

"اچھا اور کیا معلوم ہو سکا ہے ۔۔۔؟"

"دوسری واقفیت گو وہ خاص نہیں ہے "نشاط ریسٹوران" کے مالک سے حاصل ہوئی ہے۔ ان کے یہاں قاعدہ ہے کہ ہوٹل میں قیام کرنے والے غیر ملکوں کے پاسپورٹ نمبر وغیرہ درج کر لئے جاتے ہیں میں نے اس رجسٹر سے وہ نمبر نقل کر لیا تھا میں نے اس سلسلے میں مفصل تفصیلات بھیجنے کے لئے انڈونیشیا کے ہوم ڈپارٹمنٹ کو کیبل بھیجا ہے۔

"پھر کوئی جواب ملا ۔۔۔؟" سر سلطان نے پوچھا۔

"افسوس اب تک تو نہیں ملا۔"

"اور نہ ہی امید رکھو۔" سر سلطان نے کہا۔ "آجکل ہر جگہ دفتروں میں اس بےڈھنگے طور پر کام ہوتا ہے کہ بعد میں کوئی کام کی بات مشکل ہی سے معلوم ہوتی ہے۔۔۔ خیر۔ تم نے سلمیٰ کے قتل کے بعد "پیلی کوٹھی" جا کر تفتیش تو کی ہوگی۔ کیا کوئی مشکوک چیز یا انگلیوں کے نشانات وغیرہ وہاں پائے گئے ہیں؟" ۔۔۔ نیاز نے کہا "جی نہیں، میرے ساتھ دو ماتحت انسپکٹر اور تھے، "پیلی کوٹھی" کا چپہ چپہ چھان مارا لیکن کوئی کام کی بات نہیں معلوم ہو سکی ۔۔۔ رہے انگلیوں کے نشانات ۔۔۔؟ تو وہ بہت سے ملے ہیں۔ تقریباً ہم سے ہر شخص کے ہی، کیونکہ سبھی لوگ کسی نہ کسی وقت "پیلی کوٹھی" میں موجود رہ چکے ہیں سلمیٰ اپنے بستر پر مردہ پڑی تھی۔ اس کے چہرے پر مکمل سکون کے آثار تھے جیسے سوتے سوتے مر گئی ہو۔ اور خیال بھی یہی ہے کہ کیونکہ لیٹنے سے پہلے اس نے خواب آور دوا لھا رکھی تھی ۔ کیوں ڈاکٹر ۔۔۔؟"

"جی ہاں ۔۔۔"

چیف انسپکٹر نے سر سلطان سے کہا "میں نے جب اس کی لاش کو دیکھا تو باوجود

بہت کوشش کے اس کے جسم کے اوپر کسی قسم کی چوٹ یا ضرب کا نشان نہیں نظر آیا۔"

"نہ ہی پوسٹ مارٹم کرتے ہوئے مجھے اس کے اندرونی اعضا پر کسی ضرب یا چوٹ کے پہنچائے جانے کا اثر نظر آیا۔" ڈاکٹر نے کہا۔

"اور ویسے بھی ۔۔۔" چیف انسپکٹر نیاز نے کہا۔ "کوئی جسمانی چوٹ اس کے جسم پر کس طرح لگائی جا سکتی تھی جبکہ کمرہ اندر سے اچھی طرح بند تھا اور اس کے دروازے پر تالا لگا ہوا تھا۔"

"وہ تو خیر ناممکن نہیں ہے۔" ڈاکٹر عارف بولا۔ "دروازے میں آٹومیٹک تالا لگا ہوا تھا جو بہ آسانی دوسری کنجیوں سے کھولا جا سکتا تھا۔ لیکن میں اس پر یقین نہیں کرتا۔ کیونکہ اگر سلمیٰ کو کوئی جسمانی چوٹ پہنچائی جاتی تو پوسٹ مارٹم میں ضرور اس کی علامتیں نظر آتیں۔ میں نے سلمیٰ کو آخری بار زندہ حالت میں ساڑھے گیارہ بجے دیکھا تھا۔ پھر یہ اطمینان کر لینے کے بعد کہ غسل خانے کا دروازہ اور کھڑکیاں اندر کی طرف سے اچھی طرح بند ہیں، میں کمرے سے باہر نکل آیا اور دروازے میں تالا لگا دیا۔ تقریباً پندرہ منٹ تک میں زینے کی بالائی سیڑھی پر بیٹھا رہا۔ پونے بارہ بجے میں نیچے گیا اور فوراً ہی اخبارات کے نمائندوں سے گفتگو کرنے کے بعد غالباً تین چار منٹ کے اندر ہی اندر پھر اس کمرے میں جا پہنچا اور سلمیٰ اس وقت مر چکی تھی۔ یعنی اگر اسے کسی مادی طاقت کی ضرب پہنچا کر، یا بدن کے کسی حصے پر چوٹ لگا کر مارا گیا تو صرف ان تین چار منٹ کے درمیان میں، جب میں نیچے چلا گیا تھا۔ کیونکہ کمرے میں سلمیٰ کو زندہ چھوڑ کر باہر نکلنے کے باوجود میں ان تین چار منٹ کے علاوہ تمام عرصہ اس کے کمرے کے بالکل قریب سیڑھی پر بیٹھا تھا۔ زیادہ سے زیادہ اس سیڑھی کا فاصلہ جس پر میں بیٹھا تھا۔ سلمیٰ کے کمرے کے دروازے سے آٹھ دس

فیٹ رہا ہوگا۔"

"کیا تمہیں کسی قسم کی آواز نہیں سنائی دی ڈاکٹر۔" سر سلطان نے پوچھا اور یہ دیکھ کر چیف انسپکٹر کچھ کہنا چاہتا ہے، ہاتھ اٹھا کر بولا "ٹھہرو نیاز۔ پہلے عارف کا جواب سن لینے دو۔"

"جی نہیں، اس تمام اثنا میں جب میں سیڑھی پر بیٹھا کوئی آواز مجھے سنائی دی جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر سلمیٰ پر ضرب پہنچائی گئی تو اس قلیل عرصے میں سیڑھی سے اٹھ کر نیچے فون کا جواب دینے گیا ہوا تھا۔ فرض کیا کہ مسز سلیم کو مادی طاقت کی ضرب سے ہی ہلاک کیا گیا، تو اسی قلیل وقت میں قاتل نے کسی نقلی کنجی سے سلمیٰ کے کمرے کا دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوا، ضرب لگا کر اطمینان سے سلمیٰ کو قتل کیا۔ اپنی آمد کے تمام نشانات مٹا کر باہر نکلا، دروازے کو بند کر کے تالا لگایا اور پھر فرار ہوگیا۔ اور یہ تمام کام زیادہ سے زیادہ چار منٹ کے قلیل عرصے میں ہوگیا ـــــ نہیں جناب ـــــ یہ قطعاً ناممکن ہے۔"

"یعنی تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ وہ بھی اپنے شوہر سلیم کی طرح اپنے کمرے میں اکیلے پڑے ہوئے بغیر کوئی علامت چھوڑے ہوئے مر گئی ـــــ"

اس وقت چیف انسپکٹر نیاز کے دماغ میں ایک نیا خیال پیدا ہوا۔

"ذرا سنئے سر سلطان ـــ!" اس نے کہا ـــ "آپ اور عارف کی گفتگو سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جس وقت سلمیٰ کا انتقال ہوا، اس وقت "پیلی کوٹھی" میں ان دونوں کے علاوہ تیسرا آدمی موجود نہ تھا ـــ؟"

"مجھے نہیں معلوم ـــ ابھی ہم صرف اس بات پر غور کر رہے ہیں کہ پروفیسر کی جو جھلک عارف نے دیکھی تھی وہ حقیقی تھی یا نہیں ـــ"

"ذرا سنئے تو۔" چیف انسپکٹر نے کہا۔۔۔ "میں بھی یہی کہنا چاہتا ہوں۔۔ یا زیادہ صاف الفاظ میں یہ ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ اسوقت مکان میں ایک تیسری ہستی بھی موجود تھی۔۔۔!"

"آں۔۔۔!" عارف کا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا۔

"وہ موم بتیوں کا جوڑا تو تمہیں یاد ہی ہوگا جو سلمٰی کے کمرے میں دو شمع دانوں میں چپکی ہوئی تھیں۔۔۔؟"

"ہاں کہتے چلو۔۔۔" سر سلطان نے اپنی بھویں سکوڑ کر دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

"اتوار کی شام کو ہم لوگ جب "پیلی کوٹھی" سے روانہ ہونے لگے تھے تو میں آپ کے ساتھ بالائی منزل پر پروفیسر خطیب کا کمرہ دیکھنے گیا تھا اور پھر واپسی پر ایک نگاہ سلمٰی کے کمرے میں بھی ڈالی تھی۔ آپ نے ان موم بتیوں کی طرف اشارہ کرکے بتلایا تھا کہ وہ کسی پراسرار ہاتھ میں جلائی گئی تھیں کہ ان کے جلانے والے کا پتہ نہیں چل سکا تھا آپ کو یہ بھی یاد ہوگا کہ موم بتیاں تقریباً نصف انچ ختم ہو چکی تھیں۔۔۔"

"ہاں برخوردار ذرا جلدی کہہ چکو، تم کہنا کیا چاہتے ہو۔۔۔؟"

چیف انسپکٹر نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے ذرا ماخی انداز میں کہا۔

"کل وہاں جانچ کرنے پر مجھے معلوم ہوا کہ۔۔۔" وہ رک کر مسکرانے لگا۔

"چناہ بخدا۔۔۔ ارے میاں کہہ بھی چکو۔۔۔" جھنجھلا کر عارف نے کہا۔

"سلمٰی سلیم کی موت کے بعد وہ پراسرار موم بتیوں کا جوڑا نصف انچ اور جل چکا ہے!"

---

(۱۴)

میں نہیں جانتا کہ ان پراسرار قبیوں کا سلیم یا اس کی بیوی سلمیٰ کے قتل سے کیا تعلق ہے۔" چیف انسپکٹر نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "نہ ہی ہم اسے کوئی کارآمد سراغ کہہ سکتے ہیں۔ لیکن اس سلسلے میں میرا اپنا ایک نظریہ ہے پہلے تو میرے دل میں خیال پیدا ہوا تھا کہ یہ کوئی زہریلی گیس پیدا کرنے والی موم بتیاں ہیں۔ میں نے ایک جاسوسی ناول میں پڑھا تھا کہ ایک شخص زہریلی موم بتیاں جلا کر لوگوں کو قتل کیا کرتا تھا۔ لیکن دوا نے ہونے ڈاکٹر اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ یہ دونوں موتیں کسی رقیق، ٹھوس یا گیس کی شکل میں دیئے جانے والے زہر سے نہیں واقع ہوئیں۔" نیاز سانس لینے کے کچھ دیر لیے رک کر پھر بولا ——

"اس لئے یہ تسلیم شدہ امر ہے کہ موتیں ان موم بتیوں کے سبب سے نہیں ہوئیں ہاں ان سے ہمیں صرف اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ "بیلی کوٹھی" میں اتوار کی رات کو کوئی تیسری ہستی بھی موجود تھی، کیونکہ میں اور سلطان آخری اشخاص تھے جو "بیلی کوٹھی" سے عارف اور سلمیٰ کو اکیلا چھوڑ کر رخصت ہوئے..... اور یقینی بات ہے کہ ڈاکٹر عارف نے وہ موم بتیاں نہیں جلائی ہونگی —— کیوں عارف؟"

"نہیں جی —— مجھے کیا ضرورت تھی موم بتیاں جلانے بیٹھتا ——"

"اچھی بات ہے —— اور کوئی وجہ نہ تھی....." کہتا کہتا چیف انسپکٹر کچھ جھجکا یا —— "کہ مقتولین سلمیٰ سلیم انہیں جلانے بیٹھتی —— ذرا مشہور ڈاکٹر —— مجھے معلوم ہو

تم کیا کہنا چاہتے ہو — یہی ناکہ وہ جلا سکتی تھی — اچھی بات ہے میں تسلیم کرتا ہوں کہ موم بتیاں روشن کر سکتی تھی — لیکن اسے ضرورت کیا تھی انھیں روشن کرنے کی؟ کیا یہ سمجھ میں آنے والی بات ہے؟ — یہ اسی شکل میں ممکن ہے جبکہ سلمٰی نے خودکشی کی ہو — لیکن نہیں — ہم دیکھتے ہیں کہ اس کی موت زہر سے نہیں واقع ہوئی۔ اور موم بتیاں زہریلی گیس پیدا کرنے والی نہیں تھیں۔ اس لئے ان کے ذریعے کسی کی جان نہیں لی جا سکتی — لہٰذا سرسلطان اب آپ کیا کہتے ہیں —؟"

"یہ موم بتیاں روشنی پیدا کرتی ہیں —" سرسلطان نے پرمعنی انداز میں کہا —

"یہ موم بتیاں روشنی پیدا کرتی ہیں!" چیف انسپکٹر نے متعجب ہو کر سرسلطان کو دیکھا — "کیا مطلب؟"

"یہ موم بتیاں اس پراسرار کیس کی تاریکی میں ہمارے لئے روشنی پیدا کرتی ہیں — اور اب مجھے یقین آگیا کہ میں صحیح راستے پر ہوں — یہ تو بتلاؤ نیاز — ان موم بتیوں پر کسی کے انگلیوں کے نشانات تو نہیں پائے گئے —؟"

"جی نہیں —"

"اس سے ٹپکنے والی موم کی بوندیں تو فرش پر نہیں ملیں — تمہیں یاد ہوگا سلیم کے قتل کے بعد میں نے اس کے کمرے میں موم کی بوندیں پڑی ہوئی دیکھی تھیں —؟"

"دکھلائی تو نہیں دیں —" چیف انسپکٹر نے کہا۔

"ہاں میرا بھی یہی خیال ہے —" سرسلطان بولا — "اس بارے میں قاتل نے بہت احتیاط برتی ہوگی۔"

"اوہو" نیاز مسکرا کر سرسلطان کی طرف دیکھنے لگا — "یعنی آپ تسلیم کرتے ہیں کہ

اتوار کی رات کو قاتل سلمیٰ کے کمرے میں موجود تھا ــــ؟ ــــ سر سلطان از راہِ کرم اگر آپ کے دماغ میں اس معمّے کا کوئی حل آیا ہے کہ پروفیسر خطیب بیک وقت "بیلی کوٹھی" اور "نشاط رشید منزل" میں کیسے موجود تھا ــــ؟ ــــ ان سوم قبیوں کا راز کیا ہے ۔؟ تو از راہِ کرم مجھے اپنے خیالات سے واقف فرمائیے ــــ میں تو اپنا سر کھپا کر تھک گیا ــ"

"اور میرا خیال ہے تم اسی وقت تھک کر بیٹھ گئے، جبکہ اس سم سم کا دروازہ تم پر کھلنے ہی والا تھا۔ خیر ایک بار مجھے اور بتلاؤ پھر میں تمہیں کچھ بتلا سکوں گا۔ یہ تو بتلاؤ کہ اس یادداشت کی نوٹ بک کا تو کچھ سراغ نہیں ملا جس پر سلمیٰ سلیم نے "قتل کے نئے طریقے" لکھ رکھا تھا ــ؟"

"جی نہیں ــــ"

"کیا تم نے اسے تلاش کرنے کی کوشش کی تھی ــــ؟"

"واہ! آپ نے بھی کیا بات دریافت کی ہے سر سلطان! چیف انسپکٹر میز پر مکا مار کر بولا ــ" اجی صاحب میں، میرے دو ماتحت انسپکٹر، پولیس سپرنٹنڈنٹ رجبیں، نگراور اس کے کئی ماتحت اس نوٹ بک کی تلاش میں "بیلی کوٹھی" کا چپہ چپہ چھانتے پھرے ہیں۔ اور میں آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ وہ نوٹ بک "بیلی کوٹھی" میں نہیں ہے۔ لیکن مجھے اس کے نہ ملنے سے کوئی تعجب نہیں ہوا۔ آپ کو معلوم ہے کہ سلیم کے قتل کے بعد سے وہاں مقیم کئی اشخاص اپنا اپنا سامان لے کر باہر گئے ہیں۔ وہ کتاب انہیں میں سے کسی ایک کے سامان میں چلی گئی۔ کوئی اسے چرا لے گیا ــ"

"یہ محض امکانات میں سے ہے۔ مجھے برخوردار۔ اور میری جانب سے صرف اتنا ہی اعتراض ہے کہ مجھے اس بات کا یقین نہیں ہے۔ میں پہلے بھی یہی بات کہہ چکا ہوں

اور اب میں پھر ببانگ دہل کہتا ہوں کہ وہ نوٹ بک سلمیٰ نے اپنے قتل ہونے سے قبل کہیں حفاظت سے چھپا دی ہے۔ میں نے سلمیٰ کے کمرہ دیکھا ہے یہ بات معلوم کر لی تھی اور اب میں بڑی سے بڑی شرط لگا کر کہہ سکتا ہوں کہ وہ نوٹ بک "پیلی کوٹھی" میں ہی کہیں پوشیدہ ہے۔"

چیف انسپکٹر نے عارف سے کہا۔ "ڈاکٹر ــــ! تم نے وہ نوٹ بک دیکھی تھی۔ ذرا اس کی ضخامت تو بتلاؤ کیا تھی ــ؟"

کچھ سوچتے ہوئے عارف نے کہا ــ "تقریباً اٹھارہ انچ لمبی دس بارہ انچ چوڑی اور ایک انچ موٹی تھی ــ"

"اٹھارہ انچ لمبی اور بارہ انچ چوڑی ــ" چیف انسپکٹر نے سر سلطان کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "یعنی ایک خاص بڑی نوٹ بک تھی۔ اور اس پر چمڑے کی جلد چڑھی ہوئی تھی۔ وہ اس نوٹ بک کو جلا نہیں سکتی تھی، جیسا آپ نے خود کہا تھا۔ نہ کسی اور طریقے سے ضائع کر سکتی تھی۔ اس نے ڈاکٹر عارف کی آمد کے بعد "پیلی کوٹھی" سے باہر قدم نہیں نکالا۔ کیا آپ بتلا سکتے ہیں کہ اس نے وہ نوٹ بک کہاں چھپائی ہو گی کہ اتنے آدمیوں کو تلاش لینے کے باوجود اس کا پتہ نہیں چل سکا۔"

"ابھی میں خود نہیں جانتا، لیکن میں جلد ہی اسے تلاش کر لوں گا ــ" سر سلطان نے کہا۔

"آپ اسے اتنی اہمیت کیوں دیتے ہیں ــ؟ کیا اس کی مدد سے ہم ان تمام رازوں کو حل کر سکتے ہیں ــ؟" چیف انسپکٹر نے پوچھا۔

"ہاں۔ تقریباً یہی میرا قیاس ہے ــ" سر سلطان بولا۔

".. خدا کی قسم اگر اس نوٹ بک سے یہ سارا معمہ حل ہو جائے تو میں سمجھتا ہوں اسے بڑی وقعت کے ساتھ لال قلعہ کے عجائب گھر میں رکھوا دینا چاہئے۔ کتنی پراسرار ہے وہ نوٹ بک ــ پہلی بات تو یہ کہ وہ عام لوگوں کو نظر نہیں آتی، دوسرے یہ کہ اس سے ان دو پراسرار مجرم ہستیوں کا راز حل ہو

ہوتا ہے جو کہ اسوقت نصف انچ کم ہو جاتی ہیں جب کسی شخص کا قتل ہوتا ہے۔ تیسرے یہ کہ اس سے ایک ایسے شخص کا راز معلوم ہوتا ہے جو کہ بیک وقت دو مقامات پر موجود رہ سکتا ہے۔ جو ایسی پراسرار طاقت کا مالک ہے کہ خیالات کی لہروں سے ضرب پہنچا کر لوگوں کو قتل کر سکتا ہے ۔۔۔ "

سرسلطان نے اسے ٹوک کر کہا ۔" ہاں ٹھیک کہتے ہو۔ تمہارے اس پروفیسر خطیب کی شخصیت ابتک کسی معمے سے کم ثابت نہیں ہوئی۔ حالانکہ ہو سکتا ہے بعد میں معلوم ہو کہ وہ محض ایک عام آدمی تھا۔ جہانتک میں نے اس کے بارے میں قیاس کیا ہے وہ .... "

اس بار چیف انسپکٹر نے بات قطع کر کے کہا ۔" آپ نے ابتک پروفیسر خطیب کو دیکھا ہی نہیں ہے اس کے بارے میں قیاس کیسے قائم کر لیا۔ اس دن کمبخت نے " نشاط ریسٹوران " میں ملنے سے انکار ہی کر دیا۔ ورنہ آپ کی ملاقات بھی ہو جاتی۔ "

" اوہ! یہ تم نے کیسے سمجھ لیا کہ میں نے اسے دیکھے بغیر اس کی نسبت قیاس آرائیاں شروع کر دی ہیں ؟" سرسلطان نے اپنا چشمہ ناک سے اتار کر کہا۔ اور بغیر چشمے کے اسکی آنکھیں کچھ عجیب ڈراؤنی سی نظر آنے لگیں، جیسے وہ اچانک بہت بوڑھا ہو گیا ہو۔ شیشے صاف کر کے اس نے ناک پر عینک پھر جمالی اور وہ اپنی عمر سے دس سال کم کا معلوم ہونے لگا۔ عینک سے جھانک کر مسکراتی ہوئی آنکھوں سے اس نے کہا۔

" مجھے خطیب سے ملاقات کرنے یا گفتگو کرنے کا شرف تو بے شک ابتک حاصل نہیں ہوا، لیکن میں اسے دیکھ چکا ہوں۔ "

" ارے ۔۔! کب ۔ ؟ ۔۔ کہاں ۔۔؟ "

" کل رات کو ۔۔۔ گولڈن ہوٹل میں " سرسلطان نے کہا ۔" میری بھتیجی لاڈلی کی بچہ محل کچھ

دیکھنے کے لئے کھنچا چلا گیا تھا۔ واپسی میں ہم گولڈن ہوٹل میں چائے پینے گئے اور وہاں پروفیسر خطیب بھی موجود تھے۔ وہ وہاں مس صبیحہ کے ساتھ بیٹھا ہوا کافی پی رہا تھا۔"

یہ سن کر حیرت سے چیف انسپکٹر سیٹی بجانے پر مجبور ہو گیا۔ ڈاکٹر عارف کو بھی بہت تعجب ہوا۔ یا خدا! یہ آجکل ہر شخص کا رویہ اتنا عجیب اور رشک انگیز کیوں ہو گیا ہے؟ اس نے دل میں سوچا۔ اپنے خیالات میں محو ہونے کی وجہ سے سر سلطان کے چہرے پر آنے والے اثرات کو نہ دیکھ سکا۔

"اچھا۔" ڈاکٹر عارف نے کہا حالانکہ ایسا کہتے ہوئے اس کے اپنے دل میں حسد کا جذبہ پھانس کی طرح کسک رہا تھا۔ "پھر۔ صبیحہ کے خطیب کے ساتھ کافی پینے میں آپ کو کیا اعتراض ہے؟ میں خود ہی آج رات کو اسے اپنے ساتھ ہوٹل میں کھانا کھانے کے لئے مدعو کر چکا ہوں۔ گولڈن ہوٹل میں اس کی ملاقات اچانک خطیب سے ہو گئی ہوگی۔"

"مجھے تو اب خدشہ پیدا ہونے لگا ہے۔" چیف انسپکٹر نیاز نے خیال ظاہر کیا۔ "کہ کہیں یہ ہماری مس صبیحہ بھی تو پروفیسر کیساتھ سازش میں شریک نہیں ہے۔!"

"نہیں نیاز میرے عزیز۔!" سر سلطان نے اس لہجے میں کہا، جیسے شرلک ہومز اپنے احمق ساتھی واٹسن کو مخاطب کر رہا ہو۔ "پروفیسر خطیب کی سازش میں کوئی شریک نہیں ہے۔ وہ اکیلا شکار کھیلنے والا بھیڑیا ہے۔ تم لوگ ابھی اس خاص نکتہ پر نہیں پہنچے کے صبیحہ میں تمہیں متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔ وہ اسوقت بہت متاثر نظر آرہی تھی۔ شاید پروفیسر خطیب کی شخصیت سے اسے بہت خوف محسوس ہو رہا تھا کیونکہ اس کے چہرے کا رنگ اڑا ہوا تھا اور وہ کنکھیوں سے پروفیسر خطیب کی طرف دیکھتی جا رہی

تھی۔ ایک بار خطیب نے بیرے کو بلانے کے لئے ہاتھ اٹھایا تو بری طرح چمک گئی۔ وہ دم لینے کے لئے ایک وقفہ کے لئے رکا اور پھر لمبی سی سانس کھینچ کر بولا۔

رہا خطیب۔ ! تو وہ اسوقت زیادہ مسرور نظر نہیں آتا تھا۔ "گولڈن ہوٹل" کا ہال دراصل بہت چھوٹا ہے۔ اور رات کو اس میں کافی بھیڑ تھی۔ شاید خطیب جو کھلی ہوا میں بیٹھنے کا رسیا ہے، اسی وجہ سے کچھ بور ہو رہا ہو۔ ہاں وہ لگاتار صبیحہ کو ٹکٹکی لگائے دیکھتا رہا تھا۔ بھئی عارف ! میرا تو خیال ہے کہ وہ بھی مس صبیحہ کی زلف گرہ گیر کا اسیر ہو گیا"

اس نے غور سے ڈاکٹر عارف کو دیکھا جو اپنی دلی جذبات کو پوشیدہ رکھنے کے لئے جلدی جلدی پلکیں جھپکانے میں مصروف تھا۔ "میں اسوقت تمہارے نجی معاملات میں دخل انداز نہیں ہونا چاہتا ڈاکٹر، کیونکہ فی الحال ہمارے سامنے زیادہ ضروری باتیں طے کرنے کو پڑی ہیں۔ بہرحال تمہارا اور خطیب کا ایک ہی لڑکی سے . . . . بلو !" اچانک اس نے جملہ ناتمام چھوڑ کر دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

کیبن کے دروازے کی راہ سے انھوں نے صبیحہ اور ایم فیروز کو ہوٹل کے ہال میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا۔ ایک بار مڑ کر صبیحہ نے نیچے سڑک پر دیکھا۔ جہاں بمبئی کی عام گہما گہمی نظر آ رہی تھی لوگ لپکتے ہوئے، ایک دوسرے سے ٹکراتے ہوئے راہ طے کر رہے تھے۔ اتنے میں ایم فیروز کی نظر اس کیبن پر پڑ گئی جس کی راہ سے سرسلطان اندر بیٹھے ہوئے نظر آ رہے تھے اور جھٹ کر صبیحہ کے ساتھ وہیں آ پہنچا۔

" آداب عرض ہے صاحبان ! تسلیمات عرض ہے جناب "

ان لوگوں سے مصافحہ کر کے وہ دونوں کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ ایم فیروز نے کہا۔

" عارف میں بتلاؤں ابھی تم لوگوں کے درمیان کس کے بارے میں باتیں ہو رہی تھیں۔

میرے بارے میں ۔۔۔؟ یا مس صبیحہ کے بارے میں ۔ ؟ کیوں نا ۔ ؟"

ایم حارث اور مس صبیحہ ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ فیروز کی طرف متوجہ پاکر وہ دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"ٹھیک کہتے ہو تم ۔۔" سر سلطان نے حارث کی جگہ جواب دیا۔ پھر اس نے بیرے کو بلا کر کافی کا آرڈر دیا اور اپنا سگار کیس ایم فیروز کے سامنے رکھ دیا۔ فیروز ایک سگریٹ سلگا کر مرغولے بنانے لگا۔ صبیحہ نے کہا۔

"مسٹر فیروز! میں زیادہ دیر یہاں نہیں ٹھہر سکوں گی مجھے اور بھی کچھ کام ہیں۔ تم زبردستی مجھے اپنے ساتھ گھسیٹ لائے ۔ اچھی خاصی اپنے کام سے کھنڈی بازار کی طرف جا رہی تھی ۔۔۔ عجیب آدمی ہو ۔ "

فیروز نے مسکرا کر کہا ۔ " تمہیں اب معلوم ہوا ہے ۔" پھر وہ چیف انسپکٹر سے مخاطب ہو کر بولا ۔" ہاں صاحب! آپ نے مجھے اس جگہ کس لئے یاد فرمایا ہے۔ ؟ کیا کوئی اور بات دریافت کرنے سے رہ گئی تھی ۔ ؟ اور وہ سلمیٰ سلیم کا قتل ۔۔۔ پناہ بخدا بیچاری غریب عورت ۔ !" اس نے کس کر کرسی کے ہتھے پکڑ لئے اور اداس نظروں سے کھڑکی کے باہر تاکنے لگا۔ پھر دھیرے دھیرے جذباتی لہجے میں بولا۔

" پہلے تو مجھے یقین ہی نہیں آتا۔ وہ بھولی بھالی بڑی بڑی آنکھوں والی عورت۔ وہ ذہین ناول نگار ۔۔ جو عمر بھر سنسنی خیز ناولیں لکھتی رہی، آج خود لوگوں کے لئے سنسنی کا باعث بنی ہوئی ہے۔ ذرا اخبارات کے ان پوسٹروں کو تو دیکھئے۔ ہر ایک میں اسکا ذکر ملیگا باہر نظر ڈالئے۔ یہاں سے وہاں تک جتنے لوگ مجھے نظر آ رہے ہیں سب کی زبان پر اس کے قتل کا تذکرہ ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ ابھی کسی کو یہ نہیں معلوم کہ ہم لوگوں کا اس سے قریبی تعلق ہے ورنہ

ابھی چاروں طرف شور و غل عام ہو جائے — " اس کی آواز رفتہ رفتہ بلند ہوتی جا رہی تھی —

سر سلطان نے کہا۔ " ہاں ابتک تو کسی کو جابر اور اس کا تعلق نہیں معلوم لیکن مسٹر فیروز تم اسی طرح زور زور سے باتیں کرتے رہے تو ابھی یہاں سے دہلی تک سب کو معلوم ہو جائے گا اور ہر ایک دریافت حال کے لئے یہیں دوڑا چلا آئے گا —"

" اوہ! معاف کیجئے گا۔" ایم فیروز نے اپنی آواز نیچا کر کے کہا — " لیکن میں نے سلمیٰ کو پہلے ہی تنبیہ کیا تھا کہ وہ احتیاط برتے۔ افسوس اس نے میرا کہنا نہیں مانا۔ یہ مطلب نہیں کہ میں کسی غیب کے مافوق الفطرت ہستی پر یقین رکھتا ہوں۔ مگر پھر بھی ہر حالت میں انسان کو محتاط رہنا چاہئے — بہر حال ایک خاص بات آپ کو معلوم ہوئی یا نہیں — ؟"

" کیا — ؟" وہ لوگ اپنی اپنی کرسیوں پر سنبھل کر بیٹھ گئے۔

" غالباً آپ لوگوں کو یہ تو معلوم ہی ہوگا کہ سلیم اختر میرا دور کا رشتہ دار تھا — " اس نے کہا۔

" اچھا — ؟" چیف انسپکٹر نے دلچسپی سے پوچھا۔

" جی ہاں میرے دادا اور اس کے دادا بھائی بھائی تھے لیکن میں یہ نہیں کہنا چاہتا کہ میں اس کی جائداد کا وارث ہوں —"

" کیوں — ؟"

" جی نہیں۔ سلیم اختر کے وصیت نامے کی رو سے مجھے مشکل سے ایک ہزار روپیہ ملیگا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کی جائداد کا وارث کون ہوگا؟ — آپ لوگ میری بات سمجھ رہے ہیں نا — ؟"

" ہاں — کہتے چلو —" سر سلطان نے تائید کی۔

" سلیم اختر کی وصیت کے مطابق" ایم فیروز نے اپنے سگریٹ کیس سے ٹٹول کر سگریٹ نکال کر سلگاتے ہوئے کہا " اس کی تمام جائداد کی وارث سلمیٰ سلیم تھی لہٰذا اب سلمیٰ اختر کوئی وصیت نامہ

چھوڑ سے ہوئی مرگئی ہے۔ لہٰذا ہر دستے قانون یہ تمام جائداد سرکار ضبط کرے گی کیونکہ سلمیٰ سلیم کا کوئی دور یا نزدیک کا رشتہ دار نہیں ہے۔"

ایم فیروز نے رک کر سگریٹ کا طویل کش لیا۔ پھر تھوڑی دیر مرغولے چھوڑتا رہا۔

"۔ اب سلیم کے وصیت نامہ کی بنا پر جھگڑا کھڑا ہو گا۔" ایم فیروز نے تھوڑی دیر لے کہا، "یقینی طور پر سلیم اختر کے دوسرے رشتہ دار، گو کہ ان کا بہت دور کا رشتہ ہے، جائداد پر اپنے حقدار ہونے کا دعویٰ کریں گے۔ فی الحال میں اور ایک دوسرے بیرسٹر اعظم صاحب سلیم کی جائداد کے ٹرسٹی مقرر کئے گئے ہیں لیکن اگر سلیم اختر کے وہ دور کے رشتہ دار اپنا دعویٰ عدالت میں ثابت کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے تو ساری جائداد ان تینوں میں تقسیم ہو جائیگی اور میں.... جو فی الحال محض جائداد کی دیکھ بھال پر متعین ہوں،..... اسوقت دودھ کی مکھی کی طرح نکال پھینکا جاؤنگا۔ خدا کی ہزار ہزار لعنت ہو اس شیطان پروفیسر خطیب پر جس نے نادرات سلیم اختر اور سلمیٰ کو قتل کر کے میری قسمت بھی پھوڑ دی ہے۔"

"مجھے بھی آپ کی بدنصیبی پر افسوس ہے مسٹر فیروز ۔" نیاز نے اس سے ہمدردی ظاہر کی اور کہا۔" اور سب سے زیادہ افسوس ناک بات یہ ہے کہ مسز اور مسٹر سلیم اسوقت مارے گئے۔ یہ پروفیسر خطیب .... لیکن ...."

" جی ہاں ۔ لیکن کیا ۔؟" فیروز نے دریافت کیا۔

ایم فیروز نے سگریٹ ایش ٹرے میں پھینکتے ہوئے سوالیہ نظروں سے نیاز کو دیکھا ۔

"جانے دیجئے ۔ اس مجلس میں پروفیسر خطیب کو بُرے الفاظ سے یاد کرنا اچھا نہیں ہے ۔" چیف انسپکٹر نے جواب دیا۔

"کیوں ۔؟"

"کیونکہ یہاں مس صبیحہ موجود ہیں ——!"

"مس صبیحہ —— ؟ ان کا خطیب سے کیا تعلق —— ؟ فیروز نے حیران ہو کر سوال کیا۔

"اُن کے پروفیسر خطیب سے دوستانہ تعلقات ہیں۔ کیوں مس صبیحہ —— ؟ ابھی کل ہی تو آپ پروفیسر خطیب کے ساتھ "گولڈن ہوٹل" میں کافی پی رہی تھیں ——؟"

صبیحہ ڈاکٹر عارف کے قریب ہی کرسی پر بیٹھی تھی۔ وہ ویسے ہی خاموش بیٹھی رہی۔ اس وقت وہ خیالات میں غرق نظر آرہی تھی۔ بیرے نے کافی کی پیالیاں لاکر میز پر رکھ دیں۔ اور باہر چلا گیا۔ تھوڑی دیر تک خاموش سوچتے رہنے کے بعد صبیحہ نے چیف انسپکٹر کے سوال کا جواب دینے کے بجائے سر سلطان سے دریافت کیا۔

"سر سلطان —— ؟ آپ آخر مجھ سے اتنی نفرت کیوں کرتے ہیں؟"

سوال اچانک اور غیر متوقع طور پر کیا تھا سب لوگ چونک کر کبھی سر سلطان کو اور کبھی صبیحہ کو دیکھنے لگے۔

"میں —— ؟ میں تم سے نفرت کرتا ہوں —— ؟ سر سلطان نے حیرانی ظاہر کرتے ہوئے پوچھا۔

"جی ہاں آپ مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔" صبیحہ نے سختی سے جواب دیا۔ "کیا اس لئے آپ طلعت پروین کے والد کے دوست ہیں —— ؟ کیوں —— ؟"

"مس صبیحہ —— عزیز لڑکی ——" سر سلطان نے نرمی سے کہا۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا تم کیا کہہ رہی ہو۔ آخر طلعت پروین کے والد کا اس کیس سے کیا تعلق ہے؟"

"خیر جانے دیجئے —" صبیحہ نے اپنے سامنے سے کافی کی پیالی اٹھا کر ایک چسکی لی "میں نے کل رات کو "گولڈن ہوٹل" میں آپ کو دیکھا تھا۔ آپ جب تک وہاں رہے ہم لوگوں کو

گھومتے رہے۔ حالانکہ آپ نے ظاہر یہی کرنا چاہا تھا کہ ہم لوگ یہ سمجھیں کہ آپ نے ہمیں نہیں دیکھا تھا۔ لیکن ہمیں پاس سے دیکھنے کے لئے مجبوراً آپ ہماری میز کے بالکل قریب سے گذرے۔ میرے خیال میں آپ نے خطیب کے ساتھ میرے پائے جانے کے بارے میں چیف انسپکٹر کو بتلایا ہے ۔۔۔؟"

ایک لمحے کے لئے سرسلطان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ کچھ چکرایا ہوا سا معلوم ہوتا تھا۔ سگریٹ کیس سے چھانٹ کر ایک سگریٹ نکال کر اس نے اسے سلگایا اور ایک لمبا کش لے کر دھواں چھوڑتے ہوئے کہا۔

" اچھا تو صبو ۔۔۔ کیا تم کل رات پروفیسر خطیب کے ساتھ نہیں تھیں ۔۔۔؟"

" ہاں میں گولڈن ہوٹل میں خطیب سے ملی تھی ۔۔۔"

" کیا اپنی خوشی سے ۔۔۔؟"

" جی ہاں ۔۔۔ اپنی خوشی سے ۔۔۔"

" اور تمہیں معلوم نہیں تھا کیا، کہ اخباروں کے نامہ نگار جو آجکل پروفیسر خطیب کے پیچھے اسی طرح لگے پھرتے رہتے ہیں جیسے شہد پر مکھیاں، کسی وقت بھی اسے تلاش کرتے ہوئے "گولڈن ہوٹل" میں پہنچ کر اس کے ساتھ تمہاری تصویریں لے سکتے ہیں۔۔؟"

" جی ہاں ۔۔۔ مجھے معلوم تھا، بلکہ ان میں سے ایک نے تو واقعی تصویر کھینچ بھی لی ۔"

" اور تمہیں یہ بات پسند ہے ؟"

" جی نہیں ۔" صبو نے جواب دیا ۔۔ " مجھے یہ واقعہ اچھا نہیں لگا ۔ آپ ملک کے مانے ہوئے تجربہ کار سراغرساں ہیں اور لوگوں کو اپنی بات ماننے اور اپنا احترام کرنے پر مجبور کر سکتے ہیں ۔ اور دوسروں کو اپنی بات سے متاثر بھی کر سکتے ہیں ۔ لیکن ازراہ کرم کسی بات کی

حقیقت معلوم کئے بغیر کہ وہ کیسے وقوع پذیر ہوئی، اتنی جلدی فیصلہ نہ کر لیا کیجئے ۔"

"اور میں ہمیشہ اس سلسلے میں احتیاط برتتا ہوں ۔" سر سلطان نے نرمی سے کہا ۔ "غالباً تم کو غلط فہمی ہو گئی صبیحہ ۔۔ ! ۔ میں وہاں بیٹھ کر تمہیں نہیں دیکھ رہا تھا نہ ہی تمہاری نگرانی کرنے سے ہمارا کوئی فائدہ ہے ۔ اور میں تمہارے ٹیبل کے قریب سے بھی اس غرض سے نہ گذرا تھا کہ تمہیں اچھی طرح دیکھ سکوں ۔ در اصل میں پروفیسر خطیب کے ہاتھ دیکھنا چاہتا تھا ۔۔ !"

"پروفیسر خطیب کے ہاتھ ۔۔ ؟!" صبیحہ نے حیران ہو کر پوچھا ۔

"ہاں اُس کے ہاتھ ۔" سر سلطان نے کہا ۔ "ویسے میں سمجھتا ہوں کہ تم میرا مقصد اچھی طرح جان گئی ہو !"

صبیحہ نے کافی کی پیالی میز پر رکھ دی اور ٹکٹکی لگا کر سر سلطان کو دیکھنے لگی ۔ عارف نے ایک کھوکھلی ہنسی ہنس کر کہا ۔۔

"لوگو ۔۔ ! یہ سب کیا گڑ بڑ ہے ۔ ؟ میری تو سمجھ میں کچھ آتا نہیں ؟ اور پھر ہم یہاں اس لئے نہیں جمع ہوئے ہیں کہ کسی کی ذات کو ہدف ملامت بنائیں مس صبیحہ کسی سے ملنے یا نہ ملنے کی خود مختار ہیں ۔۔"

"کیوں نہیں ۔۔ بے شک ۔" سر سلطان نے تسلیم کیا ۔ "وہ اپنی مرضی کی آپ مالک ہیں جس سے چاہیں ملیں جس سے چاہیں نہ ملیں ۔۔ یہ چیف انسپکٹر نیاز تھے جو اس معاملہ کو زیر بحث لائے ۔"

"آج رات کو تو تم کھانا میرے ساتھ ہی کھاؤ گی نا صبیحہ ۔۔ ؟"

"بے شک ! لیکن ...."

"کیوں۔ کیا بات ہے؟" عارف نے دریافت کیا۔

"بہر تو رہی ہوں ہاں۔۔! اور پھر یہ جگہ اس قسم کی بھی باتیں کرنے کی نہیں ہے۔ اچھا بھئی۔ اب مجھے اجازت دیجئے آپ لوگ۔ مجھے ایک جگہ ضروری کام ہے لیدا نساں دفتر پہنچنا ہے جہاں میں ٹائپسٹ ہوں۔"

"اچھی بات ہے۔" لیکن عارف نے کہا۔ "لیکن دیکھو بھولنا نہیں میں ساڑھے سات بجے تمہارا انتظار کروں گا۔"

"ڈاکٹر۔۔۔۔"

"اوہ ہاں۔" ڈاکٹر عارف نے کہا۔ "ایک ٹیکسی کر لینا۔ ٹھنڈی بازار یہاں سے کافی دور پڑے گا۔"

"ذرا سنو تو ڈاکٹر۔" صبیحہ نے کہا اور پھر دوسروں سے مخاطب ہو کر بولی۔ "آپ لوگ ذرا ایک منٹ کے لئے معاف کیجئے گا۔" وہ عارف کو لے کر ایک کونے میں جانے لگی۔

"مس صبیحہ۔۔!" چیف انسپکٹر نے پیچھے سے کہا۔ "ہو سکتا ہے اس بات سے ہمارا تعلق بالکل نہ ہو اور بہت ممکن ہے، معاف کریئے گا، کہ بہت گہرا تعلق ہو۔ میں شرط لگا کر بتا سکتا ہوں کہ آپ عارف سے کیا کہنا چاہتی ہیں۔ مجھے پروفیسر خطیب سے تعلق رکھنے والے ہر فرد کی حرکات و سکنات سے دلچسپی ہے۔ اور اب مس صبیحہ کیا آپ عارف سے معذرت کرنے نہیں جا رہی ہیں آج رات کو آپ اس کی دعوت قبول نہ کر سکیں گی؟"

ابھی اس کا جملہ نامکمل ہی تھا کہ اس کی نگاہ ہوٹل کے ہال میں جا پڑی جہاں ابھی ابھی پروفیسر خطیب داخل ہوا تھا۔ ویٹر نے آگے بڑھ کر اسے اوورکوٹ اتارنے میں مدد دی پھر اس نے اپنا ہیٹ بھی اتار کر اسے تھما دیا اور پلٹ کر ان لوگوں کی طرف دیکھ کر مسکرانا

(۱۵)

پھر کوئی طوفان اٹھنے کو ہے۔ ڈاکٹر عارف نے پروفیسر کو دیکھ کر سوچا۔ اسرار اور عجائبات کے درخت میں اب نئی کونپلیں پھوٹ رہی تھیں۔ اور سب سے عجیب بات یہ تھی کہ اس کیبن میں بیٹھے ہوئے اُن لوگوں کو ہوٹل کے اندر موجود دوسرے اشخاص سے اپنی شخصیتوں کو پوشیدہ رکھنا تھا ورنہ طوفان بدتمیزی اٹھ کھڑا ہوتا۔ اب ہوٹل میں کچھ بھیڑ ہو گئی تھی کیونکہ اکثر بیند سے ہوئے گاہک کھانا کھا کر چلے گئے تھے۔ ویٹر میزوں کو صاف کرنے پھر رہے تھے۔ پہلے تو شور وغل میں اُن کی طرف کوئی متوجہ بھی نہ ہوتا لیکن اب ان لوگوں کو اپنے آوازوں کا خاص خیال رکھنا تھا کیونکہ نسبتاً ہوٹل میں خاموشی طاری ہو گئی تھی اور ان کی گفتگو بہ آسانی سن لی جا سکتی تھی۔ اُن لوگوں کو اپنے بیٹھنے اور گفتگو کرنے کے انداز سے بھی لاپروائی کا اظہار کرنا تھا کہ لوگ یہی سمجھیں کہ بے فکر تنہائی میں بیٹھ کر اِدھر اُدھر کی گپ شپ لڑا رہے ہیں۔

پروفیسر خطیب کیبن میں داخل ہو کر ان لوگوں سے مصافحہ کرنے کے بعد پلٹ کر اس دیٹر کو دیکھنے لگا جو اس کا اوور کوٹ اور ہیٹ لئے ہوا کھڑا تھا۔ خطیب کی چپا تڑا آنکھوں سے بوکھلا کر اسنے جلدی سے چیزیں کیبن کے ہینگر پر لٹکا دیں اور تیزی سے کیبن سے نکل گیا۔

"غالباً آپ سر سلطان ہیں ۔۔۔ ؟" خطیب نے سر سلطان کو ٹکٹکی لگا کر دیکھا ۔۔۔

"جی ہاں ۔۔۔ خوشی ہوئی آپ سے مل کر ۔۔۔"

"شکریہ ۔۔۔"

"بس مجھے اب جانا چاہئے۔" صبیحہ نے عارف سے کہا جو دوبارہ اپنی جگہ بیٹھ گیا تھا۔ "آؤ تم میری ایک بات سن لو۔"

"مس صبیحہ! ازراہ کرم تشریف رکھیئے۔" پروفیسر خطیب نے لجاجت سے کہا حالانکہ ڈاکٹر عارف نے اس کے لہجے میں چھپا ہوا تحکمانہ انداز محسوس کر لیا۔ "آپ چند منٹ تو کم از کم رک ہی سکتی ہیں۔"

"لیکن مجھے..." صبیحہ نے کچھ کہنا چاہا۔

"اب زیادہ اصرار نہ کیجئے۔ تشریف رکھئے۔" پروفیسر خطیب بولا۔
صبیحہ مجبوراً پھر اپنی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"کہئے چیف انسپکٹر صاحب! مزاج کیسے ہیں۔" خطیب نے نیازے سے دریافت کیا جو ابتک ٹکٹکی لگائے پروفیسر کو دیکھتا رہا تھا۔ پھر ایم فیروز کی طرف جھک کر بولا۔ "اور آپ ایم فیروز! خیریت سے تو ہیں۔"

"اچھا ہوں۔" ایم فیروز نے کہا اور اچانک اٹھ کھڑا ہوا۔ "معاف کیجئے گا حضرات! اب مجھے ایک بہت ضروری کام پر پہنچنا ہے اس لئے رخصت ہوتا ہوں۔"

وہ تیزی سے کیبن سے نکلا اور ہال پھلانگتا باہر چلا گیا۔ کھڑکی کی راہ سے نیازے نے دیکھا وہ نیچے سڑک کے کنارے کھڑا ہوا کچھ سوچ رہا تھا جیسے اس کی سمجھ میں نہ آرہا ہو کہ کس طرف جانا چاہئے۔

پروفیسر خطیب سلطان کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا۔ "مجھے افسوس ہے کہ اتوار کی رات کو میں "نشاط ریسٹوران" میں آپ سے ملنے سے انکار کرنے پر مجبور تھا۔ مجھے اس وقت ایک اشد ضروری کام درپیش تھا۔ کیا آپ مجھے معاف کر سکیں گے۔"

سر سلطان نے کہا۔ " نہیں پروفیسر! کسی قسم کی معذرت کی ضرورت نہیں ہے لیکن یہ تو بتاؤ تم یہاں کیسے آپہنچے ؟"

" اگر آپ سچ پوچھیں تو میں مس صبیحہ کا تعاقب کر رہا تھا۔!"

" تو کیا آپ ..... ؟ مس صبیحہ نے کچھ پوچھنا چاہا۔

" ہاں مس! میں ٹیکسی میں آپ کا پیچھا کر رہا تھا۔ نہ جانے آپ کو نگاہ کے سامنے پاکر مجھے کیوں اتنی مسرت ہوتی ہے۔ آپ کی شخصیت میرے لئے بڑی کشش رکھتی ہے۔ حالانکہ میں سمجھتا ہوں کہ یہ بدتہذیبی ہے لیکن اپنے دل سے مجبور ہوں۔"

صبیحہ کا چہرہ سرخ پڑ گیا لیکن کچھ کہنے کی جرأت اُسے نہیں ہوئی۔ پروفیسر خطیب اپنے ہاتھ مل رہا تھا۔ اور جب آپ سب لوگوں کو یکجا بیٹھے دیکھا تو خود بھی شرکت کرنے کی خواہش ہوئی۔ علاوہ ازیں مجھے چیف انسپکٹر صاحب سے ملنا تھا۔"

نیاز نے اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

" میں آپ سے ایک سوال پوچھنا چاہتا تھا۔" پروفیسر خطیب نے وضاحت کی۔

" حالانکہ یہاں جو سوالات پوچھے جائیں گے وہ میں خود تم سے دریافت کروں گا پروفیسر!" نیاز نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ " پہلے تو تم یہ بتاؤ کہ خطیب! کہ اس جگہ بمبئی میں تم کیا کرتے پھر رہے ہو؛ اور تم اپنی جائے سکونت بھی بتلاؤ جہاں بروقت ضرورت تم سے ملا جا سکے۔ پہلے تو تمہارا قیام " نشاط ریسٹوران " میں تھا۔؟"

" خیر تو اب میں برجیس نگر کے " نشاط ریسٹوران " سے منتقل ہوگیا ہوں۔" پروفیسر خطیب نے مطمئن لہجے میں کہا۔ " اب میرا قیام مصطفےٰ آباد کے ایک وسیع اور کشادہ فلیٹ میں ہے۔ میں پتہ آپ کو لکھوا دوں گا۔ لیکن ایک بات تو بتلائیے۔ ہندوستان سے

باہر جانے میں مجھ پر کوئی پابندی تو نہیں ہے ؟"

" بے کیوں نہیں ۔۔ " چیف انسپکٹر پہلے تو چونکا پھر غرا کر بولا۔ " تم اس طرح یہاں سنسنی پھیلا کر اور دو آدمیوں کے قاتل ہونے کا دعویٰ کرنے کے بعد ہندوستان سے باہر نہیں جا سکتے ۔۔ "

پروفیسر خطیب مسکرایا۔ گو یا وہ اسوقت مس صبیحہ کی طرف دیکھ رہا تھا لیکن اس کے کان چیف انسپکٹر نیاز جعفری کی طرف لگے ہوئے تھے۔ اسکی طرف دیکھے بغیر اس نے کہا ۔۔

" پلیز مسٹر نیاز! جوش میں نہ آیئے۔ میں آپ کو دھوکا دیکر فرار ہونا نہیں چاہتا۔ میں صرف چند گھنٹوں کے لئے ہندوستان سے باہر جانا چاہتا ہوں۔ مجھے لنکا جانا ہے وہاں مجھے ایک کمپنی نے ریڈیو سے چھوٹی سی تقریر براڈ کاسٹ کرنے کی دعوت دی ہے ۔"

" اوہ! اب مجھے یاد آیا ۔۔ " چیف انسپکٹر نے کہا۔ " شاید " شیو شنکر لیبکٹ " فیکٹری کے مالکان نے ۔۔ ؟ "

پروفیسر خطیب نے زوردار قہقہہ لگایا۔ لیکن اس کے ہونٹوں کے علاوہ چہرے کے عضلات پورے طور پر سنجیدہ تھے۔

" نہیں ڈیر چیف انسپکٹر! کیا آپ کو معلوم نہیں ہوا کہ وہ پورا پروگرام تبدیل ہو گیا ہے اب مجھے حکومت لنکا نے اپنی جانب سے دعوت نامہ بھیجا ہے۔ آپ کو شاید معلوم نہیں میں تامل زبان بھی جانتا ہوں۔ مجھے اردو، تامل اور انگریزی تین زبانوں میں تقریر کرنی ہے۔ پونے دس بجے سے لے کر سوا دس بجے رات تک مجھے بولنے کا وقت دیا گیا ہے ۔۔ میرا خیال ہے لنکا والوں نے میرے دعووں سے غلط نتائج اخذ کئے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ میں نے دور بیٹھ کر قتل کرنے کی کوئی نئی مشین ایجاد کی ہے اور ..... "

ایک لمحے کے لئے رک کر اس نے اپنا گلا صاف کیا پھر بولا —

" اور مجھے ان لوگوں کے شکوک کا ازالہ کرنا ہے ۔ میں ثابت کروں گا کہ میں بغیر کسی مشین کی مدد کے محض اپنی دماغی مشین سے اس قسم کی خیالی لہریں پیدا کرتا ہوں، جو کہیں دور بیٹھے ہوئے آدمی کو اس طرح ضرب پہنچا کر قتل کر سکتی ہیں کہ بعد از موت ان کی لاش سے موت کا سبب نہ معلوم ہو سکے ۔ شاید آپ لوگوں کا خیال ہو کہ میری تقریر سن کر اور یہ معلوم کر کے کہ میں نے کوئی نئی مشین ایجاد نہیں کی ہے، لوگ مایوس ہوں گے ۔ لیکن میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں انھیں مایوس نہ ہونے دوں گا آپ لوگ مجھ پر یقین کیجئے میں ....."

" ذرا ٹھہرو پروفیسر — !" سر سلطان نے اپنا سگریٹ ایش ٹرے پر رکھتے ہوئے اسے روکا — " کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ تم کسی اور شخص کو قتل کر کے اپنے دعووں کی سچائی کا ثبوت دو گے ؟"

" جی — !" خطیب نے زوردار آواز میں کہا ۔

کیبن میں مکمل سناٹا چھا گیا جو تقریباً ایک منٹ طاری رہا ۔ سب کو خاموش دیکھ کر پروفیسر نے کہا —

" آپ لوگ سمجھتے ہوں گے کہ میں بہت شقی القلب اور ظالم ہوں ۔ انسان کی زندگی میری نگاہ میں کوئی وقعت نہیں رکھتی — لیکن دوستو ! آپ کا خیال غلط ہے ۔ میں بھی عام انسانوں کے سے جذبات رکھتا ہوں ۔ میرے دل میں بھی ہمدردی کے جذبات ابھرتے ہیں ۔ میں کسی بےگناہ کو قتل کرنا بہت بڑا گناہ سمجھتا ہوں ۔ آپ کہیں گے کہ سلیم تو خیر اس قابل تھا لیکن سلمیٰ کو میں نے کیوں قتل کیا — ؟ اس کی وجہ تھی ۔ اس نے میرے جذبات سے کھیلنے کی کوشش کی تھی، مجھے غصہ آنا لازمی تھا —"

"کیا اس نے ایسا کیا ؟" چیف انسپکٹر نے دانت پیس کر کہا۔ "اس نے کہا تھا تم کسی چیونٹی کو بھی اپنے خیالات کی لہروں سے نہیں مار سکتے۔"

"جی نہیں۔ اس نے مجھے کھلا ہوا چیلنج دیا تھا۔ اور آپ نے دیکھا کہ اسے چیونٹی کی طرح مسل دیا گیا!" پروفیسر خطیب بولا۔ "لیکن یہ اس پراسرار قوت یا "قوت متخیلہ" کا تصور نہیں ہے جو مجھے اتنی آسان معلوم ہوتی ہے اور آپ لوگوں کو اتنی پراسرار محسوس ہوتی ہے۔ میں نے کہا تھا کہ یہ طاقت فلاح انسانی کے لئے استعمال ہوگی اور یہی میرا دلی ارمان ہے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ اگر مجھے ترقی کرنے کا کوئی سنہرا موقعہ ملتا ہے تو میں اسے ہاتھ سے نہ جانے دوں گا۔ جیسے یہی حکومت لنکا کی پیش کش! ایسے موقعے لوگوں کو بہت مشکل سے ہاتھ آتے ہیں۔ میں اپنی تقریر کے دوران میں ہی اپنے دعوے کو سچا ثابت کردوں گا۔ کیونکہ کل محض میری تقریر سے وہ لوگ مطمئن نہ ہوں گے۔ ہزار سمجھانے کے باوجود انھیں میری صداقت کا یقین نہیں آئے گا۔ اور پھر انھیں بتلاؤں گا کہ ہمارا دور وہ جو سر چڑھ کر بولے۔ میں ایک انسان کی زندگی کسی کانچ کے بلب کی طرح ہاتھ میں لے کر کہوں گا۔ اس میں فلاں شخص کی جان ہے۔ پھر میں وہ بلب زمین پر پٹک کر پھوڑ دونگا اور ساتھ ہی وہاں سے دور بیٹھے ہوئے اس شخص کی حرکت قلب بند ہو جائے گی۔ تب تو لوگ مجھے سچا سمجھیں گے۔

آیا آپ حضرات کی سمجھ میں؟"

خطیب کی تقریر کا بہتا ہوا دریا رک گیا ایک لمبی سانس لیکر اس نے چہرے پر بشاشت لانے کی کوشش کی جس میں وہ کامیاب بھی ہوا۔ پھر ایک زہریلی مسکراہٹ کے ساتھ اس نے کہا ــــــ

"میں بہت کچھ بک گیا۔ میں یہاں سب کچھ بتلانے نہیں آیا تھا — مس صبیحہ آپ کے چہرے کا رنگ کیوں اڑا ہوا ہے۔ اور ڈاکٹر عارف آپ اتنے گم سم سے کیوں ہیں۔ چیف انسپکٹر صاحب! آپ کی بھی یہی حالت ہے۔ ہاں سر سلطان! میں داد دیتا ہوں کہ آپ کو اپنے جذبات پر پورا قابو حاصل ہے — اور اب مسٹر نیاز! میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ مجھے ہندوستان سے لنکا روانہ ہونے سے کس طرح باز رکھ سکیں گے؟"

چیف انسپکٹر میز پر زور کا گھونسہ مار کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"نیاز!" سر سلطان نے اسے ڈانٹا — "بیوقوف نہ بنو — بیٹھ جاؤ —"

"لیکن —"

"میں نے تم سے کہا نہ برخوردار — چلو بیٹھ جاؤ اپنی کرسی پر، ہاں اب ٹھیک ہے۔ سعادتمند بچے یوں جوش میں نہیں آیا کرتے بزرگوں کے سامنے۔"

نیاز دانت پیس کر دھم سے کرسی پر گر گیا۔ اس تمام دوران میں سر سلطان بڑے اطمینان سے سگریٹ کے کش لگا تا رہا تھا اور ڈاکٹر عارف پروفیسر خطیب کی طرف ٹکٹکی لگائے دیکھ رہا تھا۔

"اگر یہ شخص —" چیف انسپکٹر نے انگلی کا اشارہ کر کے خطیب کو دکھلایا "یہ سمجھتا ہے کہ وہ اس آسانی سے لنکا پہنچ جائے گا اور میں اسے روک نہیں سکونگا تو مجھ ا محکمہ سیکرٹ سروس پہ ہزار بار لعنت۔"

"کیا تم چپ نہیں رہو گے نیاز!" سر سلطان نے زور سے اسے پھٹکارا۔ پھر اس نے خطیب کو مخاطب کر کے کہا۔ "اگر تم لنکا پہنچ کر ریڈیو سے اپنی تقریر براڈکاسٹ

کرنا چاہتے ہو اور تمہارا ارادہ ہے کہ تقریر کے دوران ہی میں اپنے تجربے کی کامیابی کا ثبوت لوگوں کو دینے کے لئے تم ایک اور قتل کرو گے، تو یہ تمہارا اپنا کام ہے۔ اور تم اس کے لئے خود مختار ہو۔ میرے خیال میں یہاں تمہاری کوئی ضرورت بھی نہیں ہے کل ان قتلوں کے سلسلے میں تفتیش کے لئے کارونر کی عدالت ضرور بیٹھے گی لیکن میرے خیال میں وہاں تمہاری گواہی کی ضرورت نہ ہوگی۔"

"کارونر کی عدالت تفتیش کرے گی؟" خطیب نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا "کس کے قتل کے بارے میں؟"

"سلیم اختر کے قتل کے سلسلے میں۔ جسے تم اپنا پہلا شکار کہتے ہو۔"

"لیکن وہ تو ایک بار غور کر چکنے کے بعد ملتوی کر دی گئی تھی۔"

"ہاں! پچھلی بار اس عدالت نے یہ فیصلہ کئے بغیر کہ سلیم کی موت قدرتی ہے، کسی حادثہ کا نتیجہ ہے یا کسی نے اسے قتل کیا ہے، ملتوی ہو گئی تھی۔ لیکن کچھ نہ کچھ طے کرنا ہی ہے لہذا کل پھر اس کی تفتیش ہوگی۔"

"اب بھی میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟" خطیب نے سیدھے بیٹھتے ہوئے کہا۔ "میں کہتا ہوں" سر سلطان نے اپنی پیشانی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "ایک آدمی مرتا ہے۔ پولیس کو اس سلسلے میں کچھ شک ہوتا ہے۔ لہذا ان کی درخواست سے کارونر کی عدالت کچھ دنوں کے لئے ملتوی کر دی جاتی ہے تاکہ پولیس کچھ ثبوت مہیا کر سکے۔ لیکن جب کسی کے خلاف کوئی ثبوت نہیں ملتا تب بھی قانون کے مطابق کارونر کو اس بات کی تفتیش تو کرنی ہی ہے کہ موت کا سبب کیا ہے کیوں کہ کارونر کی عدالت محض اس لئے بیٹھتی ہے کہ موت کا سبب ریکارڈ میں رکھا جا سکے۔"

خطیب نے جلدی سے کہا۔ "لیکن یہ تو آپ جانتے ہیں کہ وہ لوگ سلیم کے مرنے کی وجہ نہیں معلوم کر سکتے۔؟"

"ہاں جانتا ہوں۔"

"پھر یہ دوسری بار تفتیش کے لئے کارونر نے عدالت کیوں بلائی ہے؟"

"مجھے معلوم نہیں۔" سر سلطان نے ہاتھ گھما کر کہا۔ "بہر حال ضابطہ کی تکمیل تو ضروری ہے ہی۔ تم مجھ پر شک نہ کرو خطیب۔ یہ عدالت میری کوششوں سے دوبارہ تفتیش نہیں کر رہی۔ ویسے تمہیں ان لوگوں کی مجبوری پر ترس کھانا چاہئے ظاہر ہے عدالت یہ کہہ کر، کہ موت کی وجہ معلوم نہیں ہو سکی۔ اپنی تفتیش ختم کر دے گی اس لئے اگر تم ہندوستان سے باہر جانا چاہتے ہو تو بے شک جہاں تمہارا جی چاہے جا سکتے ہو۔ تم اس واقعہ کے گواہ بھی نہیں ہو۔ تم پر کسی قسم کی قانونی پابندی عائد نہیں ہوتی۔"

"جی ہاں۔ وہ مجھے پہلے ہی معلوم تھا۔" خطیب نے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا۔ "کہ گواہ نہیں ہوں۔ لیکن میں قاتل تو ہوں۔ اس لئے مجھے اس تفتیش سے دلچسپی ہے۔ کارونر کی عدالت اپنی کارروائی کب شروع کرے گی۔؟"

"کل سہ پہر کو تین بجے۔"

"کہاں۔؟"

"برجیس نگر میں۔" سر سلطان نے جواب دیا۔ "کیوں کیا تم وہاں جانے کی سوچ رہے ہو؟" پروفیسر خطیب نے اپنی آنکھیں پوری کھول کر کہا۔

"بیشک یہ درست ہے کہ میں زیادہ بھیڑ بھاڑ میں گھسنا پسند نہیں کرتا۔ لیکن اگر آپ کا خیال ہے کہ میں کارونر کی عدالت کی کارروائی دیکھنے نہ جاؤں گا۔

تو یہ آپ کا خیال غلط ہے۔ میں ہی سلیم اختر کا قاتل ہوں اس لئے قدرتی طور پر مجھے دلچسپی ہے کہ دیکھوں وہ لوگ میرے بارے میں کیا کہتے ہیں ۔۔۔ ؟"

وہ کچھ سوچنے کے لئے رک گیا ۔۔۔ "سہ پہر کو تین بجے ۔۔۔ ٹھیک ہے اس کا انتظام ہو سکتا ہے۔ آپ کو سن کر مسرت ہوگی کہ حکومت سیلون نے ایک مخصوص طیارہ مجھے کولمبو لے جانے کے لئے بھیج رکھا ہے۔ میں کارونر کی عدالت میں شرکت کرنے کے بعد بھی وقت پر سیلون پہنچ سکتا ہوں۔ اگر آپ چاہیں تو میں اس عدالت میں اپنا بیان بھی دے سکتا ہوں تاکہ انھیں کوئی فیصلہ کرنے میں سہولت ہو ۔۔۔ "

چیف انسپکٹر نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا ۔ "کیا تمہیں اپنی گرفتاری کا کوئی خدشہ نہیں ہے ؟"

پروفیسر نے زوردار قہقہہ لگا کر کہا ۔

" چیف انسپکٹر صاحب! آپ ابتک اپنے ملک کا قانون ہی نہیں جانتے بیشک دل ہی دل میں مجھے قاتل سمجھتے ہوئے بلکہ موقع پاکر مجھے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالنے کی خواہش رکھتے ہوئے بھی کوئی جج یا کوئی کارونر قانونی طور پر میرے خلاف کوئی کارروائی نہیں کر سکتا ۔۔۔ "

" لہذا تم اپنی شہرت میں اور اضافہ کرنے کے لئے ارجیس نگر میں منعقد ہونے والی کارونر کی عدالت میں ضرور جاؤ گے ۔۔۔ ؟"

" جی ہاں ۔۔۔ "

" اور ساتھ ہی ساتھ تم نے کولمبو میں پہنچ کر ریڈیو سیلون سے اپنا یہ دوگرام نشر کرنیکا تہیہ کر لیا ہے ؟"

" ایک اور قتل کا پروگرام ۔ " خطیب نے جواب میں کہا۔ " جی ہاں میں نے پختہ

ارادہ کرلیا ہے — ہاں نیاز صاحب ایسے تو بتلا ئیے — کیا آپ اب بھی مجھے مکار اور کذاب اب بھی سمجھتے ہیں ؟"

چیف انسپکٹر نے اپنی کرسی کے پیچھے تختی سے جکڑ لئے —" تمہیں تو لوگوں کے دلی خیالات معلوم کرلینے کا دعویٰ ہے۔ خود ہی جانتے ہوگے —"

" جی ہاں — جانتا ہوں کہ آپ دل میں مجھے سلیم اور کملی کا قاتل سمجھتے ہیں۔ لیکن آپ یہ سوچ سوچ کر حیران ہو رہے ہیں کہ یہ کس طرح ممکن ہوا —"

" کیا اتنا تم نے کسی کو نہ بتلایا ہے کہ تمہارا اگلا شکار کون ہوگا — ؟"

" اطمینان رکھئے چیف صاحب! میرا اگلا شکار آپ نہیں ہوں گے — مجھے معلوم ہے آپ دل کے برے نہیں ہیں — بلکہ میں آپ کو عوام کے لئے کار آمد سمجھتا ہوں۔ جی نہیں — میں در اصل —"

اسی وقت صبیحہ نے مسکراتے ہوئے پرسکون لہجے میں کہا —" معاف کیجئے گا۔ اب مجھے جانا چاہیئے۔ ورنہ آفس پہنچنے میں دیر ہو جائے گی۔"

" ٹھہریئے مس صبیحہ —" پروفیسر خطیب جو اپنی بات کہتے کہتے صبیحہ کے ٹوکنے پر رک گیا تھا، اس سے مخاطب ہو کر بولا —" ذرا سے دیر ہو جانے میں کوئی خاص ہرج نہیں ہوگا۔"

" میری سمجھ میں نہیں آتا، اس گفتگو سے فائدہ کیا ہے ؟ میں اب یہاں سے جانا چاہتی ہوں — ذرا اپنی کرسی سرکا ئیے —"

" مجھے افسوس ہے —" پروفیسر خطیب نے اپنا چہرے کا رنگ بدلتے ہوئے کہا۔ " میں ابھی چند لمحے قبل اپنا اگلا پروگرام بتلانے جا رہا تھا۔ کیونکہ آپ حضرات کی خواہش کا احترام لازمی تھا۔ بہر حال اگر مس! آپ کی خواہش اب یہ گفتگو سننے کی نہیں ہے تو

میں اس موضوع پر بات نہیں کرونگا۔ اب تو آپ خوش ہیں ۔۔ ؟ اور ہاں ذرا سنئے ۔۔ ؟ کیا آپ میرے ساتھ ہوائی جہاز سے کل کولمبو چلنا پسند کریں گی ۔۔ ؟" اس نے صبیحہ کا کندھا پکڑ کر کہا ۔

" ان کے شانے سے ہاتھ ہٹاؤ ۔۔ !" اس تمام عرصے میں عارف خاموش بیٹھا رہا تھا۔ اب غرا کر گھورتے ہوئے بولا۔

ایک لمحے کے لئے معلوم ہوا کہ ہر چیز اپنی جگہ ساکت ہو کر رہ گئی ہے کیبن کے دروازے سے انھوں نے دیکھا کہ لوگ متعجب ہو کر اس طرف دیکھ رہے ہیں ۔

" کیا کہا آپ نے ۔۔ ؟" پروفیسر نے قدرے توقف کے بعد پوچھا۔

" میں کہتا ہوں مس صبیحہ کے شانے سے اپنا ہاتھ ہٹالو پروفیسر! ورنہ اچھا نہ ہوگا۔" عارف غرایا ۔

" اوہ ڈاکٹر عارف ! میرے دوست ۔" خطیب نے ہاتھ ہٹا کر سکون کے ساتھ کہا ۔ " میں نے آپ کا خیال ہی نہیں کیا تھا۔ آپ بھی تو کونے میں اپنے خیالات میں غرق اس طرح خاموش بیٹھے رہے کہ مجھے آپ کی موجودگی کا دھیان ہی نہ رہا۔"

" اور کیا تم اس بار بھی میرے خیالات پڑھ سکتے ہو ۔۔ ؟" عارف نے اسی لہجے میں پوچھا۔

" آپ کئی بار تجربہ کر چکے ہیں ۔" خطیب نے جواب دیا۔" اب بار بار آپ مجھے کیوں تکلیف دیتے ہیں ؟"

" اچھا ۔۔ ؟"

" جی ۔۔ کیا مطلب ۔۔ ؟"

" مطلب یہ ہے ۔" عارف نے کہا۔" کہ اس بار تم میرے خیالات نہیں معلوم کر سکتے ۔"

باہر آسمان پر سورج کے سامنے بادل کا ایک ٹکڑا آجانے سے دھوپ مدھم پڑگئی ۔ اور

عارف نے دیکھا یا شاید یہ اس کی نگاہ کا دھوکا تھا کہ خطیب کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑ گیا تھا۔

"جی ___؟"

"جی ___! تمہارے اس دلی خیالات جان لانے والے ڈھونگ کا حال چیف انسپکٹر نے ایم فیروز کی گفتگو سے معلوم کر لیا ہے۔ تم ہر میں سے ہر شخص کے بارے میں حالات معلوم کرنے کی جستجو میں رہتے ہو۔ اور پھر بعد میں لوگوں کو متاثر کرنے کے لئے اپنے پراسرار قوت کا ڈھونگ رچاتے ہو۔ حالات جو تم لوگوں سے پہلے ہی معلوم کر چکے ہوتے ہو، ان کے مطابق نتیجہ اخذ کر کے بتلاتے ہو کہ فلاں وقت ہم یہ سوچ رہے ہیں اور ہمیں اس سے انکار کی جرأت نہیں ہوتی۔ گذشتہ شب میں نے نفسیات کی ایک کتاب کے مطالعہ سے معلوم کیا کہ انسان کے جذبات سے اس کے بارے میں معلوم کئے ہوئے حالات کو ملا کر بتلایا جاسکتا ہے کہ اس نے کیا سوچا ہے ___؟"

مس جمیلہ نے ہاتھ ہلا کر عارف کو منع کرنا چاہا لیکن اس نے کوئی توجہ نہ دی اور کہتا رہا اسی طرح اگر تم نے واقعی سلمیٰ اور سلیم کو قتل کیا ہے تو....."

"اگر میں نے قتل کیا ہے تو" خطیب نے کہا "ڈاکٹر صاحب! اس "اگر" سے آپ کا کیا مطلب ہے، ایک بار پہلے بھی آپ اسی طرح شک ظاہر کر چکے ہیں۔ لہذا میں ایک بار آپ کو ہوش و حواس میں رہ کر جواب دینے کی نصیحت کرنے کے بعد دریافت کرتا ہوں ___ کیا آپ مجھے چیلنج کرتے ہیں؟"

ڈاکٹر عارف نے میز پر رکھا ہوا کافی کا کپ ایک طرف سرکا کر کہا۔

"ہاں میں تمہیں چیلنج دیتا ہوں!"

(۱۶)

زوردار سیٹی کی آواز گونجی اور پانچ بج کر بیس والی ٹرین نے اسٹیشن ما ہم کو چھوڑ دیا۔ گاڑی بہت خالی تھی اس لئے ان لوگوں کو اچھی جگہ مل گئی۔ پانچ منٹ تک بے چینی سے پہلو بدلتے رہنے کے بعد سر سلطان سے نہ رہا گیا ـــــ

" یا اللہ ـــ !" اس نے جھنجھلا کر کہا ـ " کیا یہ ٹرین تمام راستہ اسی طرح کیڑے کی چال سے رینگتے ہوئے طے کرے گی ؟"

" اگلے اسٹیشن پر میں جا کر انجن ڈرائیور کو پانچ روپئے دیتا ہوں شاید اس لالچ سے چال میں کچھ گرم رفتاری آجائے۔ ویسے بھی اتنی جلدی کیا ہے ؟ کل ہم لوگ بر جیس نگر میں آپ کا انتظار کرتے رہے تب تو آپ آئے نہیں اور آج اتنی بے چینی ہے ـ"

سر سلطان نے چیف انسپکٹر کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا ۔ اپنی عینک اتار کر منہ کی بھاپ سے صاف کرنے کے بعد دوبارہ ناک پر جماتے ہوئے اس نے عارف سے کہا، جو مقابل کی برتھ پر بیٹھا تھا ـ

" عارف ! میں نے تمہیں اتنا بیوقوف ہرگز نہ سمجھا تھا ـــ"

چیف انسپکٹر نے مسکرا کر کہا، " کیوں ڈاکٹر یار ے ـ کیا خیال ہے ـــ ؟ نبض کی حالت میں تو کوئی فرق نہیں محسوس ہو رہا ـــ ؟ تمہاری پیشانی پر ٹھنڈے پسینے کی بوندیں بھی نظر نہیں آئیں ــ ! بہر حال میں تمہاری جرأت کی داد دیتا ہوں ۔ اس کمبخت پروفیسر کے سان و گمان میں بھی نہ رہا ہوگا اب کوئی اسے چیلنج کرنے کی جرأت کر سکے گا ـ"

"تم اسے مذاق سمجھتے ہو نیاز ۔۔۔؟" تیز لفظوں سے اس کی طرف دیکھ کر سر سلطان نے کہا ۔۔۔" اور تم عارف ۔۔۔؟ پاگل ہو گئے تھے کیا اس وقت ۔۔۔؟ کیا سمجھ کر تم اسے چیلنج دے بیٹھے؟"

ڈاکٹر عارف نے اطمینان سے سر سلطان کی طرف دیکھا ۔۔۔" مجھے کوئی پشیمانی اپنی اس حرکت پر نہیں ہے ۔۔۔ پروفیسر خطیب کوئی دیوتا یا موت کا فرشتہ نہیں ہے، جو جسے چاہے قتل کرتا رہے ۔۔۔ یا بتلاتا پھرے کہ وہ کب مریں گے اور ان کے ذہن میں اس وقت کیا خیالات اٹھ رہے ہیں اور رات کو کھانے میں وہ کیا چیز استعمال کریں گے ۔۔۔؟ میری طرح آپ کو بھی پورا پورا یقین ہے کہ اس کا وہ "قوت ارادی" والا دعویٰ محض بکواس ہے ۔ لہٰذا پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے ۔ اسے اپنی دماغی مشین کا بٹن دبانے دیجئے، اور ہم دیکھیں گے کہ کس طرح خیالات کی ضرب مجھ پر پڑتی ہے ۔۔۔"

" بہر حال پھر بھی تم نے یہ چیلنج کیوں دے ڈالا ۔۔۔؟ اس سے کسی فائدے کی امید نہیں ہے ۔ ایک بار ڈاکٹر عارف کے دل میں آئی کہ وہ بتلا دے کہ محض صبیحہ کو متاثر کرنے کے اس نے یہ حرکت کی ہے ۔ جہاں تک صبیحہ کے بارے میں اس بات کا تعلق تھا، پروفیسر خطیب اور وہ ایک دوسرے کے رقیب تھے ۔ وہ تو صبیحہ کے ساتھ پروفیسر کے خیال تک کو برداشت نہیں کر سکتا تھا ۔ زیادہ سے زیادہ، اگر واقعی خطیب کے وہ سب دعوے جنہیں وہ بکواس سمجھتا تھا، صادق ہوئے، تو وہ، اسے قتل کر دے گا ۔۔۔ اسے یاد آئے کہ اس کے چیلنج دینے کے فوراً بعد ہی خطیب ان لوگوں کو جھک کر سلام کرنے کے بعد اپنا اوورکوٹ اور ہیٹ اٹھا کر خاموشی سے ہوٹل سے باہر نکل گیا تھا ۔ اور جیسا کہ خطیب کے گزشتہ رویہ سے معلوم ہو چکا تھا، اس کی اس قسم کی خاموشی بہت خطرناک ہوتی تھی ۔ اس لئے یقینی

طور پر عارف کا چیلنج قبول کر لیا تھا۔ پھر عارف کو سر سلطان کا سوال یاد آ گیا۔
"تو کیا آپ ابتک نہیں سمجھ پائے کہ میں نے خطیب کو چیلنج کیوں دیا تھا۔۔۔؟"
اس نے سر سلطان سے پوچھا۔

"زیادہ سے زیادہ تمہارا یہ مقصد ہو سکتا تھا۔۔" سر سلطان نے کہا۔ "کہ لوگ خطیب کے دعوؤں کو باطل سمجھیں۔ اور یہی بات میں نہیں چاہتا۔ میں چاہتا ہوں کہ عوام زیادہ سے زیادہ اسکی پراسرار طاقت کے معتقد ہو جائیں۔ میں اپنا عندیہ تمہیں پہلے بھی ہوٹل میں ہی خطیب کی آمد سے قبل بیان کر چکا تھا اس کے بعد بھی تم جوش میں آ کر حماقت خرچ کر بیٹھے دل ہی دل میں تم اپنے آپ کو بہت بہادر سمجھ رہے ہو گے حالانکہ گذشتہ پانچ دنوں کے تجربے سے تمہیں سمجھ لینا چاہئے تھا کہ اس قسم کی حرکت قطعاً ناموزوں سی ہے۔ اس طرح تم نے میرا بنا بنایا کھیل سب چوپٹ کر دیا۔"

"لیکن۔۔" عارف نے کچھ کہنا چاہا۔

"غالباً ابتک تمہیں اپنی حماقت کا احساس نہیں ہوا۔" اس کی بات پر دھیان دیئے بغیر سر سلطان روانی میں کہتا چلا گیا۔۔۔ "تمہارے دماغ میں غالباً یہ خدشہ پیدا ہوا تھا کہ مس صبیحہ اس پروفیسر کے ساتھ لنکا جانے پر رضامند ہو جائے گی۔ مجھے تمہاری عقل پر رونا آ رہا ہے برخوردار! تمہاری اس حرکت نے اب البتہ اسے مجبور کر دیا ہے کہ وہ خطیب کے ساتھ لنکا جائے۔ وہ اس طرح خطیب کی توجہ تمہاری طرف سے ہٹانے کی کوشش کرے گی۔ ورنہ قبل ازیں وہ خطیب کی پیشکش کو ہرگز قبول نہ کرتی۔"

ڈبے کے نیچے کھٹ کھٹ پھٹ پھٹ کی آوازیں عارف کا مضحکہ اڑاتی معلوم ہوئیں۔

"جی۔ کیا کہا آپ نے۔۔۔!" عارف نے سر سلطان کی بات سن کر جلدی سے پوچھا۔

"سمجھنے کی کوشش کرو عارف سلمہٗ اللہ تعالیٰ ۔۔ ! سر سلطان نے طنزیہ انداز میں جواب دیا ۔ "کیا تم نے دیکھا نہیں کہ تمہارے چیلنج پر کس قسم کی سختی خطیب کے چہرے پر چھا گئی تھی اور صبیحہ نے کس طرح گھبرا کر تمہیں باز رکھنے کی کوشش کی تھی۔ اس کے بعد یقینی ہے کہ وہ ہر ممکن کوشش خطیب کے ساتھ رہ کر اس بات کی کرے گی کہ وہ تمہارے لئے ضرر رساں نہ ہو سکے۔ بشرطیکہ اسے تم سے ذرا بھی انسیت ہوئی ۔۔ ویسے مجھے معلوم ہے کہ پروفیسر خطیب دل کا اتنا برا نہیں ہے ...."

وہ نیاز کو طنزیہ میں مسکراتا ہوا دیکھ کر قدرے توقف کے بعد بولا۔ "کیوں تم اس طرح تبسم سے بجلی گرانے پر کیوں مائل ہو نیاز ۔۔ ؟"

نیاز کچھ جھینپ کر بولا ۔۔ "جی نہیں میرا مطلب ....."

"شاید تمہیں میری یہ بات سن کر ہنسی آئی ہوگی کہ خطیب دل کا اتنا برا نہیں ہے۔ بیشک! تم نے اس وقت اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کا مطالعہ نہیں کیا ورنہ یوں نہ ہنستے۔ اس کا دل کہتا تھا کہ اپنے رقیب اور راہ میں آنے والے اس شخص کو قتل کر دینا چاہئے۔ ضمیر کہتا تھا نہیں یہ پست ظرفی ہوگی صبیحہ کی نگاہوں میں وہ ذلیل ہو جائیگا دل کہتا ہے اس طرح تمہاری شہرت میں اضافہ ہوگا۔ وہ سوچنے لگتا ہے۔ اب بھی اگر اس کے غصے کو سرد کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ خصوصاً اگر صبیحہ کی طرف سے، تو وہ اپنی کوششوں سے باز آجائے گا ۔۔ ورنہ پھر ....."

" آگے کہتے کیوں نہیں سر سلطان ؟ ۔۔" چیف انسپکٹر نے کہا۔ "ورنہ کیا وہ عارف کو قتل کر دے گا ۔۔ ؟"

" ہاں ۔۔ اگر وہ قتل کر سکا ۔" سر سلطان نے جواب دیا۔ "میں تمہیں اپنے

نظریات سمجھا رہا تھا ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ڈاکٹر عارف بالکل محفوظ ہے۔"

"اور یہی بات .... چیف انسپکٹر کچھ ہچکچاتے ہوئے بولا۔" آپ نے سلمیٰ سلیم کی موت سے قبل بھی کہی تھی۔ آج بیچاری منوں مٹی کے نیچے محفوظ پڑی ہے!"

"آپ لوگ واقعی بڑے سوختہ قسم کے ساتھی ہیں۔" ڈاکٹر عارف نے ان لوگوں سے کہا۔" لیکن اس طرح بالواسطہ گفتگو کے بجائے میں صاف صاف ہی آپ سے یہ درخواست کیوں نہ کردوں سر سلطان! کہ ازراہِ کرم آپ میرے کفن کا انتظام کر دیجئے۔"

سر سلطان نے تسکین دینے کے لئے کہا۔" ارے نہیں عارف! تم بالکل محفوظ ہو بشرطیکہ تم .... "

" بشرطیکہ میں اپنے بوڑھے دوست پر یقین کر دوں۔" یہی کہنا چاہتے ہیں نا آپ؟ عارف بولا۔

"آپ یقین کیجئے۔ مجھے اطمینان ہے کہ میں بالکل محفوظ ہوں۔ اب بھی میرے دل میں موت کا خوف نہیں بلکہ عام قسم کے انسانی جذبات پیدا ہوتے ہیں کیوں میں جانتا ہوں کہ یہ دنیا وہی عام دنیا ہے جس میں ہر قبیل ازیں رہتا تھا۔ جہاں کوئی مافوق الفطرت ہستی ایسی نہیں ہے جو جسے چاہے یوں آسانی سے مچھر کی طرح مسل کر مار ڈالے۔ لیکن اس کے باوجود مجھے محتاط رہنا چاہیئے اور بس۔"

ہاں جی۔!" نیاز نے مسکرا کر کہا۔" میں بھی تم سے متفق ہوں۔ کسی طرح یہ "قوت ارادی" والا قصہ جھوٹا ثابت ہونا چاہیئے۔ قوت ارادی۔ اقوت تخیلہ! کیا تم نے بلیث فارم نہیں دیکھا؟ یک۔ اسٹال پر نہیں دیکھا۔؟ ریل کے ڈبوں

سے حجاب کر گفتگو کرتے ہوئے آدمیوں کو نہیں دیکھا ۔ ؟ ہر ایک زبان پر پروفیسر خطیب کا ذکر ہے ۔ سب اس کی قوت ارادی، اور قوت متخیلہ کی ماہیت پر غور وبحث کر رہے ہیں ۔ اور ابھی اگلے اسٹیشن پر گاڑی رکنے دو میں شام کا اخبار خرید لاؤنگا اس میں بھی دیکھ لینا یہی سب بکواس ہوگی ۔"

پھر وہ سب اس وقت تک خاموش بیٹھے رہے جبتک کہ ٹرین اگلے اسٹیشن پر نہ پہنچ گئی ۔ چیف انسپکٹر ریلوے بک اسٹال سے چند اخبارات خرید لایا ۔ سر سلطان نے ان میں سے دو ایک اخبار لے لئے اور جلدی جلدی پڑھنے کے بعد کہنے لگا ۔

" اب ہمارے پروفیسر خطیب کی شہرت دور دور تک پھیل گئی ہے ۔ اور بڑے بڑے سائنسداں اور ماہر بھی اس کی جانب متوجہ ہوئے ہیں ۔ ذرا دیکھو ۔ ہندوستان کے مشہور ماہر نفسیات ستیش چندر گھوش نے پروفیسر خطیب کو پاگل قرار دیا ہے علم روحانیات کے ملنے ہوئے عالم سرٹی ۔ ایل ۔ گھاٹے نے کہا ہے کہ ایسی قوت حاصل کی جا سکتی ہے ۔ اور ممکن ہے کہ خطیب نے کسی عمل سے اسے حاصل کر لیا ہو لیکن یہ ایجاد نئی نہیں ہے ۔ اس کی ماہیت سے عہد گذشتہ کے رشی واقف تھے ۔ اور بھی بہت سے لوگوں کے بیانات ہیں ۔ پروفیسر خطیب کی شخصیت خوب اچھالی جا رہی ہے ۔ مگر افسوس عارف! تم بیکار بیچ میں کود پڑے ۔ کاش تم نے عقل سے کام لیا ہوتا!"

عارف نے آرام سے برتھ پر پشت ٹیکتے ہوئے کہا ۔ "صرف ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں سر سلطان! آپ شروع سے ہی مجھ پر دل کا بخار اتار رہے ہیں ۔ آخر مجھے ہی اس کا دشمن کیوں سمجھے بیٹھے ہیں ۔ میں نے صرف پروفیسر خطیب کو باطل ثابت کرنے کی واحد صورت پر عمل کیا تھا ۔ اور اس میں آپ ہی کا فائدہ ہے ۔ لیکن بجائے اس کے

کہ آپ میرے ممنون ہوں، آپ مجھے اس طرح گھور رہے ہیں جیسے میں نے آپ کی کوئی سوچی سمجھی اسکیم خراب کر دی ہو۔"

"اور یہی حقیقت ہے برخوردار!"

"جی — کیسے؟"

"اب تمہیں کیسے سمجھاؤں —؟" سرسلطان نے کہا — "میں نے ہر طرف اپنا جال پھیلا رکھا تھا — اور تمہارا یہ پروفیسر خطیب بہت جلد اس میں کسی چوہے کی طرح پھنسا ہوا نظر آتا۔ مجھے کم از کم ساٹھ فیصدی یقین اپنی کامیابی کا تھا۔ اور اب تم نے اس میں سے دس فیصدی امکان کامیابی کا ختم کر دیا ہے۔ میرے پیارے ڈاکٹر! یہی وجہ ہے کہ مجھے "بیلی کوٹھی" پہنچنے کے لئے اتنی عجلت ہے۔ وہاں کامیابی حاصل کرنے کے چند اور امکانات ہیں۔"

"کیسی کامیابی —؟ کیا پروفیسر خطیب پر قابو پانے کی —؟"

"ہاں —"

"اگر آپ کی اسکیم کامیاب رہی تو خطیب کب تک قابو میں آجائے گا —؟"

"اگر قسمت نے ساتھ دیا تو کل تک —"

چیف انسپکٹر نے سرسلطان کی طرف دیکھ کر کہا — "سرسلطان! اگر ممکن ہو تو اس سے پہلے اس پر قابو پانے کی صورت نکالیے۔ میں اب اس جھگڑے سے بری طرح اُوب گیا ہوں۔ اور پھر ممکن ہے کہ خطیب کل سے پہلے ہی ہمارے دوست عارف کو ختم کرنے کا عزم کر لے۔"

"نہیں —" سرسلطان نے کہا — "ہمارے لئے چوبیس گھنٹے کی مہلت ہے۔

کم ازکم وہ اس وقت تک ڈاکٹر عارف کے لئے خطرناک نہیں ہے جبتک ریڈیو سیلون سے اس کی تقریر براڈکاسٹ نہ ہولے۔ میں اس لمحے کا انتظار ہے جب وہ کولمبو ریڈیو اسٹیشن میں اپنا کا پنچ کا عیب بھوڑ کر کہے گا کہ فلاں شخص کو میں قتل کرتا ہوں"

ڈاکٹر عارف قہقہہ مار کر ہنسنے لگا۔

" چپ رہو ڈاکٹر۔ !" سر سلطان نے جھڑک کر اس سے کہا۔" تمہاری حماقت روز افزوں ترقی کر رہی ہے۔ جس معاملے میں تمہاری عقل کام نہ دے اس میں ٹانگ مت اڑایا کرو۔ اور اپنے بزرگوں کا ادب کرنا سیکھو۔"

عارف نے کوشش کر کے اپنی ہنسی روکی، لیکن اس کے لبوں سے مسکراہٹ نہیں دور ہوسکی۔ نیاز نے کہا۔" صدیقی صاحب! میری سمجھ میں ابھی آپ کی اسکیم نہیں آئی۔ کیا آپ پروفیسر خطیب کو وہ تقریر براڈکاسٹ کرنے دینا چاہتے ہیں؟"۔

" اوہ! ساری رامائن ہو چکی اور ابتک تم کو یہ نہیں معلوم کہ رام تھے کون! ارے بھئی اسے تقریر سے باز رکھنے سے فائدہ کیا ہے۔!" سر سلطان نے جواب دیا۔

" اس کے علاوہ ایک بات اور ہے۔" چیف انسپکٹر نے اخبار" کرائم رپورٹر" کھولتے ہوئے کہا جو اس کے زانو پر رکھا ہوا تھا۔" کیا آپ نے یہ اخبار پڑھا۔؟"

سر سلطان نے انکار میں سر ہلایا۔

" تو سنئے! میں آپ کو بتلاتا ہوں اس میں کیا ہے۔" نیاز نے کہا۔" اس میں میری دو تصویریں شائع ہوئی ہیں اور میرے خلاف ایک مضمون بھی شائع ہوا ہے جس میں پروفیسر خطیب کے مقابلے میں محض بچے طفل مکتب ثابت کیا گیا ہے۔" اس نے گھور کر سر سلطان کو دیکھا۔" اور سر سلطان! سچ بتلائیے کیا آپ ہی نے یہ مضمون اڈ

"یہ تصویر اس اخبار میں چھپنے کو نہیں دیئے —؟"

" نہیں جی —"

" کیا واقعی ——— ؟" نیاز نے پھر پوچھا۔

" ارے بھئی! مجھے کیا ضرورت تھی —؟"

" جی ہاں — آپ کا انداز کہتا ہے کہ یہ آپ ہی کی حرکت تھی ۔ شاید یہ بھی پروفیسر خطیب کو پانی پر چڑھانے کی اسکیم کا ایک حصہ ہوگا — اچھی بات ہے سر ۔ میں بھی آج سے نماز پڑھ پڑھ کر دعا مانگنا شروع کرتا کہ ہوں مرکزی حکومت زبردستی آپ کو ملٹری انٹیلیجنس ڈپارٹمنٹ کا چیف بنادے ۔ پھر آپ ذمہ داریوں کے بوجھ تلے دب کر محسوس کرینگے کہ کسی افسر کے سامنے یا حکومت کے سامنے جوابدہ ہونا کتنا خراب کام ہے ۔ خیر چھوڑیئے اس ذکر کو — یہ بتلایئے ہم لوگ فی الحال "بیلی کوٹھی" کیوں چل رہے ہیں — ؟"

" ایک اشد ضروری کام سے —" سر سلطان نے کہا ۔" مجھے وہ یادداشت کی نوٹ بک جس پر "قتل کے نئے طریقے" لکھا ہوا ہے ۔ کسی نہ کسی طرح حاصل کرنی ہے ۔"

" ارے! میری تمام باتیں جان لینے کے بعد بھی کہ کس طرح بہت سے آدمیوں کی مدد کے بعد بھی ہم لوگ اسے نہیں پاسکے ، آپ کا خیال ہے کہ وہ نوٹ بک "بیلی کوٹھی" میں موجود ہے —؟"

" ہاں —"

" آپ اسے "بیلی کوٹھی" میں کس جگہ پانے کی امید کرتے ہیں — ؟"

" ابھی مجھے معلوم نہیں ۔ ہم وہاں پہنچ کر دیکھیں گے —"

چیف انسپکٹر زچ ہو کر کھڑکی سے باہر جھانکنے لگا ۔ پھر وہ لوگ اسوقت تک خاموش

رہے جبتک کہ برجیس نگر نہ آگیا۔ اسٹیشن پر پولیس سپرنٹنڈنٹ برجیس نگر، چیف انسپکٹر کے تار کے بموجب کار لئے ہوئے موجود تھا۔ جس پر بیٹھ کر وہ لوگ جلد ہی "پیلی کوٹھی" پہنچ گئے۔ اب "پیلی کوٹھی" پر عجیب قسم کی ہیبت جھلکتی تھی۔ کم از کم عارف نے یہی محسوس کیا کہ وہ کسی تاریک، پُراسرار اور ہیبتناک غار میں داخل ہونے جارہا ہے۔ پولیس سپرنٹنڈنٹ کے پاس صدر دروازے کی کنجی تھی جس کی مدد سے وہ لوگ اندر داخل ہو گئے۔

"اور اب، کہ ہم لوگ یہاں پہنچ گئے ہیں —" چیف انسپکٹر نیاز نے کچھ بے تابی کرتے ہوئے کہا —" بتلائیے آپ کیا کرنا چاہتے ہیں سر سلطان —؟"

سر سلطان نے ہال میں چاروں طرف دیکھ کر پُرخیال انداز میں جواب دیا —

"عجلت مت کرو نیاز — مجھے اطمینان سے سوچنے دو — اور ر ر — ہاں۔ کیا تم نے اس نوٹ بک کو فوارے میں بھی تلاش کیا تھا —؟"

"جی ہاں —" نیاز نے فاخرانہ لہجے میں جواب دیا۔ "اور اگر آپ کا یہ خیال ہو کہ نوٹ بک کسی درخت کے نیچے یا کسی گملے میں چھپی ہوئی ہے، تو ہم لوگ وہاں بھی تلاش کر چکے ہیں — میرا یہ مطلب نہیں کہ وہ سب پودے اُکھاڑ اُکھاڑ کر دیکھے گئے ہیں۔ لیکن انھیں دیکھنے کے بعد یہ اطمینان کر لیا گیا تھا کہ یہاں نوٹ بک نہیں گاڑی گئی۔ کیونکہ مٹی جمی ہوئی اور خشک تھی — اور اسے کھودا نہیں گیا تھا —"

"خیر — بہر حال آؤ — ایک نظر مکان پر اور ڈال لیں —"

ڈرائنگ روم، ہال، کھانے کا کمرہ، ہر جگہ اسی حالت میں تھی جیسی عارف نے اتوار کی رات کو دیکھی تھی۔ چائے کی چھوٹی پیالی ابتک میز پر رکھی ہوئی تھی اور اس میں ڈبا ہوا سگریٹ کا ٹکڑا بھی ویسا ہی پڑا تھا۔

وہ کھڑکی، جس کی راہ سے عارف نے پروفیسر خطیب کو بھاگتے ہوئے دیکھا، عارف سے پوچھ کر سر سلطان نے کھول ڈالی اور غور سے اس کے شیشے دیکھنے لگا۔

"کیا آپ اس پر انگلیوں کے، یا کسی اور قسم کے نشانات تلاش کر رہے ہیں؟"

افسوس کہ کہیں اس قسم کا نشان آپ کو نظر نہ آئے گا۔ میں پہلے ہی کوشش کر کے دیکھ چکا ہوں۔ حالانکہ عارف کا بیان ہے خطیب نے اپنے ہاتھ شیشے پر رکھ کر اور ناک چپکا کر اندر دیکھا تھا ... میں نے پوری کوشش کر لی تھی کوئی نشان نہیں ملا۔ یا تو وہ نشانات صاف کر دیے گئے، یا پھر شیشے پر تھے ہی نہیں۔"

"یعنی تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ میری نگاہ اب غلط اور فرضی چیزیں دیکھنے لگی ہے۔"

عارف نے نیاز سے کہا۔ سر سلطان نے کھڑکی کو ادھر اُدھر ہلاتے ہوئے پوچھا۔

"عارف! کیا تم نے ہتھیلیوں اور ناک کے علاوہ خطیب کے بدن کا کوئی اور حصہ بھی دیکھا تھا — ؟"

"جی نہیں —"

"اور کیا تمہیں اس کے بھاگنے کی آواز بھی نہیں سنائی دی؟"

"مجھے یاد نہیں ہے — لیکن میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ میں نے اسے یہاں سے بھاگتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے —" عارف بولا۔

اسی وقت عارف کو خیال آیا کہ خطیب کوئی مافوق الفطرت ہستی نہیں ہے پھر بھی "پیلی کوٹھی" کے ذرّے ذرّے سے اُس کے دل کا عکس نظر آرہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ابھی پروفیسر کھڑا کرے سے یا کسی کونے سے پُر اسرار طریقے پر مسکراتا ہوا نکل آئے گا اور دریافت کرے گا "کہیے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں —؟"

ادھر کھڑکی کی راہ سے باہر دالان کے خشک فوارے کی طرف دیکھ کر سر سلطان نے حیرت سے آواز نکالی —" ارے —!"

" جی — کیا بات ہے ؟" عارت نے پوچھا۔

" ایک بہت ضروری سوال کا جواب دو ڈاکٹر — خوب اچھی طرح سوچ سمجھ کر — اتوار کی رات کو جب تم نے خطیب کو کھڑکی سے جھانکتے ہوئے دیکھا تھا اور یہاں تک بھاگ کر آئے تھے اور کھڑکی سے باہر اسے دیکھنے کے لئے جھانکا تھا، اس وقت کیا یہ فوارہ جاری تھا — ؟"

" جی نہیں —"

" کیا تمہیں اچھی طرح یاد ہے — ؟" سر سلطان نے زور دے کر دریافت کیا۔

" جی ہاں۔ میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ اس وقت یہ فوارہ بند تھا — میں نے غور سے سنا تھا۔ ہر طرف خاموشی تھی۔ کوئی آواز مجھے سنائی نہ دی تھی۔ کیوں — ؟"

" اس لئے کہ —" سر سلطان نے جواب دیا — " اگر تمہیں کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی تو پھر یہ بات اس کیس کو سلجھانے کے لئے ایک بڑا اچھا سراغ ثابت ہوگی —"

نیاز جعفری جو اس کی بغل میں کھڑا تھا چونک کر بولا —" سراغ — ؟ کیا آپ اس بات سے یہ معلوم کر لیں گے خطیب یہاں تھا یا نہیں — ؟ میری سمجھ میں نہیں آتا اس فوارے سے کیا بات معلوم ہو سکتی ہے۔ نئی ساخت کا عام فوارہ ہے جو حوض میں بھرے ہوئے پانی کو اوپر اچھالتا اور دوبارہ حوض میں گراتا رہتا ہے —"

"بہرحال۔ یہ بہت اہم سراغ ہے۔" سرسلطان بولا۔" مجھے اس بات سے کوئی دلچسپی نہیں کہ یہ کس طرح کام کرتا ہے۔ سوال یہ نہیں ہے۔ چراؤ دوسری چیز میں دیکھیں۔"

وہ لوگ کھانے کے کمرے سے درمیانی دروازے میں سے گذر کر باورچی خانے میں جا پہنچے۔" اوہ اچھا یاد آیا۔ ادھر سے ایک دروازہ پشت پر بھی کھلتا ہے۔ لیکن اس جانب اوپر جانے کے لئے زینہ نہیں ہے۔ نوٹ کر لو۔ ادھر سے اوپر جانے کے لئے کوئی زینہ نہیں ہے۔"

نیاز نے جو سرسلطان کے پیچھے پیچھے گھومتا پھر رہا تھا، کہا۔" لیکن میں..."

"دوسری بات یہ ہے کہ۔" سرسلطان نے جلدی سے پلٹ کر نیاز کی بات کو آن سنی کر کے کہا۔" ہمارے مرحوم دوست سلیم اختر کی خوابگاہ ٹھیک کھانے کے کمرے کے اوپر واقع ہے۔ مجھ سے کسی نے یہی بتلایا تھا اور ساتھ ہی مجھے یاد آتا ہے سر سلیم کی خوابگاہ کی ایک کھڑکی کے آگے بالکنی ہے جس میں ایک زینہ بھی نیچے گراؤنڈ میں اترنے کے لئے بنا ہوا ہے۔ اگر تم کچھ بولے نیاز! تو بہت برا ہوگا۔ فی الحال خاموشی سے سنتے رہو۔ ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ اگر کوئی شخص یہ چاہے تو مکان میں موجود دوسرے لوگوں کی نظر بچا کر اس ڈرائنگ روم سے پچھلی سیڑھیوں کے ذریعے سلیم اختر کے کمرے میں داخل ہو سکتا ہے۔ اگر ہم۔"

ایک زوردار ہوا کا جھونکا کھڑکی کو زور سے کھولتا ہوا اندر گھس آیا۔ کھڑکی کے پٹ زور سے پھڑپھڑائے اور سرسلطان کی بات ادھوری رہ گئی۔ لیکن سرسلطان محض اسی لئے نہیں خاموش ہو گیا تھا کہ اس کے کانوں میں زور سے کھڑکی کھلنے کی آواز آئی تھی

بلکہ وہ اس لئے چپ ہو گیا تھا کہ ٹھیک اسی وقت مکان کی تمام بجلی کی روشنیاں جو ان لوگوں نے جلا رکھی تھیں، اچانک گل ہو گئی تھیں!"

"لا حول ولا قوۃ!" سر سلطان نے جھنجھلا کر کہا۔

"جی کوئی پریشانی کی بات نہیں سر!" پولیس سپرنٹنڈنٹ نے کہا "میرے پاس ایک ٹارچ ہے ــــ"

"معلوم نہیں فیوز اڑ گیا یا کوئی تار کٹ گیا ــــ؟" چیف انسپکٹر کی آواز گہری تاریکی سے اُبھری۔ "لیکن نہیں ــــ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اس جگہ دو دو تین تین کمروں کے الگ الگ فیوز لگے ہوئے ہیں، اس لئے تمام فیوز ایک ساتھ نہیں اڑ سکتے ضرور کوئی خاص تار کٹ گیا ہے ــــ اور......"

"فیوز بکس ــــ!" اچانک سر سلطان کی آواز سنائی دی۔

"جی ــــ؟" پولیس سپرنٹنڈنٹ نے دریافت کیا۔

"میں نے کہا، فیوز بکس ــــ! نیاز ــــ مکان کی تلاشی لیتے ہوئے کیا تم نے فیوز بکس میں سوئچ بھی دیکھا تھا؟ اجی لکڑی یا لوہے کا وہ بکس، جو مین سوئچ اور فیوز کے تاروں کی حفاظت کے لئے بنا ہوتا ہے؟"

"جی نہیں ــــ" نیاز نے جواب میں چیخ کر کہا۔ کیونکہ ہوا زور سے چلنے لگی تھی "فیوز نہیں اڑ سکتے ــــ اُسے تو سلمٰی کی موت سے قبل یا بعد میں کسی نے چھوا تک نہیں ہے ــــ"

"میرا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کو کھول کر تاروں کو گڑ بڑ کر دینے کی وجہ سے بجلی گل ہو گئی ہے ــــ" سر سلطان نے کہا ــــ "میرے دماغ میں اچانک یہ خیال آیا ہے کہ فیوز بکس کسی چیز کو چھپانے کے لئے بہترین مقام ہو سکتا ہے۔ خصوصاً ایک ایسی

نوٹ بک کو جو بارہ انچ چوڑی اور اٹھارہ انچ لمبی ہوا ؟۔ ایک لمحے کے توقف کے بعد اس نے پوچھا۔ "کہاں پر ہے فیوز بکس ـــ ؟"

"اوپری منزل پر ـــ سلمیٰ سلیم کے کمرے کے دروازے کے اوپر ہے ـــ !" نیاز نے جواب دیا ـــ "آیئے اوپر چلیں ـــ"

ٹارچ کی مدد سے راہ دیکھتے ہوئے وہ لوگ بالائی منزل پر پہنچے۔ یہاں سوئچ دبانے پر بتیاں جل گئیں۔ سلمیٰ کے دروازے سے ذرا ہٹ کر اوپر کی طرف ایک طاق سا دیوار میں بنا ہوا تھا جس کے اوپر قبضوں کی مدد سے کھڑکی جڑ دی گئی تھی اور اس پر دیوار ہی کا سرمئی رنگ ہوا ہوا تھا۔ کھڑکی تقریباً دو فٹ لمبی اور ایک فٹ چوڑی تھی۔ کمرے سے ایک کرسی نکال کر عارف نے دیوار سے لگا کر رکھ دی۔ چیف انسپکٹر نے اس پر کھڑے ہو کر فیوز بکس کی چٹخنی کھولی اور جیسے ہی پٹ کھلے ایک لمبی سی چمڑے کی جلد والی نوٹ بک اس کے منہ پر آگری !

"یہی ہے ـــ یہی ہے ـــ" عارف نے مسرت سے کہا۔

"ہاں یہی وہ نوٹ بک ہے جسے سلمیٰ سلیم نے اپنے شوہر کی موت والی رات کو اس فیوز بکس میں چھپا دیا تھا۔ اور یہی مقام اس کے لئے محفوظ ترین بھی تھا۔ سیکڑوں لوگ ایک فیوز بکس کو دیکھتے ہوئے گذر جائیں لیکن کسی کے دماغ میں یہ خیال نہیں پیدا ہو سکتا کہ اس کے اندر بجلی کے تاروں اور فیوزوں کے علاوہ اور بھی کوئی چیز موجود ہو سکتی ہے واقعی سلمیٰ سلیم کی ذہانت قابلِ داد ہے ـــ"

نیاز کرسی سے کود کر نیچے اُتر آیا اور نوٹ بک ہلاتے ہوئے بولا۔ "آخر ہم لوگوں نے تلاش کر ہی لیا ـــ خوب ! تو مسٹر سلطان یہی وہ شے ہے جس کی آپ کو تلاش تھی۔ ؟"

"ہاں نیاز! یہی وہ چیز ہے جس کی مجھے تلاش تھی۔ بشرطیکہ اس کے اندر وہی باتیں موجود ہوں۔ جن کی مجھے امید ہے۔ اور پھر ہم خطیب پر قابو پاسکیں گے۔ آؤ نیا نسا میز پر بیٹھ کر اطمینان سے اسے دیکھیں۔"

وہ لوگ سلمیٰ کے کمرے میں داخل ہو گئے۔ نیاز نے ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ کر نوٹ بک کو کھولا دوسرے لوگ بھی جھک کر دیکھنے لگے۔ نوٹ بک کے پہلے صفحہ پر موٹی سرخی سے لکھا ہوا تھا۔ "قتل کے نئے طریقے"۔ اس کے اندر اوراق پر مختلف اخباروں کی خاص خاص خبروں کی تفصیل بعض جگہ اقتباسات درج تھے۔ کہیں کہیں اصل اخبار کی کٹنگ ہی کاٹ کر چپکا دی گئی تھی۔ لیکن تمام خبریں پر اسرار موتوں یا قتلوں کے بارے میں تھیں۔ معلوم ہوتا تھا کہ یہ نوٹ بک چھ یا سات سال کے عرصے میں تیار کی گئی ہے کیوں کہ کہیں کہیں پر جو تاریخیں دی گئی تھیں، وہ اتنے ہی سال پہلے کی تھیں۔ اخباروں کے کچھ تراشے جو چپکے ہوئے تھے، ان کا کاغذ بھی کافی پرانا معلوم ہوتا تھا۔ بعض مقامات پر جو تراشے چسپاں تھے ان کی ظاہری حالت سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ عرصے تک کسی دراز میں لاپرواہی سے ٹھنسے پڑے رہے ہیں اور بعد میں نوٹ بک کے مالک نے انہیں جمع کیا ہے۔ تاریخیں بہت کم مقامات پر ڈالی گئی تھیں۔ کچھ اقتباسات ایک مقبول عام رسالے سے نقل کئے گئے تھے، چند ایک طبی ہفتہ وار اخبار سے۔ ان کو ترتیب دیتے ہوئے تاریخوں کا کوئی لحاظ نہیں رکھا گیا تھا۔ کہیں ۱۹۳۵ء پہلے آتا تھا ۱۹۳۶ء بعد میں اور کہیں ۱۹۳۸ء کے بعد ہی ۱۹۳۲ء کا تراشہ نظر آجاتا تھا۔

نیاز جعفری نوٹ بک کے اوراق جلدی جلدی پلٹتا جا رہا تھا لیکن جب وہ نوٹ بک کے آخری ورق سے پہلے والے ورق پر پہنچا تو سر سلطان کے منہ سے ایک لمبی "آہ"

کی آواز نکل گئی کیونکہ صاف نظر آتا تھا کہ اس پہ کوئی اخبار کا تراشا چپکا ہوا تھا لیکن حال ہی میں اُسے نکال لیا گیا ہے ۔

"دیکھا تم نے؟" سرسلطان نے نیاز سے کہا۔ "وہ پوری نوٹ بک تو جلا نہیں سکتی ہے۔ اس لئے اس نے اس میں ایک خاص تراشہ نکال کر جلا دیا۔"

"کیا آپ محض اس تراشے کو حاصل کرنے کے لئے اس نوٹ بک کے خواہاں تھے؟"

"ہاں۔" سرسلطان نے جواب دیا۔ "لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اب یہ ہمارے کسی کام کی ہی نہیں۔ ہاں یہ تھا کہ اگر وہ تراشہ اس میں موجود ہوتا تو میں لوگوں کو اس بات کا ثبوت دے سکتا تھا کہ میں صحیح راستے پر گامزن ہوں۔ کاش اس میں وہ حقیر اور معمولی سا تراشہ چپاں ہوتا....."

وہ وہاں سے ہٹ کر ایک کرسی پر جا بیٹھا اور جیب سے سگریٹ کیس نکال کر کھولا۔ ایک سگریٹ سلگا کر اس کے مرغولے اُڑانے لگا۔ چیف انسپکٹر نے کہا۔

"کاش یہی معلوم ہوتا کہ یہ کس اخبار یا رسالے کا اور کس اشاعت کا تراشہ تھا تو شاید ہمیں اپنے کام کی بات معلوم ہو جاتی۔ لیکن افسوس کہ کوئی خفیف سا سراغ بھی اس ورق سے نہیں ملتا۔ پوری نوٹ بک میں دنیا بھر کے اخبارات کے تراشے اور اقتباسات تو موجود ہیں۔ کچھ انگریزی اخباروں اور ہندی رسالوں کی خبروں کے ترجمے بھی ہیں۔ ہمیں تاریخ یا مہینہ بھی نہیں معلوم ہو سکتا، اخبار کا نام بھی ہم نہیں جانتے اور سب سے بڑھ کر تو یہ ہمیں یہ بھی نہیں معلوم کہ ہم کس قسم کی خبر اس تراشے میں پڑھنے کی امید کرتے تھے۔" چیف انسپکٹر نے سرسلطان سے مخاطب ہو کر کہا۔ "اگر آپ ہمیں ذرا سا بھی اشارہ کر سکیں کہ آپ کس لائن پر کام کر رہے ہیں تو شاید ہم لوگ کچھ نتیجہ اخذ کر سکیں۔ بتلائیے تو کہ آپ کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں؟"

سرسلطان نے اپنا سر ہتھیلی پر رکھ کر کہنی میز پر ٹیکتے ہوئے کہا۔ "بے شک! مجھے تمام دشواریوں کا علم ہے۔ سلمیٰ اسلیم کسی رسالے یا اخبار کی مستقل گاہک بھی نہیں تھی اس کی کوئی ایسی سہیلی بھی نہیں، جس سے ہمیں کچھ معلوم ہو سکے کہ وہ کون سا اخبار ہو گا جس کا تراشا اس میں سے نکال لیا گیا ہے۔ بہر حال میں چاہتا تھا کہ تم لوگوں پر اور عوام پر ثابت کر سکوں کہ ....."

"جی ــــــ؟"

"کہ کوئی آدمی مردہ ہونے کے باوجود بیک وقت جاندار بھی ہو سکتا ہے!"

کمرے میں موجود ہر شخص سرسلطان کی اس بات پر مسکرائے بنا نہ رہ سکا۔ سرسلطان بذاتِ خود ہنس رہا تھا۔ اس نے کہا۔ "میں پہلے ہی سمجھتا تھا کہ تم لوگ مجھے پاگل سمجھو گے لیکن میرے دوستو! میں واقعی یہی بات ثابت کر سکتا تھا، اگر وہ تراشا اس نوٹ بک سے نکال کر جلا نہ دیا گیا ہوتا ــــ ویسے پہلے بھی تم لوگوں کو یقین نہیں آیا تھا، جب میں نے کہا تھا کہ نوٹ بک پلی کوٹھی" میں ہی موجود ہے۔ اور تم نے دیکھا کہ نوٹ بک یہیں نکلی ــــ میں نے تمہیں یہیں سے نکال کر دکھلا دی ــــ"

"بیشک وہ دوسری بات تھی۔ لیکن آپ بھی کوئی جاندار لاش نہیں دکھلا سکتے۔ نہ آپ، نہ کوئی اور ہی ــــ" قہقہہ لگا کر چیف انسپکٹر نے کہا ــــ "سرسلطان! اس بار آپ نے بُری طرح مات کھائی ہے۔ آپ پروفیسر خطیب سے ہار گئے سر! آپ اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتے کہ اپنی پُراسرار موم بتیوں، جادوئی فوارے اور اس عجیب و غریب نوٹ بک کی مدد سے خطیب کا بال بھی بیکا نہ کر سکے۔ شاید آپ اس وقت کامیاب ہو جاتے جب آپ مردوں میں چلنے پھرنے اور باتیں کرنے کی طاقت پیدا کر لیں، جیسا کہ آپ ثابت

کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اور ہاں تب آپ کی اور پروفیسر خطیب کی جوڑ برابر کی ہوگی۔"

"شاید تمہارے اعصاب پر بڑا اثر پڑا ہے نیاز" سر سلطان نے اطمینان سے کہا

"میرے اعصاب پر بڑا اثر پڑا ہے۔؟" نیاز نے دریافت کیا "کس چیز کا اثر۔؟"

"نیلی کوٹھی کا ادسان تمام پُراسرار چیزوں کا جن کی فہرست ابھی تم نے گنائی تھی۔ تمہیں اب اس مکان سے خوف محسوس ہونے لگا ہے شاید۔"

"جی نہیں۔ میں...." اسی وقت ہوا کا ایک زوردار جھونکا آیا اور نیاز کچھ جھجک گیا۔

"دیکھا تم نے۔!" سر سلطان نے ہنس کر کہا "اب تم ذرا ذرا سی بات پر چونکنے لگے ہو۔"

"جانے دیجئے سر سلطان۔" ڈاکٹر عارف نے ہنس کر کہا۔" ورنہ یہ ابھی شرم سے منہ چھپا کر بیٹھ جائیں گے۔"

"اچھا ادھر سنو نیاز!" سر سلطان نے ایسی بارعب آواز میں کہا کہ سب لوگ خاموش ہو گئے "اکثر میں نے دیکھا ہے کہ تم جذبات کی رو میں بہہ کر ادھر اُدھر بہکنے لگتے ہو۔ لوگوں کا اپنے بزرگوں کا احترام نہیں کر سکتے۔ یہ بھول جاتے ہو کہ تم اس شخص کے سامنے گفتگو کر رہے ہو جس نے تمہیں چیف انسپکٹر بنا دیا۔"

"جی... جی.. اگر میری کوئی بات۔" نیاز نے بوکھلا کر کہا۔

"نہیں معذرت کی ضرورت نہیں۔" سر سلطان نے اسی لہجے میں کہا۔

"میں تمہیں اپنا بیٹا سمجھتا ہوں۔ اور چاہتا ہوں کہ تم ترقی کرو۔ لیکن تمہیں ذرا ذرا سی بات پر چونکنے اور ٹھٹکتے ہوئے دیکھ کر مجھے افسوس ہوتا ہے۔ بہرحال یہ تو

بتلاؤ کیا تم قاتل کو گرفتار کرنا چاہتے ہو۔ ؟"

" جی ہاں بیشک میں قاتل کو گرفتار کرنا چاہتا ہوں ۔" نیاز نے دھیرے سے کہا۔" اور سر سلطان اگر آپ کی شان میں کوئی گستاخی ہوگئی ہو تو میں آپ سے معافی چاہتا ہوں ۔ آپ ہی نے ہم لوگوں کو سر پر چڑھا کر بے تکلف بنالیا ہے ۔"

" میں نے کہا نا۔" سر سلطان نے ہنس کر کہا ۔" کہ معذرت کی ضرورت نہیں میں نے تمہاری کسی بات کا بُرا نہیں مانا ۔ بہر حال میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ کل قاتل تمہارے قبضے میں ہوگا ۔ ہاں ہمیں کافی کام کرنا ہوگا ۔ بہر حال قاتل کل گرفتار ہو جائیگا کل کارونر کی عدالت منعقد ہونے والی ہے ۔ پروفیسر خطیب اس میں شرکت کرنے اور بیان دینے کا شائق ہے لیکن وہ اس میں شرکت نہیں کر سکے گا ۔ یا کم از کم ہم ایسی کوشش کریں گے کہ وہ کارونر کی عدالت کے سامنے پیش نہ ہوسکے ۔ اس کے لئے ہمیں مخصوص اجازت حاصل کرنی ہوگی ۔ کام مشکل ہے لیکن میں مرکزی حکومت سے اجازت حاصل کرلوں گا ۔ بہر حال اخباروں میں اپنا بیان بھیج دو کہ ..... "

کتاب سوئم ختم ہوئی

کتاب چہارم

طلوعِ صبح

بوڑھا جاسوس میدانِ عمل میں

چرخ کو کب یہ سلیقہ ہے ستمگاری میں
کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا
جو چیرا تو اک قطرۂ خوں نہ نکلا

اخباری خبریں

(اخبار "انقلاب" بمبئی ۴؍ مئی ۱۹۵۶ء کی سرخی)

پروفیسر خطیب کا سلیم اختر کی موت پر بیٹھنے والی کارونر کی عدالت میں داخلہ ممنوع!

خطیب آج رات کو ریڈیو پر قوت ارادی کا کھلا ہوا تجربہ پیش کرے گا!

("کرانم رپورٹر" ڈیلی۔ بمبئی کی سرخیاں)

سلیم اختر کی موت پر کارونر کی عدالت کا دوبارہ انعقاد ـــ حکومت سیلون کی جانب سے پروفیسر خطیب کو دعوت۔ کولمبو ریڈیو اسٹیشن پر خطیب تجربہ پیش کر رہا ہے!

(روزنامہ "ٹائمز" بمبئی کی سرخی)

پروفیسر خطیب کا نیا شکار کون ہوگا ـــ ؟ چیلنج کا جواب ریڈیو سیلون سے دیا جائیگا!

نرالی وضع کا قاتل آج کارونر کی عدالت میں شرکت نہیں کر سکتا!

("بلٹز" بمبئی کی سرخی)

بوڑھا سراغرساں سر سلطان صدیقی میدان عمل میں!

پروفیسر خطیب قوت متخیلہ کا عملی ثبوت تو بج کر پچاس منٹ پر پیش کر رہا ہے۔

شرلاک ہومز ہندوستان میں

-: اور تمام اخبارات کا اس سلسلے میں مشترکہ خلاصہ :-

آج پروفیسر خطیب کی ذات سے جس قسم کی سنسنی خیز باتیں سننے میں آرہی ہیں انھیں معلوم کر کے سوائے حیرت کے اور کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ عام طور پر کسی کی موت کے سلسلے میں موت کا سبب معلوم کرنے کے لئے کارونر کی عدالت منعقد ہوتی ہے اس میں عوام کے داخلے پر کسی قسم کی پابندی نہیں ہوتی۔ لیکن یہ معلوم کر کے ہماری حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہی کہ محض پروفیسر خطیب کو عدالت میں حاضر ہونے سے روکنے کیلئے سلیم اختر کی موت پر کی جانے والی کارونر کی تفتیش مقفل کمروں میں ہوگی۔ جہاں عوام کا داخلہ سخت ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ یہ ایک قسم کا حیرت انگیز اور غیر قانونی اقدام ہے کہ ہمیں حکام کی جرأت پر تعجب ہوں نے اس کے احکامات جاری کئے، سخت حیرت ہے اور اس سلسلے میں یقیناً انھیں اپنے طرزِ عمل کے لئے جوابدہ ہونا پڑے گا۔ حالانکہ اس طرح ان لوگوں نے اپنی عقلمندی کا ثبوت بھی دیا ہے ورنہ کھلی عدالت میں پروفیسر خطیب کے یہ دعویٰ کرنے کے بعد کہ وہی سلیم اختر کا قاتل ہے، اور سلیم کی موت کی وجہ معلوم ہوسکنے کی وجہ سے عدالت اور قانون کے سامنے ایک ایسا معمہ آجاتا جسے حل کرنے کی کوئی صورت نہ تھی، بہرحال اب بھی صاحب کارونر، شری رام شنکر شکلا پر، جو اس وقت موت کی وجہ دریافت کرنے کے لئے مقرر ہوئے ہیں ذمہ داری کا ایک عظیم بار عائد ہوتا ہے اور دیکھنا ہے کہ وہ اسے کس طرح انجام دیتے ہیں —

---

(۱۷)

صاحب کارونر نے عدالت کا اجلاس ٹاؤن ہال میں منعقد کرنا طے کیا تھا۔ یہ ایک وسیع اور محفوظ عمارت تھی جسے کسی مرہٹہ سردار نے تعمیر کروایا تھا۔ عمارت کے باہر ہزاروں آدمیوں کا مجمع تھا جن میں دور دور کے شہروں سے آئے ہوئے اخبارات کے نمائندے بھی شریک تھے۔ لیکن ان میں سے کسی کو اس بات کی بھنک بھی نہ مل سکی کہ ٹاؤن ہال کے کس حصے میں اجلاس منعقد ہو رہا ہے؟ وہ ایک لمبا چوڑا کمرہ تھا جو عمارت کے عین وسط میں واقع تھا۔ جو عام طور پر بند پڑا رہتا تھا لیکن اس موقعہ پر کھول کر صاف کر دیا گیا تھا۔ پختہ دیواروں، پتھر کے فرش اور سیمنٹ کی چھت سے ڈھکا ہونے کی وجہ سے آواز کافی گونجتی تھی۔

صاحب کارونر کے ٹیبل سے کچھ اوپر ایک برقی لیمپ سفید شیڈ سے لٹک رہا تھا۔ اور اس کے مقابل میں گواہ کے لئے کرسی پڑی ہوئی تھی۔ ایک چھوٹا سا ڈائس بنا کر اس پر جیوریوں کے لئے کرسیاں ڈال دی گئی تھیں۔ جن پر معزز اصحاب بیٹھے ہوئے تیز تیز سانسیں لے رہے تھے۔ بقیہ جگہ پر جو کرسیاں رکھی ہوئی تھیں ان میں سے بہت سے خالی پڑی تھیں کیونکہ بہت تھوڑے سے اشخاص پہلی قطار میں بیٹھے تھے۔ لیکن جتنا کمرے میں سکون اور امن تھا اتنا ہی باہر شور و غل اور دھوم ہو رہا تھا۔ ایک طرف کا دروازہ کھلا ہوا تھا جس کے سامنے ہی ایک لوہے کی سلاخوں دار کٹہرے کی پڑتی تھی اور اسکی راہ سے ان لوگوں کی گھما گھمی کا ایک منظر نظر آتا تھا جو کہ باہر کھڑے ہوئے تھے۔

"میں چاہتا ہوں سب انسپکٹر! کہ عدالت میں مکمل خاموشی رہے ۔۔۔"
کارونر صاحب نے فائلیں کھول کر ٹیبل پر پھیلاتے ہوئے کہا۔

"یس سر ۔۔۔"

"یس سر! کیا مطلب ۔۔۔؟" کارونر نے گھور کر سب انسپکٹر کو دیکھا۔" اجی وہ اس کمرے کی کھڑکی بند کر دو جا کر ۔۔۔"

"بہت اچھا صاحب!"

"اور یہ باہر بھیڑ کس لئے لگا رکھی ہے ان لوگوں نے ۔۔۔ انھیں منتشر کیوں نہیں کر دیا جاتا؟"

"بہت اچھا جناب! بڑا بھاری مجمع جمع ہو گیا ہے ۔ یہاں سڑک کے اس کنارے سے لے کر اس میدان تک لوگوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ نظر آتے ہیں ۔ میں نے دوران الیکشن کے علاوہ برجیس نگر میں اتنا مجمع ایک جگہ کبھی نہیں دیکھا ۔۔۔"

"سنو سب انسپکٹر! مجھے اس سے کوئی غرض نہیں کہ برجیس نگر یا بمبئی کی ساری آبادی الٹ کر یہاں آگئی ہے اور ہماری عزت بڑھانا چاہتی ہے ۔ مجھے اس سلسلے میں اوپر سے خاص ہدایات موصول ہوئی ہیں اور میرا فرض ہے کہ ان کا خاص خیال رکھوں ۔۔۔ اوہ! کیا قانون کا ہاتھ تنگ ہو گیا ہے خدا کے لئے ذرا جلد جا کر اس طوفان بدتمیزی کو ختم کرو ۔۔۔ یہ شیر کے دہاڑنے جیسی آواز کیسی ہے ۔۔۔؟"

"جی معلوم ہوتا ہے کوئی بینڈ بج رہا ہے ۔۔۔"

"پناہ بخدا ۔۔۔" صاحب کارونر رام شنکر شکلا، جو اپنے چڑچڑے مزاج کے لئے بدنام تھے، غرا کر بولے ۔۔۔" جاؤ اسے بند کراؤ ۔۔۔ مجھے اس وقت مکمل سکوت درکار ہے۔"

"بہت اچھا صاحب ۔۔۔"

" اچھا ۔" کارونر صاحب نے کھنکار کر اپنا گلا صاف کرنے کے بعد کہا۔
" صاحبان جیوری! پہلے تو مجھے آپ کے اور اپنے بارے میں واقعی افسوس ہے کہ اس قسم کے کیس کی تفتیش اور کارروائی کے لئے ہم لوگوں کو پھانسا گیا ہے۔ جب اس غل غپاڑے میں ہم سن بھی نہیں سکتے۔ بہر حال آپ لوگ اس جانب سے اپنے کان بند کر لیجئے اور اس گواہ کا بقیہ حال سنئے جو پچھلی کارروائی میں ادھورا رہ گیا تھا۔ ڈاکٹر عارف صاحب تشریف لے آئیں ۔"

گواہ کی کرسی پر بیٹھ کر عارف نے چاروں طرف نگاہ ڈالی۔ کارونر اور جیوری کے علاوہ سر سلطان، چیف انسپکٹر نیاز، ایم فیروز، سپرنٹنڈنٹ پولیس جبیں گر، اور ڈاکٹر گھوش وہاں موجود تھے اور سب کے چہرے اس طرح ساکت تھے کہ معلوم ہوتا کر سیوں پر آدمی نہیں مجسمے بٹھلا دیئے گئے ہیں۔

" اچھا تو ڈاکٹر صاحب! آپ مرحوم سلیم اختر کی موت کے بعد اور اس کے لاش کے پوسٹ مارٹم کے بارے میں تمام حالات پچھلے اجلاس عدالت کے سامنے پیش کر چکے ہیں۔ کیا آپ کے خیال میں وہ بیان ہر قسم کے شک و شبہہ سے بالاتر ہے؟"

" جی ہاں ۔ میں نے پورے ہوش و حواس میں بیان دیا تھا اور جتنے حالات مجھے معلوم تھے سچ سچ بیان کر چکا ہوں ۔"

" اور ہم اس سے اتفاق کرتے ہیں ۔" صاحب کارونر بولے۔" اور کیا آپ ڈاکٹر گھوش کے اس بیان سے بھی متفق ہیں جو انھوں نے عدالت کے سامنے دیا تھا؟"

" جی ہاں ۔"

باہر سے پختہ دیواروں کو پار کرتی ہوئی آوازیں بلند تر ہو کر ان لوگوں کے کانوں میں خراش ڈالنے لگیں ——"آگے سرک بے! گرا پڑتا ہے میرے اوپر —— !"

"اے —— دھکا کیوں دیتا ہے! منھ توڑ دونگا سالے کا ——؟"

"خاموش رہو —— خاموش رہو —" پولیس کانسٹیبل کی آواز بھی سنائی دی ۔

"سب انسپکٹر!" صاحب کارونر نے کانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا ۔" یہ دوسری طرف کی کھڑکیاں بھی بند کر دو بھئی ۔ ورنہ میں بہرا ہو جاؤنگا —— شکریہ —— ہاں تو ڈاکٹر عارف! آپ یہ بتلائیے کہ .... "

عارف کارونر کے سوالوں کا جواب مشینی انداز میں دیتا رہا ۔ ایک تو رات بھر کتابوں کا مطالعہ کرتے رہنے سے اس کا سر یوں ہی درد کر رہا تھا ۔ اس پر باہر سے مجمع کی چیخ و پکار سونے پر سہاگے کا کام کر رہی تھی ۔ پھر بار بار اس کے دماغ میں صبیحہ کا خیال بھی پیدا ہوتا تھا کہ کہیں اس نے پروفیسر خطیب کے ساتھ لنکا جانیکا پروگرام تو نہیں بنا لیا ——

"آپ نے پہلے عدالت کو بتلایا تھا ڈاکٹر صاحب! کہ موت کے بعد سلیم کی لاش کا پوسٹ مارٹم کرنے پر اس کے جسم کا کوئی سخت یا نازک حصہ زخمی نہیں پایا گیا ۔"

"جی ہاں ——"

"اور یہ بھی —— کہ اس صورت میں سلیم کی موت چند ایسے ذریعوں سے واقع ہو سکتی تھی جن سے بعد میں اس کے بدن کے معائنے پر موت کا سبب معلوم نہیں ہو سکتا ۔ لیکن آپ یہ نہیں بتلا سکے کہ موت اُن ذریعوں میں سے کس خاص ذریعے کی وجہ سے ہوئی ۔"

"جی ہاں ——" عارف نے جس کا سر بُری طرح چکرا رہا تھا ، جواب دیا اور

پھر دل ہی دل میں بڑبڑایا ۔ "لعنت ہو خدا کی اس کمبخت خطیب پر۔ ایک تو ہزار ہ کوشش کے باوجود میں دیسے ہی رات بھر سو نہیں سکا۔ اس پر سے یہ بیہودہ اور فضول کارروائی آکر گلے پڑی۔ تین بج چکے ہیں۔ جلدی سورج بھی غروب ہو جائے گا اور وہ کمبخت نو بجے کے قریب مجھے ریڈیو اسٹیشن سے تجربہ کر کے اپنا عمل پڑھتے ہوئے قتل کرنے کی کوشش کرے گا۔ شاید صحیح وقت پونے دس سے سوا دس تک ہے۔ یعنی اگر پروفیسر خطیب واقعی اپنے دعووں میں سچا ہے تو مجھے زندہ رہنے کے لئے صرف سات گھنٹوں کی اور مہلت ہے ۔"

"کیا سلیم کی موت ایک لمحے کے اندر واقع ہو گئی تھی ۔ ؟" کارونر نے سوال کر کے عارف کے خیالات کا تسلسل توڑ دیا۔

"جی نہیں ۔ اُسے مرنے میں تقریباً دو منٹ تڑپنا پڑا ۔"

"کیا آپ کے خیال میں اسے مرتے ہوئے بھی سخت تکلیف تھی ۔ ؟"

"جی ہاں ۔" عارف نے مختصر سا جواب دیا۔ اسے اس رقعہ کا مضمون یاد آرہا تھا جو آج صبح اسے صبیحہ نے بھیجا تھا جس میں حسب وعدہ شب گزشتہ عارف کے ساتھ 'گرین ہوٹل' میں کھانا نہ کھا سکنے کی معذرت کرتے ہوئے اس نے لکھا تھا کہ اسے سر سلطان کی مہم کو کامیاب بنانے میں مدد دینے کے لئے پروفیسر خطیب کے ساتھ لنکا جانے کی تیاری کرنی تھی ۔

"عارف صاحب! ازراہ کرم آپ عدالت کی طرف پوری توجہ دیں۔" صاحب کارونر نے اسے خیالات میں غرق پا کر درخواست کی ۔

"جی میں معذرت خواہ ہوں۔" عارف چونک کر بولا ۔ اور پھر سوچنے لگا ۔

"لیکن یہ سرسلطان کی مہم کون سی ہے ؟ اس نے کیا پلان تیار کر رکھا ہے ؟"

"عارف صاحب! ازراہ کرم عدالت کو کسی نتیجے پر پہنچنے کے لئے مشورہ دیجئے۔ کیا آپ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ کوئی شخص اپنے کسی روحانی عمل سے کسی جان دار کو قتل کر سکتا ہے ؟"

"جی بالکل نہیں ۔"

"اور کیا آپ اس قسم کے خیال کو محض بکواس تصور کرتے ہیں ؟"

"بے شک ۔ !"

"اور ساتھ ہی ساتھ آپ دوسرے لوگوں کی طرح اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ سلیم کی موت کا سبب معلوم نہیں کیا جا سکتا ۔ ؟"

"جی ہاں ۔"

"شکریہ ڈاکٹر عارف صاحب! میرے خیال میں اتنا کافی ہے۔ اب آپ تشریف لے جا سکتے ہیں ۔"

جیوری میں سے ایک ممبر نے جو دوسروں کی بہ نسبت زیادہ بے چینی کا اظہار کر رہا تھا، اپنا گلا صاف کر کے کہا ۔

"کارونر صاحب! کیا ہم لوگوں کو گواہ سے ایک سوال کرنے کی اجازت ہے ؟"

"جی ہاں ۔ سلیم کی موت سے تعلق رکھنے والا کوئی بھی سوال گواہ سے کیا جا سکتا ہے ۔"

اس ممبر نے اپنے ہاتھ گھٹنوں پر رکھ کر ڈاکٹر عارف سے پوچھا ۔

"ہاں مسٹر ۔ ! 'قوتِ ارادی' کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے ۔ ؟"

اس سوال پر ممبرانِ جیوری میں اضطراب کی ایک لہر سی دوڑ گئی ۔ اور سب

سنبھل کر اپنی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ ممبران جیوری کا فورمین جو برجیس نگر کا کونسلر لیڈر تھا، اس طرح چونکا جیسے یہ سوال اسے ہی کرنا چاہئے تھا۔ اس نے بھی وہی سوال دہرایا۔

"جی ہاں — اس پراسرار طاقت کے بارے میں آپ کا خیال کیا ہے ڈاکٹر عارف؟"

"میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتا —" ڈاکٹر عارف نے تلخ لہجے میں کہا۔

"کیا آپ نے اخبارات میں اس کا تذکرہ بھی نہیں پڑھا — ؟"

"میرا مطلب یہ تھا کہ میں نے اس سلسلے میں کوئی تذکرہ سائنس کے حلقے میں نہیں سن" ڈاکٹر عارف نے جواب دیا — "ویسے اگر آپ میرا خیال جاننا چاہتے ہیں تو میں بھی مشہور ماہر نفسیات پروفیسر گوڈیش کی طرح اسے محض بکواس سمجھتا ہوں —"

"لیکن . . . ." جیوریوں میں سے ایک نے کچھ کہنا چاہا۔

"حضرات!" کارونر نے مداخلت کرتے ہوئے بارعب آواز میں کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ اس عدالت میں آپ لوگوں کو اپنے ذاتی تجسس کی تسکین کے لئے سوالات کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ اس بات کا خیال رکھئے کہ صرف اس قسم کے سوالات اس عدالت میں کئے جائیں کہ جو سلیم اختر کی موت کا سبب معلوم کرنے میں معاون ثابت ہوں۔ آپ لوگوں نے طبی رپورٹ اور ڈاکٹروں کے بیانات سن لئے ہیں۔ اور آپ کا فیصلہ ان ہی اور صرف انہی بیانات اور رپورٹ کے مطابق اخذ کیا جانا چاہئے جو اس عدالت میں پیش کئے گئے ہیں۔ اس سلسلے میں ص آپ لوگوں سے درخواست نہیں کر رہا بلکہ خاص عدالتی اختیارات کو کام میں لا ہوئے اس بات کی سخت تاکید کر رہا ہوں، تاکہ کسی قسم کی بے ضابطگی نہ ہونے

پائے گا امید ہے کہ میری مجبوری کا خیال کرتے ہوئے اس سلسلے میں مجھے معاف کیا جائے گا۔"

ممبران جیوری کی صف میں کارونر کے اِس بیان پر بے چینی پھیل گئی۔ انھوں نے آپس میں کانا پھوسی کرنا شروع کر دی۔ ایک نے کہا۔۔۔

"لیکن یہ رویہ قطعاً غلط ہے۔۔۔"

"میری بیوی کی موت پر بھی ڈاکٹروں نے۔ . . . ایک دوسرے ممبر نے کچھ کہنا چاہا۔

کارونر نے میز پر ہتھوڑی سے آواز پیدا کرتے ہوئے کہا۔۔۔

"آرڈر۔۔۔ آرڈر۔۔۔ میں مکمل خاموش رہنے کی درخواست کرتا ہوں۔۔۔"

اُسی وقت باہر کھڑے ہوئے مجمع کی آوازوں کا ریلا دیواروں کو پار کرتا ہوا اُن لوگوں کے کانوں میں پڑا۔

"ارے! وہ آگیا۔۔۔ میں نے ابھی اُسے دیکھا ہے۔۔۔!"

"کس کو۔۔۔؟"

"ابھی ابھی کار سے اُترا ہے۔ ہٹو! سامنے سے ہٹ جاؤ جی۔۔"

"ہاں۔۔۔ میں نے بھی دیکھا ہے۔۔۔"

صاحب! کارونر نے کہا۔۔۔ "صاحبان! کھڑکیوں کی طرف دیکھنے کے بجائے ازراہ کرم میری طرف دھیان رکھیئے۔ باہر جو کچھ ہو رہا ہے اُس سے ہمارا کوئی تعلق نہیں آپ لوگ محض عدالت کے کاموں میں دلچسپی لیجئے۔ اچھا ڈاکٹر عارف صاحب! شکریہ۔ اب عدالت کو آپ سے کوئی سوال نہیں کرنا ہے جیوری مطمئن ہو چکے۔ آپ تشریف لے جا سکتے ہیں۔"

باہر سے آنے والی آوازیں تیز ہو گئیں۔۔۔

"ہاں ہاں۔۔۔ یہی قاتل ہے۔۔"

"شش۔۔۔شش۔۔۔خاموش!"

"میں کہتا ہوں یہ زبردستی ہے۔ اُسے عدالت میں بیان دینے کا موقع ملنا چاہیئے۔"

"اجی صاحب! یہ نازیوں کا آدمی ہے۔"

"نازی ہے۔۔۔نازی ہے۔۔۔ہٹلر کا بہت پکا دوست ہے جناب!"

"میں نے اُس بوڑھے گنجے جاسوس کو جسے 'سر' کا خطاب دیا گیا ہے، کل بمبئی سے آتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ خطیب۔۔۔۔۔"

"ہاں تو میں۔۔" صاحب کارونر کہہ رہے تھے "محض اس عدالت کے اندر ہونے والی کارروائی سے نتائج اخذ کرنے میں ڈاکٹر عارف ہمارے آخری گواہ تھے۔ اب سلیم اختر کی موت کے سلسلے میں مفصل حالات مجھ سے سننے کے بعد اپنے فیصلے سے مطلع فرمائیے۔ ویسے مجھے خدشہ ہے کہ آپ لوگوں نے پہلے ہی سے اس سلسلے میں فیصلہ کر لیا ہے، بہرحال سنئے۔"

ڈاکٹر عارف نے ایک گھومتی ہوئی نظر اجلاس پر ڈالی۔ اگلی صف میں بیٹھے ہوئے لوگ بالکل ساکت بیٹھے تھے۔ سر سلطان صدیقی اپنی کرسی کی پشت پر جھکا ہاتھ زانو پر رکھے اور آنکھیں بند کئے ہوئے اس طرح بیٹھا تھا جیسے اطمینان سے سو رہا ہو۔ چیف انسپکٹر نیاز مسعودی کے ساتھ کرسی پر بیٹھا ہوا ٹکٹکی لگائے کارونر کو دیکھ رہا تھا۔ ڈاکٹر عارف کے دل میں بے اختیار ایک سگریٹ سلگا کر کش لینے کی خواہش پیدا ہوئی۔ وہ کمرے سے نکل کر باہر گیلری میں آ گیا اور اُسی وقت کھلی ہوئی کھڑکی میں سے اُسے پروفیسر خطیب سیڑھیاں چڑھتا ہوا دکھائی دیا۔

مغرب کی طرف ڈھلتے ہوئے سورج کی کرنیں پروفیسر کے چہرے پر پڑ رہی تھیں ڈاکٹر عارف کو خطیب کے چہرے پر ایک غیبی سی کیفیت اور ایک پُراسرار قسم کا جلال نظر آیا۔ اُس کی آنکھوں میں عجیب قسم کی پُرسحر چمک تھی۔ وہ سوتی لباس میں ملبوس ہیٹ لگائے ہوئے

اور دا ہنے ہاتھ میں ایک سوٹ کیس لٹکائے چلا آ رہا تھا۔ وہ چڑھتا ہوا سب سے اوپری سیڑھی پر آ گیا تھا کہ ایک پولیس مین نے لپک کر اسے روک لیا۔

"کیوں جناب! آپ یوں بدھڑک کہاں چڑھے چلے آ رہے ہیں؟"

"مجھے عدالت کے سامنے سلیم اختر کی موت کے بارے میں ایک بیان دینا ہے" خطیب نے سختی سے جواب دیا۔

"کیا تم اس مقدمے میں گواہ ہو ___؟"

"نہیں ___"

"تو پھر پبلک اور اخباری نمائندوں کو اجلاس میں شرکت کا اجازت نہیں ہے، چلو واپس چلو"

"میں نے کہا نا، مجھے عدالت کے سامنے ایک بیان دینا ہے" پروفیسر خطیب بولا "قانون کی رو سے ہر اس شخص کو جو موت کا سبب متعین کرنے میں کوئی مدد دے سکے عدالت کے سامنے حاضر ہونے کا اختیار ہے ___"

"جی ہاں ___ لیکن اس کیس کے سلسلے میں مخصوص احکامات جاری کئے گئے ہیں بغیر پروانہ یا اجازت نامہ کے کوئی شخص اندر نہیں جا سکتا"

"شاید آپ نے مجھے پہچانا نہیں کانسٹبل صاحب! میں پروفیسر خطیب ہوں۔ خطیب! جسے لوگ اچھی طرح جانتے ہیں، جو سلمیٰ اور سلیم کا قاتل.... ؟"

"تو پھر پولیس اسٹیشن جا کر خود کو گرفتاری کے لئے پیش کرو" کانسٹبل نے ڈپٹ کر کہا "مجھے یہاں اس لئے تعینات کیا گیا ہے کہ کوئی داخل نہ ہونے پائے۔ مجھے اس سے کچھ مطلب نہیں کہ تم کس کے قاتل ہو؟"

"کیا تم چاہتے ہو کہ میں.... ؟" غصے میں بھر خطیب نے اپنا ہاتھ اس طرح اٹھایا جیسے کانسٹبل

کے منہ پر گھونسہ مارنا چاہتا ہو۔ لیکن پھر وہ رک گیا اور اپنا ہاتھ نیچے کر لیا۔ ڈیوٹی پر موجود کانسٹیبل نے اسے گھور کر دیکھا۔

"اُس نے گھُڑک کر کہا۔ "کسی زعم میں نہ رہنا۔ میں تمہاری ساری جادوگری ابھی خاک میں ملا دوں گا۔ سمجھے۔"

اُسی وقت اجلاس کے کمرے کا دروازہ کھول کر سر سلطان باہر نکل آیا۔ اُس کے ہاتھ کمر پر رکھے ہوئے تھے۔ گیلری پار کر کے اُس نے صدر دروازہ کھولا اور باہر جھانک کر کہا۔

"ہلو کانسٹیبل! انھیں اندر آ جانے دو۔ کارونر صاحب اپنی کارروائی تقریباً ختم کر چکے ہیں۔ اور اب مجھے خطیب کے اندر داخلے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

خطیب نے سوٹ کیس وہیں سیڑھی پر رکھ دیا اور اپنے ہاتھ سے دستانے اُتار کر جیب میں رکھتا ہوا بولا۔ "اُف! کیا واقعی اجلاس برخاست ہونے والا ہے۔ مجھے بہت افسوس ہے کہ میں کچھ دیر پہلے نہیں آ سکا۔ میں چاہتا تھا کہ مکمل تیاری کر کے آؤں تاکہ اِدھر ہی سے ہوائی اڈے پر پہنچ کر لندن کے لئے روانہ ہو جاؤں۔ اسی لئے میں سوٹ کیس بھی لے آیا تھا۔ مجھے یہ معلوم کر کے بڑی حیرت ہوئی تھی کہ مرکزی حکومت کے ہوم ڈیپارٹمنٹ نے خاص احکامات جاری کئے ہیں کہ یہ اجلاس مقفل کمروں کے پیچھے ہوں۔ غالباً اسی وجہ سے یہاں اخباری نمائندے بھی نظر آتے۔"

سر سلطان نے سر ہلا کر کہا۔ "ہاں! پروفیسر میں چاہتا تھا کہ کوئی اخباری نمائندہ یا تم اس عدالت کے سامنے پیش نہ ہو سکو اس لئے اپنے رسوخ کو کام میں لانا پڑا۔ بہر حال اب تم آ گئے ہو تو پھر آ جاؤ عدالت فیصلہ کرنے والی ہے۔ تم بھی سن لو۔"

"اچھا تو کیا آپ مجھے خوفزدہ کرنا چاہتے ہیں؟" پروفیسر نے کہا۔ اور ہنس کر بولا کم از کم

آپ کو یہ بات زیب نہیں دیتی ـ" وہ اندر آتے ہوئے ڈاکٹر عارف سے ٹکرا گیا لیکن کوئی خیال نہ کرتے ہوئے سر سلطان سے کہنے لگا۔

"مجھے اپنے بارے میں کوئی تشویش نہیں ہے۔ میرے کئی وکیلوں نے بتلایا ہے کہ کوئی عدالت میرے خلاف فیصلہ کرنے کی مجاز نہیں ہے ـ"

"ہاں ٹھیک ہے۔ عدالت کو تمہارے خلاف فیصلہ کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ بہرحال اگر تم چاہو تو اسکا فیصلہ سن سکتے ہو۔" سر سلطان نے کہا اُسی وقت چیف انسپکٹر بھی اجلاس کے کمرے سے نکل کر گیلری میں آگیا۔ سر سلطان نے اُسے دیکھ کر کہا۔ "اوہ نیاز! چلو اچھا ہوا تم بھی آگئے۔ ذرا اِس شخص کا ہاتھ پکڑ کر اندر گھسیٹ لاؤ۔ میں جلد اندر پہنچ کر سننا چاہتا ہوں کہ عدالت سلیم اختر کی موت کے بارے میں کیا فیصلہ کرتی ہے۔

"آپ کا ارادہ کیا ہے ـ" خطیب نے چیف انسپکٹر سے دریافت کیا جس نے بڑھ کر اُس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

"آؤ اندر چل کر اجلاس کی کارروائی دیکھیں ـ" نیاز نے اُسے کھینچتے ہوئے کہا۔ "واہ! دوست تم تو عطر بھی استعمال کرتے ہو۔"

"میرا ہاتھ چھوڑ دیجئے مسٹر!" پروفیسر خطیب نے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی، لیکن نیاز اُسے دھکیل کر اجلاس کے کمرے میں لے گیا۔

"بس! اب اطمینان سے اِس پچھلی کرسی پر بیٹھ جاؤ تاکہ وہ لوگ تمہیں نہ دیکھ سکیں۔" باہر لوگوں کا شور بہت بڑھ گیا اور بہت سے منچلے کھڑکی سے جھانکنے بھی لگے لیکن انہیں گیلری کے بند دروازوں کے علاوہ اور کچھ نظر نہ آسکا۔

"ہاں ـ" صاحب کارونر ممبران جیوری سے دریافت کر رہے تھے ـ" آپ لوگوں

نے کوئی فیصلہ کیا ــــ؟"

جیوری اپنی اپنی کرسیوں پر بیٹھے ہوئے ایک دوسرے سے مشورہ کر رہے تھے۔ ایک دروازے کی راہ سے جو کچھ کھلا رہ گیا تھا، تیز روشنی اندر داخل ہو کر دمبر خطیب کے چہرے پر پڑی اور کلک کی آواز ہوئی۔ کسی نے فلیش بلب کے کیمرے سے اس کی تصویر کھینچ لی تھی۔ اسی وقت جیوریوں کا فورمین بھی ایک کاغذ ہاتھ میں لیے ہوئے اپنی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا تھا ــــ

"صاحب کارونر......!"

"جی..... ذرا ایک منٹ ٹھہریئے.....؟"

اس وقت کھڑکی کے باہر، ہال سے کسی نے خطیب کے چیف انسپکٹر نیازی کی گرفت میں ہونے کی تصویر کھینچ لی تھی، پولیس نے سختی سے لوگوں کو ہٹانا شروع کر دیا تھا۔ اور بھگدڑ مچ گئی تھی۔ فورمین نے ایک بار دروازے کی راہ سے ادھر دیکھا اور پھر جلدی سے اپنی نگاہ وہاں سے ہٹالی ــــ

"ہاں تو کارونر صاحب!" اس نے کہا ــــ "اپنا فیصلہ دینے سے قبل جیوری آپ سے ایک سوال پوچھنا چاہتی ہے ــــ"

"بے شک، بے شک!" صاحب کارونر رام شنکر شکلا نے جلدی سے کہا ــــ "اگر کوئی ضروری سوال ہے تو ضرور دریافت کیجئے ــــ"

"ہم لوگ یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ کیا آپ ہر اس فیصلے کو منظور کریں گے جو ممبران جیوری متفقہ طور پر قائم کریں گے ــــ؟"

"جی ہاں۔ قانونی حیثیت سے ان کا ہر فیصلہ مجھے منظور کرنا ہوگا ــــ"

از راہِ کرم یہ بھی بتلا دیجئیے کہ ہمارے فیصلہ سنانے کے بعد کیا ہندوستان کی کوئی ایسی عدالت بھی ہے جو اسے رد کر سکے۔ یا جہاں اپیل کرنے پر اسے ناقابلِ عمل قرار دیا جائے؟"

"جی نہیں —" کارونر صاحب نے جواب دیا — "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس قسم کی پیش بندی یا ایسے سوالات سے آپ لوگ کیا چاہتے ہیں۔ یہ کوئی قانونی سرکاری عدالت نہیں ہے محض ایک قسم کی پنچایت ہے۔ کارونر کو ہر وہ فیصلہ قبول کرنا پڑتا ہے جسے پنچ یا جیوری متفق ہو کر پیش کریں — لیکن اگر . . . ."

فورمین (سرپنچ) نے اطمینان کی سانس لے کر کارونر صاحب کو مزید تنقید سے روکتے ہوئے کہا —

"بس بس صاحب! جیوری صرف اتنا ہی معلوم کرنا چاہتی تھی۔" پھر اس نے اپنے ہاتھ کے کاغذ میں دیکھا — "ہم ممبران جیوری" وہ اپنی پوری طاقت سے بولا — "متفق ہو کر فیصلہ کرتے ہیں کہ مرحوم سلیم اختر کو پروفیسر خطیب نے اپنی قوتِ ارادی سے قتل کیا ہے —"

کارونر رام شنکر شکلا صاحب اچھل کر اپنی کرسی سے کھڑے ہو گئے اور اس کا نتیجہ ڈاکٹر کبھی نہ بھلا سکا۔ اپنے قانونی احتجاج کا بروقت مظاہرہ کرنے کے جوش میں صاحب کارونر اس برقی لیمپ کو بھول گئے جو عین ان کے سر پر لٹک رہا تھا۔ ان کی پیشانی بلب کے نیچے شیڈ سے ٹکرائی اور وہ کسی گھنٹی کی طرح آواز پیدا کرکے زور زور سے جھولنے لگا۔ کارونر صاحب نے لپک کر اسے پکڑ کر روک لیا اور بولے —

"حضرات! ذرا ٹھہریئے —"

"شکلا صاحب! ابھی آپ کہہ چکے ہیں کہ ہمارا ہر فیصلہ آپ کو قبول کرنا ہوگا۔" جیوری میں سے ایک نے کہا۔

"جی ہاں ۔۔۔" صاحب کارونز بولے ۔" میں بے شک آپ کے فیصلے میں ترمیم کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ نہ ہی میری یہ خواہش ہے۔ فیصلہ آپ لوگوں کو کرنا ہے مجھے نہیں۔ لیکن قبل اس کے کہ آپ لوگوں کا فیصلہ ریکارڈ کے لئے رجسٹر میں درج کیا جائے میں آپ کو ایک بار مزید غور کرنے کا مشورہ دے سکتا ہوں ۔۔۔ کیا آپ لوگ چاہتے ہیں کہ کارونز کی اس عدالت میں پروفیسر خطیب کے قاتل ہونے کا فیصلہ سنا دیا جائے۔؟"

"جی ہاں! ہم یہی چاہتے ہیں کارونز صاحب!" جیوری کی کرسیوں پر سے کئی آوازیں بلند ہوئیں "لیکن یہ فیصلہ پولیس کو مزید پریشانیوں میں مبتلا کر دے گا۔" کارونز صاحب نے سمجھانا چاہا۔ "وہ لوگ پروفیسر کو کسی قانون کے تحت بھی گرفتار نہیں کر سکتے۔"

"تو پھر انھیں اپنی مجبوری پر ماتم کرنا چاہئیے۔" فورمین نے چیخ کر کہا۔ "ایک قاتل کو آزاد چھوڑ رکھا گیا ہے کہ جس کو چاہے قتل کرتا پھرے؛ وہ ہم میں جسے چاہے جان سے مار ڈالے؛ ہم لوگوں کو اس سے کوئی بحث نہیں کہ گواہوں اور ڈاکٹروں کا بیان کیا ہے، اصل حقیقت، اخبارات میں آچکی ہے۔ اور کسی ایک پارٹی پیپر میں نہیں تمام اخبارات میں شائع ہوئی ورنہ اُسے مخالف پارٹیوں کی سیاسی چال سمجھ کر نظر انداز کیا جا سکتا تھا۔ ان خبروں کو "ٹائمز" جیسے نیم سرکاری اخبار تک نے شائع کیا ہے۔ غالباً ہندوستان کے نامی اور وہ تجربہ کار جاسوس مسٹر سلطان صدیقی، جو کئی بار پہلے بھی سرکاری مقدمات میں امداد دے چکے ہیں، اس اجلاس میں موجود ہیں۔ اُن سے اس سلسلے میں امداد حاصل کی جا سکتی ہے۔ بہر حال یہ کام حکومت کا ہے۔ ہمارا کام اپنی رائے کے مطابق متفق ہو کر فیصلہ صادر کرنا تھا اور وہ آپ کو سنایا جا چکا۔"

"ایک بار پھر سوچ لیجئے" صاحب کارونر نے کہا۔ "اس قسم کے فیصلے سے پولیس کی ذمہ داری بڑھ جائے گی اور اسے اپنے اقدامات میں استحکام کی غرض سے زیادہ اخراجات درکار ہوں گے۔"

"کتنے — کتنے —؟"

"شاید ایک لاکھ روپیہ سے بھی زائد — یعنی ٹیکس ادا کرنے والے عوام پر یہ ایک لاکھ روپیہ کا بار، آپ کے اس فیصلے سے بڑھ جائے گا۔ قانوناً پروفیسر خطیب کا کچھ نہیں بگاڑا جا سکتا سوائے اس کے کہ جاسوسوں کی ایک پوری گارد اس کی نقل و حرکت کی نگرانی پر مامور کر دی جائے کیا اب بھی آپ لوگ اپنا یہی فیصلہ سنانے پر مُصر ہیں —؟"

"جی ہاں —" فورمین نے کہا۔ "اگر بیکار اسکیموں پر روپیہ پانی کی طرح بہایا جا سکتا ہے تو عوام کی حفاظت کے لئے ایک لاکھ خرچ کر دینا کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ میرے خیال میں تو پارلیمنٹ میں بل پیش کر کے قانون میں بھی اس قسم کی ترمیم کرنی چاہئے جس سے ایسے نازک حالات میں بھی کوئی قاتل قانون کی زد سے باہر نہ رہ سکے۔"

"خیر — ! آپ اپنا پورا فیصلہ سنائیے۔ میں درج کئے لیتا ہوں۔"

کارونر صاحب کرسی پر بیٹھ گئے اور سنجیدگی سے اپنا قلم اٹھا کر لکھنے کے لئے تیار ہو گئے فورمین اپنا فیصلہ پڑھنے لگا۔ ڈاکٹر غور سے کارونر کا چہرہ دیکھتا رہا۔ پروفیسر خطیب کی طرف، جو مسٹر سلطان اور چیف انسپکٹر کے درمیان کرسی پر بیٹھا تھا، پلٹ کر دیکھنے کی اُسے جرأت نہیں ہوئی۔ جب مکمل فیصلہ سنایا جا چکا تو صاحب کارونر نے زیر لب مسکراتے ہوئے، جو کہ عارف کو بڑی عجیب معلوم ہوئی، پکار کر کہا۔

"کیا اِس کیس کے انچارج پولیس افسر عدالت میں موجود ہیں —؟"

پچھلی کرسی پر بیٹھا ہوا چیف انسپکٹر اٹھ کھڑا ہوا۔

"اوہ چیف انسپکٹر! ـــــ ممبران جیوری کے اصرار اور فیصلے سے مجبور ہو کر میں نے آپ کو اس بات کی ہدایت کرنا چاہتا ہوں کہ حتی الامکان جتنی جلد ہو سکے پروفیسر خطیب کو۔"

"وہ عدالت میں موجود ہے سر!" نیازی نے سیلوٹ کر کے کہا۔ پھر پروفیسر خطیب کا شانہ پکڑ کر کرسی سے اٹھاتے ہوئے بولا ـ "اٹھو اور آگے بڑھ کر کارونر صاحب کے سامنے جاؤ۔"

فرط حیرت سے ممبران جیوری اپنی کرسیوں سے کھڑے ہو کر خطیب کو دیکھنے لگے۔ لیکن عارف نے اُس کی طرف نہیں دیکھا، نہ ہی اُس کی خواہش اُس کا منحوس چہرہ دیکھنے کی ہوئی چیف انسپکٹر نیازی ایک ہاتھ سے پروفیسر خطیب کا بازو پکڑ کر کھینچتے ہوئے اُسے عدالت کے سامنے لے آیا۔ اُس کے دوسرے ہاتھ میں خطیب کا سوٹ کیس لٹکا ہوا تھا۔

اب باہر گیلری میں کھڑکیوں کے سامنے پولیس ہی پولیس نظر آ رہی تھی۔

"پروفیسر خطیب ـ!" صاحب کارونر نے استفہامیہ نظروں سے اُس کی طرف دیکھا اور پروفیسر نے اطمینان سے تعظیماً اپنا سر جھکایا

"مسٹر خطیب!" کارونر صاحب نے پھر کہا ـــــ "پہلے تو میں تمہیں ضابطے کے طور پر یہ بتلا دینا چاہتا ہوں کہ فی الحال اگر تم کچھ کہو گے تو وہ تحریر کر لیا جائے گا اور سرکاری عدالت میں تمہارے خلاف ثبوت کے طور پر استعمال کیا جا سکے گا۔ اور اِس کے بعد میں تمہیں یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ اِس عدالت کے جیوری تمہیں بیگم اختر کا قاتل قرار دیتے ہیں۔ اس لئے مخصوص حالات کے تحت پولیس کو اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ بغیر کسی ثبوت کے ہی، محض شک کی بنا پر

تمہیں گرفتار کرے اور سرکاری عدالت میں تمہیں قاتل ثابت کرنے کی کوشش کرے۔"

میری سمجھ میں نہیں آتا۔" پروفیسر خطیب نے بڑے سکون کے ساتھ کہنا شروع کیا۔ کہ ممبران جیوری کی عقل کا ماتم کیا جائے یا ان کی ہنسی اڑائی جائے کیا ابھی آپ نے نہیں کہا تھا کہ مجھے بغیر کیسی ثبوت کے گرفتار کرنا قانون شکنی کے مترادف ہے۔؟

"بے شک۔ بے شک۔" صاحب کارونر نے مسکرا کر اسے جواب دیا۔ "مجھے تسلیم ہے لیکن اگر شروع ہی سے اس اجلاس میں داخلے کی اجازت ہوتی تو غالباً نہیں مجھ سے کوئی شکایت نہ ہوتی کیونکہ میں شروع ہی سے تمہیں اس کیس سے علیحدہ رکھنا چاہتا تھا۔ بہرحال ممبران جیوری کو آزادانہ فیصلہ کرنے کا پورا پورا حق ہے اور اس کے مطابق پولیس افسران کو ہدایت جاری کرنا میرا فرض ہے۔ میں افسران پولیس کو تمہاری گرفتاری کا حکم دے کر تم پر مقدمہ قائم کرنے کا حکم دیتا ہوں۔!"

یہ کھلی ہوئی زیادتی ہے۔ صریحاً انصاف کا خون کیا جا رہا ہے۔"

پروفیسر خطیب نے چیخ کر کہا۔ "اور اگر عدالت یہی چاہتی ہے تو میں راضی نامہ دینے کے لیے تیار ہوں میں اقرار نامہ لکھ دوں گا کہ جب بھی عدالت میں میری موجودگی ضروری ہوگی، میں اس کے سامنے پیش ہو جاؤں گا۔ علاوہ ازیں پولیس کو میری جائے سکونت کا بھی علم ہے۔ مجھے آج ایک بہت ضروری مہم پر نکلنا ہے۔ آج رات کو مجھے ریڈیو سیلون سے اپنی تقریر براڈکاسٹ کرنی ہے۔ میں وہاں سے اپنی واپسی کی ضمانت دلوا سکتا ہوں۔ لیکن فی الحال مجھے اجازت دی جائے کہ...؟"

اسی وقت دو کانسٹبل دروازہ کھول کر اندر کمرے میں آگئے۔ کارونر صاحب نے اطمینان سے اپنا سر ہلا دیا۔

"مجھے افسوس ہے پروفیسر خطیب ___!" انھوں نے کہا ___ "کہ یہ کام اتنا آسان نہیں ہے جتنا تم سمجھتے ہو۔ تمہیں لنکا یا کہیں اور جانے کی اجازت نہیں دی جا سکتی تمہیں اس وقت تک حوالات میں رکھا جائیگا جب تک، کہ پولیس سرکاری عدالت میں تم پر مقدمہ قائم کرنے کے قابل نہ ہو جائے"

عارف کو پروفیسر خطیب کے شانے کوٹ کے نیچے کانپتے ہوئے نظر آئے ___ "آپ کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہو سکتا ___" اس نے چیخ کر کہا ___ "کہ اس اثناء میں مجھے مقفل اور تنگ کوٹھری میں بند رکھا جائے ___"

"بے شک ضابطہ یہی کہتا ہے ___ اور تمہیں اس سے بہتر برتاؤ کی امید بھی نہیں رکھنی چاہیئے تمہارے ساتھ بھی الضبط عام قاتلوں کی طرح برتاؤ کیا جائیگا"

"لیکن مجھ پر کوئی جرم ثابت نہیں کیا جا سکتا ___" پروفیسر خطیب نے گھبرا کر کہا۔ ___ "میں بالکل محفوظ ہوں۔ ہزاروں قانون داں اور وکلاء اس بات پر متفق ہیں کہ قانون کی رو سے مجھ پر کوئی جرم عائد نہیں ہوتا ___ یہ بہت بڑا ظلم ہے کہ ایک ایسے شخص کو حوالات میں بند کر دیا جائے جس پر جرم ثابت ہی نہیں کیا جا سکتا ___ محض اس بناء پر کہ کچھ احمق لوگ ایک معمولی کارونر کی عدالت میں بیٹھ کر اس قسم کی حماقت۔۔۔۔"

"بہر طور اب تو تم پر توہین عدالت اور جیوری کی توہین کرنے پر مقدمہ قائم ہو سکتا ہے ___" خورشید نے اپنی جگہ سے کھڑے ہو کر کہا۔

"حضرات!" صاحب کاروزنے جوریوں سے مخاطب ہوکر کہا۔" ازراہ کرم اپنے گھروں کو جانے سے قبل اِس سے متصل کمرے میں تھوڑی دیر ٹھہریئے۔ میں آپ لوگوں سے چند باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن وہاں جا کر اب اِس مقدمے کے سلسلے میں ایک دوسرے سے اور کوئی بحث نہ کیجئے ۔۔۔ بہتر ہے اب آپ لوگ دوسرے کمرے میں تشریف لے جائیں میں جلدی آ رہا ہوں ۔۔۔ اور ہاں خطیب! اِس مقدمے کے سلسلے میں تم سے بھی میں اور بحث نہیں کرنا چاہتا ۔۔۔ چیف انسپکٹر! قیدی کو میں تمہاری سپردگی میں دیتا ہوں ۔۔۔"

"لیکن میرے مقدمے کی پیشی کب ہوگی؟" خطیب نے چیخ کر کہا ۔۔۔ " مجھے آخر کب تک حوالات میں بند رکھا جائے گا ۔۔۔؟"

"کچھ کہا نہیں جا سکتا ۔۔۔ یہ مئی کا اولین ہفتہ ہے۔ غالباً تمہارا مقدمہ سرکاری عدالت میں آخر جولائی میں پیش کیا جا سکے گا۔ یا اور بھی تاخیر ممکن ہے میں ٹھیک ٹھیک کچھ کہہ نہیں سکتا۔"

"تین مہینے ۔۔۔!" آنکھیں نکال کر خطیب نے کہا۔

"ہاں تقریباً ۔۔۔"

گو کہ خطیب مضبوط قویٰ کا آدمی تھا لیکن عارف نے کبھی اُس سے اتنی پھرتی کی اُمید نہیں کی تھی۔ وہ اتنی پھرتی سے پیچھے پلٹا کہ چیف انسپکٹر کے ہاتھ میں جو اُسے مضبوطی سے پکڑے ہوئے کھڑا تھا، اُس کے کوٹ کی صرف ایک آستین جھولتی رہ گئی۔ خطیب نے جھپٹ کر وہ بھاری آبنوسی میز جو کاروزنے کے سامنے رکھی ہوئی تھی، کسی معمولی کھلونے کی طرح اُٹھا کر دونوں ہاتھوں پر تان لی۔ اور اُسے لہرا کر کاروزنے کے اوپر پھینکنا ہی چاہتا تھا کہ چیف انسپکٹر نے

پک کر اسے کرسی پکڑا لیا۔ اور دو نوں سپاہی بھی اس کی مدد پر آگئے۔ پیشل بھاری آواز پیدا کرتا ہوا خطیب کے سامنے زمین پر گر گیا۔

صاحب کا ردوزنے جن کا چہرہ دہشت سے سفید پڑ گیا تھا، اپنی عینک کے شیشے اس طرح ٹٹولے جیسے انھیں شک ہو کہ عینک ناک پر موجود بھی ہے یا نہیں۔

"تمہیں اس کے لیے جوابدہ ہونا پڑے گا خطیب!" انھوں نے دانت پیس کر کہا

—"ہاں چیف انسپکٹر—! کیا آپ اس پر قابو پا چکے ہیں—؟"

"جی ہاں—"

"میرے خیال میں اب زیادہ تاخیر کی ضرورت بھی نہیں ہے—خطیب کے اس اقدام کے بعد آپ اسے اپنے معمولی اختیارات کو کام میں لا کر حوالات کے سپرد کر سکتے ہیں۔ ہاں پروفیسر— اب غالباً تمہیں قانون سے کسی زیادتی کی شکایت بھی نہ ہوگی۔

—اچھا تو ممبران جیوری—میرے ساتھ اس کمرے میں تشریف لائیے—"

قدموں کی ملی جلی آوازوں سے گونج پیدا کرتے ہوئے وہ لوگ ایک ملحقہ کمرے میں چلے گئے جو پشت پر واقع تھا اور پروفیسر خطیب دو کانسٹیبلوں کے بیچ میں جکڑا ہوا سر سلطان صدیقی، چیف انسپکٹر نیاز، ڈاکٹر عارف، ڈاکٹر گھوش اور ایلم فیروز کے ہمراہ اس کمرے میں اکیلا رہ گیا۔

خطیب نے اپنے ہتھکڑیوں سے جکڑے ہوئے ہاتھوں کو منھ پر رکھ کر رندھی ہوئی آواز میں کہا—"خدا کی قسم! آپ لوگ ایسا نہیں کر سکتے—یہ قطعاً ظلم ہے، بربریت ہے، نادرشاہی ہے۔ اُف! رحم خدا! حوالات کی تنگ کوٹھری اور تین مہینے ایک مقفل تنگ کوٹھری میں تین مہینے میں تو میں پاگل ہو جاؤں گا۔ میں قانون کی

دہائی دیتا ہوں۔ میں انصاف چاہتا ہوں ۔۔۔" وہ رونے لگا۔

"اُسی وقت سر سلطان نے جو اب تک اطمینان سے اپنی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا، کرسی سے اٹھ کر اپنی ناک کھجلاتے ہوئے کہا ۔۔۔ "بس برخوردار! نکل گئی ساری اکڑ فوں ۔۔۔؟ لو کرسی پر بیٹھ جاؤ ۔۔۔ شاید یہ بوڑھا تمہاری کچھ مدد کر سکے!

۱۸

نسی ڈویژن کے کانسٹبل شیام لال کو نگرانی کے لئے ایک ایسا حلقہ سپرد کیا گیا تھا جہاں چوری یا مار پیٹ وغیرہ کی وارداتیں بہت کم ہوتی ہیں۔ اور اسی لئے شیام لال پنی ڈیوٹی سے مطمئن بھی تھا۔ صرف اِسی لئے نہیں کہ وہ ایک پُر امن علاقہ تھا، بلکہ اُس جگہ پر کافی عرصے سے تعینات رہنے کی وجہ سے وہاں کے لوگوں سے اُس کی واقفیت اور جان پہچان بھی ہو گئی تھی جو ہر وقت ضرورت مند وقت آ پڑنے سے اُس کی مدد کر دیا کرتے تھے۔ علاوہ زیں اِس قسم کی واقفیت سے کسی قسم کی خلاف ورزی کے بارے اُسے پہلے ہی سے اطلاع ل جایا کرتی تھی۔ کون آدمی نیا نیا آیا ہے، کون کہاں جایا کرتا ہے، کسے اقتصادی مشکلات رپیش ہیں اور کس کے پاس آجکل نامعلوم ذریعوں سے آمدنی بڑھ گئی ہے، لوگوں سے گفتگو رتے ہوئے تمام باتیں آسانی سے معلوم ہو جاتی تھیں۔

برجیس نگر کی ریلوے لائن کا تقریباً نصف حصہ اُسی کے حلقے میں پڑتا تھا۔ وہاں کے کچھ لگ اُسے پہچانتے تھے اور کچھ خود فروش سے اُس کی دوستی بھی تھی۔ اور جب لوگ اُس کی شرافت کی تعریف کرتے تھے تو اُسے دل ہی دل میں بے حد خوشی ہوتی۔ اُسے اُس مقام کے تمام لوگوں کے نام تو

معلوم نہ تھے لیکن اُس نے ہر مکان کے لئے اپنا ایک نمبر مقرر کر لیا تھا اور کسی کے بارے میں سوچتے ہوئے وہ اُن نمبروں سے اُس کے حافظہ کو بہت مدد ملتی تھی کس طرح نمبر گیارہ، اُس لال بنگلہ کا مالی، نمبر اٹھائیس یعنی پرنسپل صاحب کے باورچی سے اکثر شراب پی کر لڑا کرتا ہے اور کیسے نمبر پچیس کی نمبر سولہ سے گہری چھنتی ہے۔ یہ تمام باتیں یاد رکھنے میں اُن نمبروں کا بڑا ہاتھ تھا جو اُس نے اپنے حلقے میں بسنے والوں کے لئے مقرر کر رکھے تھے۔

اُسے حیرت تھی کہ نمبر پینتالیس کی، جس کا نام شروں کار تھا، نامعلوم طریقوں پر آمدنی کیوں بڑھتی جا رہی ہے۔ نمبر اٹھائیس اینتس یعنی سلیم اختر اور سلمیٰ سلیم کے قتل پر بیگانے سے صدمہ پہنچا تھا۔ زیادہ تر یہ لوگ بمبئی میں رہتے تھے اور محض تفریحاً یا ایام فرصت میں وقت گذاری کے لئے "نیلی کوٹھی" میں آجایا کرتے تھے۔ شیام لال کو اس جوڑے کے بارے میں تقریباً تمام باتیں معلوم تھیں مع لیکن اُن میں سے زیادہ تر اُس شہرت کے بعد معلوم ہوئیں جو اس جوڑے کو موت کے بعد نصیب ہوئی۔ نمبر اینتس یعنی سلمیٰ نے تو کئی بار پولیس کے بارے میں اور اُس کی زندگی کے انوکھے واقعات کے بارے کئی بار شیام لال سے گفتگو کی بھی تھی ـــــ بیچاری عورت ـــــ بہت نیک تھی۔ ایک بار تو شاپنگ کر کے واپس آتے ہوئے جب اُس کا پرس سڑک پر گر پڑا تھا اور شیام لال نے اُسے اُٹھا کر دے دیا تھا تو اُس نے دو روپیہ کا نوٹ بھی شیام لال کو دیا تھا اور بڑی دیر تک اُس سے سڑک پر چلتے ہوئے باتیں کرتی رہی تھی جب کہ بڑے خاندان کے لوگوں سے اس قسم کی توقع نہیں کی جا سکتی۔

سلمیٰ کے قتل کے بعد کئی راتوں تک شیام لال اُس کے بارے میں سوچتا رہا تھا۔ ہر رات کو جب وہ نیلی کوٹھی کے سامنے سے گذرتا تو آس پاس اِس غور سے دیکھتا ہوا نکلتا جیسے ابھی نیلی کوٹھی کے کسی تاریک گوشے سے نکل کر سلیم اور سلمیٰ کا قاتل آ نکلے گا اور اُس سے کہے گا کہ مجھے گرفتار کر لو۔

حالانکہ وہ اخبارات میں اس قتل کی تفصیل دیکھ چکا تھا اور قوت ارادی والی بات بھی اس کے کانوں پڑ چکی تھی۔ اسے یہ بھی معلوم تھا یہ کام ایک پولیس کانسٹیبل کا نہیں ہے کہ وہ قاتلوں کی سراغ رسانی کرے۔ اس کے لیے سیکریٹ سروس نے اپنا نامور جاسوس بغرض تفتیش مقرر کر رکھا ہے، لیکن پھر بھی۔ ایسی صورت حال میں کہ اس پراسرار عمارت میں جہاں دو دو عجیب موتیں واقع ہو چکی تھیں، اس کی دلچسپی اس عمارت سے کم نہیں ہوئی تھی۔

اس دن سہ پہر کو، جب سلیم اختر کی موت کا سبب معلوم کرنے کے لیے کارونر کی عدالت بیٹھی تھی اور اجلاس کے اندر پروفیسر خطیب کی گرفتاری کا حال اسے معلوم ہوا تھا تو شیام لال کے دل کو یہ سوچ کر تسکین ہوئی تھی کہ اب سلمیٰ اور سلیم کا قاتل اپنے کیفر کردار کو پہنچ جائے گا، لیکن شام کے اخبارات کے سرخ پوسٹر جو دیواروں پر چسپاں کیے گئے تھے، دیکھ کر وہ بری طرح چونک پڑا ——

—— پروفیسر خطیب کو چھوڑ دیا ——

اس پوسٹر کو پڑھ کر شیام لال کو سیکریٹ سروس والوں پر سخت غصہ آیا۔ یعنی ان لوگوں نے اسے گرفتار کرنے کے بعد پھر اسے رہا کر دیا۔ اور اب وہ کمبخت اپنی پراسرار قوت ارادی کی مدد سے معلوم نہیں کیسا طوفان کھڑا کرے گا۔ بالکل ویسے ہی خیالات اس وقت اس کے دل میں پیدا ہو رہے تھے جیسے اس وقت پیدا ہوئے تھے جب [illegible] یہ بات سنی [illegible] گئی تھی کہ جاپانی کسی وقت بھی ہندوستان پر حملہ کر سکتے ہیں۔ ہر شخص سہما ہوا نظر آتا تھا کہ معلوم نہیں کب آسمان سے ایک بم گرے گا اور وہ لوگ [illegible] ہوں گے۔ بالکل ویسی ہی کیفیت اس وقت بھی [illegible]

بر طاری تھی۔ وہ سوچ رہا تھا معلوم نہیں اس بار پروفیسر خطیب کس کس کو اپنے تجربے کی بھینٹ چڑھائے گا۔

سڑک کے موڑ پر مڑتے ہوئے اچانک اُس کی چال دھیمی پڑ گئی کیوں کہ اُس کے دل میں ایک ایسی بات، ایک ایسا حیرتناک کام کرنے کا خیال پیدا ہوا تھا، جو کہ اُس کی زندگی میں عظیم انقلاب پیدا کر سکتا تھا۔ اُس کا ایک دوست سیکریٹ سروس میں سارجنٹ تھا۔ غالباً وہ "فنگر پرنٹ ڈپارٹمنٹ" کے کسی ڈویژن میں تھا۔ اُسکا نام شاکر علی تھا۔ شیام لال اُسے فون کرنے کے لئے بے چین ہو اُٹھا۔ قریب میں دائیں نمبر چار کے، جو ایک دوا فروش تھا، اور کسی ایسے شخص کی دوکان یا مکان پر فون نہ تھا، جس سے اُسکے تعلقات ہوں۔ شیام لال اپنے سارجنٹ دوست پر ایسا خیال ظاہر کرنا چاہتا تھا جو کئی دن سے اُسکے ذہن میں چکر لگا رہا تھا۔ بیشک شاکر علی کوئی نامی جاسوس نہ تھا لیکن بہر طور وہ محکمہ سیکریٹ سروس سے تعلق رکھتا تھا۔ اس سلسلے میں وہ بہتر سمجھ سکے گا کہ آغاز کس طرح کرنا چاہئے۔ ویسے وہ سیکریٹ سروس کے مشہور جاسوس نیاز جعفری سے بھی ایک بار ایک کیس کے سلسلے میں مل چکا تھا اور دو سال قبل ہندوستان کے عظیم ترین پرائیویٹ سراغرساں سر سلطان صدیقی کو بھی دیکھ چکا تھا۔ لیکن اتنی بلند ہستیوں تک اُس کی پہنچ کہاں ہو سکتی ہے، لہٰذا اُس نے بہتر یہی سمجھا کہ شاکر علی کو ہی فون کیا جائے، پھر بعد میں وہ جیسا کہے گا ویسا رویہ اختیار کیا جائے گا۔

لیکن نہیں — شاکر علی کو فون کرنے سے اُسے کیا فائدہ ہوگا — ساری نیکنامی تو شاکر کے نام لکھی جائے گی اور وہ خود منہ دیکھتا رہ جائے گا۔ بہتر یہ ہوگا کہ اُس سے محض اس سلسلے میں معمولی گفتگو کرکے رائے لی جائے کہ شیام لال کو کیا کرنا چاہئے

ہاں یہی ٹھیک ہوگا۔ اُس کی رفتار پھر معمول پر آگئی۔

کھلے ہوئے آسمان پر پورا چاند چمک رہا تھا۔ ہر چیز ساکت تھی۔ سڑک سنسان پڑی ہوئی تھی۔ مکان خاموش، درختوں کے پتے تک ساکت تھے۔ اُسے اپنی رسٹ واچ کی گو اُسکے دوست مذاقاً اُس رسٹ واچ کو چوہے کی ڈبیہ کہا کرتے تھے۔ ٹک ٹک ٹک اُس کے کانوں کو سنائی دے رہی تھی۔

وہ ہاتھ اُٹھا کر آنکھوں کے پاس لے گیا اور چاندنی کی روشنی میں گھڑی دیکھنے لگا۔ دس بجنے میں بیس منٹ باقی تھے۔ اور خطیب کولمبو میں ہے خطیب کولمبو میں ہے۔ جہاں وہ ریڈیو سیلون سے اپنی تقریر براڈکاسٹ کرے گا۔ ایک عملی تجربہ پیش کرکے اپنی سچائی کا ثبوت دے گا۔ ایک اور انسان کی جان ضائع ہوگی۔ اور اُس کی تقریر شروع ہونے میں صرف پانچ منٹ اور باقی تھے کیوں کہ اخباروں میں پونے دس بجے کا اعلان کیا گیا تھا۔ دس بجنے میں بیس منٹ باقی تھے۔ صرف پانچ منٹ کا وقفہ اور کسی غریب کی موت! شیام لال پھر دل ہی دل میں سیکریٹ سروس والوں کو صلواتیں سنانے لگا۔

ایک بار اُس کا جی چاہا کہ کسی ہوٹل میں جاکر ریڈیو پر خطیب کی تقریر سنے، دیکھے وہ کیا کہتا ہے کیسے قتل کرتا ہے۔ لیکن نہیں۔ دس بجے اُسے سرجنٹ سے مل کر اُس کی رائے لینی چاہیے تاکہ وہ اپنی سوچی ہوئی بات پر عمل کر سکے۔ اُس نے تیزی سے قدم اُٹھانے شروع کر دیے۔

لیکن اگلے چوراہے پر پہنچ کر اُس کی چال پھر مدھم ہوگئی۔ کیوں کہ اُس کے کانوں میں چند غیر معمولی آوازیں سنائی دی تھیں۔ وہ روزانہ رات کو اس مقام کا گشت

کرتے ہوئے مشرک ہر پیچ و خم سے واقف ہو گیا تھا۔ کس طرح نمبر سات کے مکان میں ریڈیو بجا کرتا ہے، اور نمبر تیرہ کیسے اپنی بیوی سے لڑتا رہتا ہے اور نمبر بیس کا کے فصف درجن بچے کس قسم کا شور و غل مچایا کرتے ہیں ان تمام آوازوں سے اُس کے کان مانوس ہو چکے تھے۔ لیکن جس مقام سے یہ آوازیں ابھی اُسے سنائی دی تھیں، وہاں عام طور پر رات کو سکوت طاری رہتا تھا۔

یہ مقام "بیلی کوٹھی" سے بالکل قریب تھا۔ آوازیں اُس مکان سے آ رہی تھیں۔ جو "بیلی کوٹھی" سے تھوڑی ہی دور پر واقع تھا۔ پاس جا کر دیکھنے پر معلوم ہوا کہ وہ پھاٹک جو عام طور پر رات کو شیام لال کو بند ملتا تھا، کُھلا ہوا تھا اور ہوا کے دھکّے سے اِس طرح ہلتا تھا کہ وہ آواز پیدا ہوتی تھی جس نے شیام لال کو اپنی جانب متوجہ کیا تھا۔ اس سے قبل اپنی چار سال کی ملازمت میں شیام لال نے یہ پھاٹک رات کو کُھلا ہوا نہیں دیکھا تھا۔

یہ مکان بمبئی کے کسی سیٹھ کا تھا جس نے اسے کرایہ پر اُٹھا رکھا تھا۔ نچلے حصّے میں جو کرایہ دار رہا کرتا تھا وہ پچھلے مہینے شہر چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ بالائی منزل پر بھی کوئی کرایہ دار نہ تھا لیکن شیام لال نے اُسے کبھی دیکھا نہ تھا کیوں کہ اکثر اُس کی ڈیوٹی رات کو اس طرف پڑتی تھی اور راتی رات گئے بڑے آدمی باہر بہت کم نکلتے ہیں۔ یا جو بھی بات ہو۔ بالائی منزل پر کرایہ دار کی موجودگی کا علم اُسے رات میں وہاں جلتی ہوئی روشنیاں دیکھ کر ہُوا تھا۔ اس وقت بھی بالائی منزل کے ایک کمرے سے روشنی چھن چھن کر باہر گراؤنڈ کے درختوں پر پڑ رہی تھی۔ نچلی منزل میں تاریکی چھائی ہوئی تھی اور پھاٹک بدستور آواز پیدا کرتا ہوا ہل رہا تھا۔

کچھ دیر کھڑے سوچتے رہنے کے بعد شیام لال بھی پھاٹک سے اندر داخل ہو گیا۔ گراؤنڈ سوکھے جھاڑ جھنکاڑ سے پُر تھا۔ پورے چاند کی روشنی میں مکان کا سایہ گراؤنڈ پر پھیلا ہوا تھا۔ بالائی منزل پر چاروں طرف بالکنی لگی ہوئی تھی جس کے کنارے لوہے کا جنگلا تھا

بنگلہ کھلا تھا۔ ایک جانب اوپر جانے کے لئے ٹرینگ زینہ بھی لگا ہوا تھا۔ احتیاط سے چلتا ہوا کہ گھاس وغیرہ کے چرچرانے کی آواز پیدا نہ ہو، سایہ میں آگے بڑھتا ہوا شیام لال مکان کے قریب جا پہنچا۔

ادھر وہاں اُسے پروفیسر خطیب ایک درخت کے نیچے کھڑا ہوا نظر آیا۔ شیام لال نے اپنی آنکھیں مل کر غور سے دیکھا۔ کوئی شک نہیں وہ پروفیسر خطیب ہی تھا۔ چاندنی کی روشنی چھن چھن کر اُس کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ بے شک وہ خطیب ہی تھا۔ شیام لال نے اُس کی بیسیوں تصویریں انہیں چند دنوں کے عرصہ میں اخباروں اور رسالوں میں دیکھ ڈالی تھیں۔ اور تصویر کی اور اُس شخص کے چہرے میں، جو اِس سنسان رات میں درخت کے سائے تلے ایک پُراسرار انداز میں کھڑا تھا، فرق نہ تھا۔ وہ ننگے سر تھا اور چاندنی کی روشنی اِس طرح چھن کر اُس کے چہرے پر گر رہی تھی کہ وہ بہت بھیانک نظر آتا تھا۔ شیام لال نے دیکھا کہ خطیب نے جیب میں ہاتھ ڈال کر کوئی چیز باہر نکالی۔ پھر ایک کڑکڑاہٹ کی آواز سنائی دی اور شیام لال نے اُس کے ہاتھ میں چمکتا ہوا ایک بڑا سا رامپوری چاقو دیکھ لیا۔ کھلا ہوا چاقو کوٹ کی جیب میں ڈال کر خطیب مکان کی جانب بڑھا۔

شیام لال بھی مکان کے سائے کی تاریکی میں اُس کے پیچھے پیچھے بڑھا۔ جب خطیب نے زینے کی پہلی سیڑھی پر قدم رکھا تو شیام لال اُس کے اتنے قریب پہنچ چکا تھا کہ اُسے خطیب کے سانس لینے کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔ ایک بار تو شیام لال کے دل میں آئی کہ آگے بڑھ کر خطیب کو پکڑ لے۔ لیکن پھر اُس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ خطیب محتاط قدموں سے سیڑھیاں اوپر چڑھا اور شیام لال دبے پاؤں، پھونک پھونک کر قدم رکھتا ہوا کہ کوئی آواز اس قسم کی نہ پیدا ہو سکے جس سے خطیب کو شک ہو سکے کہ کوئی

اس کا تعاقب کر رہا ہے، اوپر چڑھنے لگا۔ لیکن اُس کا اندیشہ بےسود تھا۔ خطیب نے ایک بار بھی مڑ کر پیچھے یا کسی اور طرف نہ دیکھا جیسے اُسے پورا اطمینان ہو گیا کہ اسے دیکھنے والا یہاں کوئی موجود نہیں ہے۔ اُسی وقت دور کہیں ایک اُلو اپنی ڈراؤنی آواز میں چیخا اور شیام لال ریلنگ کے ایک ستون سے چپک گیا لیکن اس بار بھی خطیب نے پیچھے مڑ کر دیکھنے کی زحمت گوارا نہ کی۔

تو اسکا خیال درست نکلا، شیام لال سوچ رہا تھا یہی بات سارجنٹ شاکر علی سے کہنا چاہتا تھا۔ اچھا ہوا کہ اُس نے فون نہیں کیا۔

شیام لال نے دل ہی دل میں مسرت کا احساس کیا۔ تو میرا خیال درست تھا۔ ایک بار پھر پروفیسر خطیب ایک وقت دو مقامات پر موجود ہے۔ یعنی اِسی وقت وہ کولمبو میں سیلون ریڈیو پر تقریر بھی کر رہا ہوگا اور یہاں بر جیس نگر میں بھی موجود ہے۔ لیکن کیا واقعی ایک ہی ہستی ایک ہی وقت میں دو مقامات پر موجود ہو سکتی ہے، جیسا کہ اِس وقت نظر آ رہا تھا نہیں ـــ قطعاً ناممکن ہے اور شیام لال اس کا ثبوت لوگوں کو دے سکتا تھا۔ سیکریٹ سروس والے جاسوسی میں چاہے جتنے ہی ماہر کیوں نہ ہوں، اِس معاملے میں وہ لوگ بالکل بدھو ثابت ہوئے اُن سے زیادہ تو شیام لال عقلمند معلوم ہوتا تھا۔

پروفیسر خطیب اوپر بالکنی پر پہنچ کر اچانک رُک گیا اور شیام لال بھی جو اپنے خیالات میں غرق بڑھ رہا تھا، اُسے رُکتے دیکھ کر اچانک اِس طرح رُکا کہ زینہ ہلنے لگا۔ بالکنی پر ایک اور آدمی بھی کھڑا ہوا تھا جس کا چہرہ شیام لال کو نظر نہیں آیا۔ لیکن اُس کی نائٹ کیپ اور جسم کا بالائی حصّہ اُسے صاف دکھائی دے رہا تھا۔ وہ متوسط قامت کا کوئی آدمی تھا۔

لیکن خطیب اُس آدمی کی موجودگی سے بھی متاثر نظر نہیں آتا تھا کیونکہ توقف کے بعد وہ پھر آگے بڑھا اور اُس شخص کے بالکل سامنے جا پہنچا جو بالکنی پر کھڑا تھا معلوم ہوتا تھا دونوں

ایک دوسرے کو پہچانتے تھے۔ اور دوسرے لمحے شیام لال کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

"آداب عرض ڈاکٹر عارف صاحب!" شیام نے خطیب کو سرگوشی کے لہجے میں کہتے سنا۔ "عارف — ڈاکٹر عارف —" شیام لال سوچ رہا تھا۔ یہ نام تو کچھ جانا پہچانا سا معلوم ہوتا ہے۔

"تم یہاں کیا کرتے پھر رہے ہو —؟" دوسرے آدمی کی مدھم آواز شیام لال کو سنائی دی "میں تمام معاملات طے کرنے آیا ہوں عارف صاحب!" پروفیسر خطیب نے آواز دبا کر کہا۔ دور کسی گھنٹے نے پونے دس بجائے۔ خطیب نے اپنا سر جھکاتے ہوئے کلائی اٹھا کر اندھیرے میں گھڑی دیکھنے کی کوشش کی اور پھر کچھ مطمئن سا معلوم پڑا۔

"بالکل ٹھیک ہے" اس نے دھیرے سے کہا — "آپ یہاں کیا کر رہے ہیں عارف صاحب —؟"

"کاش مجھے معلوم ہوتا —" اس آدمی نے بالکنی کی ریلنگ سختی سے پکڑتے ہوئے کہا — "کاش ان لوگوں نے مجھے بتلایا ہوتا —"

"خیر تو میں آپ کو بتلائے دیتا ہوں —" پروفیسر خطیب نے کہا اور ایک قدم آگے بڑھا لیا۔

اسی لمحے کا شیام لال کو انتظار تھا۔ اور زیادہ ڈرامائی انداز پیدا کرنے کی اس نے کوشش بھی نہ کی۔ وہ چھلانگوں میں بقیہ سیڑھیاں طے کر کے دو بالکنی پر جا پہنچا اور پیچھے سے پروفیسر خطیب کا شانہ تھپتھپایا — اور اس سے پہلے کہ خطیب مڑ کر دیکھتا وہ ان دونوں کے درمیان میں پہنچ کر بولا —

"کیوں بیٹے ۔۔۔ یہ سب کیا ہے ۔۔۔؟" ساتھ ہی اُس نے اپنی ٹارچ کی روشنی اُس کے چہرے پر ڈالی۔ لیکن خلافِ اُمید اُسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ خطیب کے چہرے پر بجائے غصّے کے دہشتِ عظیم کے آثار ہویدا تھے مارے خوف کے اُس کا منہ ٹیڑھا پڑ گیا تھا۔ دوسرے لمحے اُس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔

اُسی وقت باگمی پر قدموں کی کئی آوازیں سنائی دیں۔ پھر ٹارچ کی تیز روشنی شیام لال کے چہرے پر پڑی اور کسی کی دبی ہوئی آواز دریافت کرتے سنائی دی۔

"لعنت ہو تم پر ۔۔۔ تم یہاں کیسے آ گئے ۔۔۔؟ کیا نام ہے تمہارا؟ ٹارچ گُل کر دو۔" شیام لال نے بیٹری گُل کر دی۔ ساتھ ہی دوسری لائٹ بھی بجھ گئی۔ لیکن اپنی ٹارچ بجھانے سے پہلے شیام لال نے سامنے کھڑے ہوئے اُس شخص کو دیکھ لیا تھا جس کی وہاں موجودگی کی اُسے خواب میں بھی اُمید نہ تھی۔ وہ سیکریٹ سروس کا نامور سراغرساں چیف انسپکٹر نیاز جعفری تھا!

اور اُس کے پیچھے شیام کو سر سلطان صدیقی کی صورت بھی دکھائی دی تھی!

"کیا بات ہے؟" چیف انسپکٹر نے دریافت کیا ۔۔۔ "تم کیسے آ گئے" کانسٹبل ۔۔۔؟"

"پھاٹک کھلا ہوا تھا سر ۔۔۔!" شیام کے منہ سے نکلا اور پھر اُسے وہ اشد ضروری بات یاد آ گئی ۔۔۔ "میں نے پروفیسر خطیب کو پکڑ لیا ہے سر ۔۔۔!" اُس نے کہا اور ساتھ ہی خطیب کی گردن پکڑ لی۔

"اچھا، اچھا ۔۔۔ میں سمجھ گیا۔ اسے چھوڑ دو ۔۔۔ میں کہتا ہوں اسے چھوڑ دو ۔۔۔ نہیں پروفیسر! ابھی جانے کی ضرورت نہیں" "یہیں ٹھہرو۔ ہو سکتا ہے ہمیں تمہاری ضرورت پڑ جائے۔"

"سر یہ پروفیسر خطیب ہے — سلیم اور مسز سلیم کا قاتل — یہ لنکا نہیں گیا سر — میں اس کی ساری چالبازی سمجھ گیا ہوں سر — یہ ویسا ہی۔۔۔۔"

"میں پوچھتا ہوں تم اس مکان کے اندر کیوں چلے آئے — ؟"

"جی — میں سارجنٹ شاکر علی سے ایک بات کہنے جا رہا تھا سر — آپ ہی سن لیجئے — یہ لوگ جڑواں بھائی ہیں۔ جی ہاں توام بھائی — بڑی آسانی سے لوگوں کو دھوکا دے سکتے ہیں۔ جیسے کہ آپ نے پچھلے سال سنا ہوگا۔ ایک ہی شکل و صورت اور عمر کے دو بھائی تھے۔ شاید رمیش اور بابولال ان کے نام تھے۔ رمیش نے رات کے گیارہ بجے اکرم سیٹھ کے یہاں چوری کی اور دوسرے دن جب شک میں پکڑا گیا تو یہ ثبوت پیش کیا کہ وہ تو کل رات کو گیارہ بجے اپنے دوستوں کے ساتھ سینما دیکھ رہا تھا جب کہ در حقیقت سینما دیکھنے چند آدمیوں کے ساتھ بابولال گیا تھا — یس سر یہ۔۔۔۔"

"کیا تمہارا دماغ چل گیا ہے کانسٹبل" — نیاز نے گھور کر کہا۔

"یس سر۔۔۔ ار ر ر جی — ؟" شیام لال نے بوکھلا کر کہا۔ "جی میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ پروفیسر خطیب دو ہیں —" اس نے پیر خطیب کا ہاتھ سختی سے پکڑ لیا — "مجھے پہلے ہی شک ہوا تھا اور اسی لئے میں سارجنٹ شاکر علی کے پاس جا رہا تھا اب اس کا ثبوت بھی مل گیا ہے سر —"

چیف انسپکٹر پھر کچھ کہنے جا رہا تھا لیکن شیام لال نے سُن کر پیچھے سے مسٹر سلطان نے اُسے روک دیا — "ٹھہرو نیاز — ایک طرح سے کانسٹبل ٹھیک کہہ رہا ہے —"

"شکریہ صاحب!۔۔۔ آپ۔۔۔ بالکل۔۔۔" شیام لال ہانپ رہا تھا۔

"میں تمہارا مطلب سمجھ گیا کانسٹبل — لیکن تم اس کا ہاتھ چھوڑ دو، اس نے کوئی

مجرم نہیں کیا۔"

"اور یہ دو دو قتل صاحب۔۔۔۔؟"

"اُس نے کوئی قتل نہیں کیا کانسٹبل ۔۔۔؟"

شیام لال نے خطیب کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ کیوں کہ اب کے چیف انسپکٹر اس طرح غرّایا تھا کہ اُسے شک پیدا ہوا کہیں یہ اُدھر ہاتھ نہ جڑ دے۔ تھوڑی دیر خاموشی رہی پھر ڈاکٹر عارف نے پوچھا ۔۔۔

"سر سلطان! میری سمجھ میں نہیں آتا یہ سب قصہ کیا ہے؟ آپ نے مجھے جو ہدایات دی تھیں میں اُن پر عمل پیرا ہوں۔ آپ نے مجھ سے بتلایا تھا کہ اس معاملے سے میرا گہرا تعلق ہے۔ لیکن اب تک اِس سلسلے میں کچھ بھی نہیں بتلایا کہ یہ سب ہو کیا رہا ہے ۔۔۔؟"

"تو ۔۔۔ کیوں کیا جاننا چاہتے ہو تم ۔۔۔؟"

"آپ ابھی کہہ رہے تھے کہ پروفیسر خطیب نے کوئی قتل نہیں کیا ۔۔۔؟" عارف نے پوچھا۔

"ہاں خطیب نے کچھ نہیں کیا ۔۔۔" سست سست سی آواز میں سر سلطان نے جواب دیا۔ "نہ اُس نے کسی کو قتل کیا ہے نہ ہی وہ اس بارے میں کچھ جانتا ہے۔ وہ قاتل نہیں ہے اور نہ ہی قتل کی سازش میں شریک ہے۔ حتیٰ کہ وہ یہ بھی نہیں جانتا کہ قاتل ہے کون ۔۔۔!" وہ ڈرامائی انداز میں کچھ دیر کے لئے خاموش ہو گیا ہوا تیز چل رہی تھی اور سائیں سائیں عجیب بھیانک سماں پیش کر رہی تھی سر سلطان نے اپنا ہاتھ فضا میں لہرا کر اپنی انگلی ایک طرف ٹھہرا کر کہا۔ "اور اب میرے دوستو ۔۔۔ تمہارا یہ بوڑھا پاگل تمہیں ایک تماشہ دکھلائے گا۔ اور اپنے جادو سے یا نہیں، خطیب کے قول کے مطابق

اپنی قوت ارادی سے کام لے کر مجبور کرے گا وہ نامعلوم پر اسرار اور ہیبتناک قاتل جو کسی مکار لومڑی سے بھی زیادہ چالاک ہے اِس وسیع تاریکی سے نکل کر یہاں روشنی میں آئے تاکہ تم لوگ اُسے دیکھ کر پہچان سکو ــــ۔"

وہ اُن لوگوں کے آگے آگے چلتا ہوا بالکنی طے کر کے اُس کمرے کے سامنے پہنچا جہاں سے روشنی کی شعاعیں باہر نکل رہی تھیں یہ کمرہ جس کے سامنے وہ لوگ کھڑے ہوئے تھے مکان کی بالائی منزل کے شمال میں واقع تھا۔ وہ لوگ حیران تھے کہ سر سلطان یہاں پہنچ کر اچانک رُک کیوں گیا لیکن پھر جلد ہی اسکی وجہ معلوم ہو گئی کیوں کہ بالائی منزل کے صدر دروازے، پر جو جنوب کی طرف واقع تھا، کسی کی آمد کی خبر دینے والی گھنٹی بڑے زوروں سے بجنے لگی۔

"میں اُمید کرتا ہوں کہ گھنٹی بجانے والا ہی اصل قاتل ہے ــــ" سر سلطان نے اُن لوگوں کو بتلایا: "اور اب سنو ــــ نہیں ایک ایسی کھڑکی تلاش کرنی کے مکان میں داخل ہونا ہے جو اس طرف ہمارے داخل ہونے کے لئے کھلی چھوڑ دی گئی ہے۔ بہت محتاط اور خاموش رہنے کی ضرورت ہے۔ اگر کسی کے منہ سے ذرا سی آواز پیدا ہوئی تو مجبوراً میں اُسے گولی مار دوں گا۔ یہاں میں تمہیں یہ بات بھی بتلا دوں کہ اِس مکان میں وہ ہستی رہتی ہے جسے راہ سے ہٹانے کے لئے قاتل نے شروع سے وہ اسکیم تیار کی تھی جسکے سلسلے میں سلیم اور سلمیٰ کی موتیں واقع ہوئیں۔ اور اُمید ہے کہ قاتل اُس ہستی کو بھی آج قتل کرنے کی کوشش کرے گا۔ اچھا قدم سنبھال کر رکھتے ہوئے تم لوگ میرے ساتھ آؤ ــــ"

سر سلطان نے اپنا کوٹ اُتار کر وہیں بالکنی پر ڈال دیا تاکہ چلنے میں سرسراہٹ نہ پیدا ہو۔ چند قدم آگے بڑھنے پر اُنہیں کھڑکیوں کا ایک سلسلہ ملا اُس میں سے دو کھڑکیاں کچھ کھلی ہوئی تھیں اور اُن پر باریک جالی چلمن بھی کنارے سے ہٹی ہوئی تھی۔ آہستگی سے انہیں کھول

ایک کی راہ سے پہلے سر سلطان اندر داخل ہوا اور پھر یکے بعد دیگرے وہ چاروں بھی اندر کمرے میں پہنچ گئے۔ جو تاریک پڑا تھا۔ آہستگی سے آگے بڑھتے ہوئے سر سلطان اگلی دیوار تک پہونچا اور اسے ٹٹولتے ہوئے ایک طرف چلنے لگا چند قدم چلنے کے بعد ایک دروازہ نظر آیا۔ جو ہلکے سے دھکے پر چند انچ کھل گیا۔ اندر ہاتھ ڈال کر سامنے پڑا ہوا دبیز پردہ کو سر سلطان نے تھوڑا سا ایک طرف سرکا دیا اور بہت ہلکی روشنی کی ایک شعاع اس کی راہ سے چھن کر ان کے کمرے میں آنے لگی۔

جھانک کر دیکھنے پر معلوم ہوا کہ اندر کسی عورت کی چھوٹی سی خوابگاہ ہے جو بڑی نفاست سے سجائی گئی تھی۔ دیواروں پر ریشمی کپڑا لگا ہوا تھا اور چاروں طرف قد آدم آئینے لگے ہوئے تھے۔ چھت پر ایک فانوس لٹک رہا تھا اور اسی کے قریب ایک ہلکی روشنی کا برقی قمقمہ روشن تھا۔ بائیں جانب ایک مسہری پر ریشمی بستر لگا ہوا تھا۔ ان کی جانب پشت کئے ہوئے سامنے پڑی ہوئی آرام کرسی پر کوئی عورت تھی۔ جسے وہ لوگ پہچان نہیں سکے کہ کون ہے۔ لیکن اندازے سے معلوم کر لیا کہ مکان کی مالک یہی ہوگی۔

صدر دروازے پر گھنٹی اب تک بج رہی تھی۔ کرسی پر بیٹھی ہوئی عورت نے شیریں آواز میں گھنٹی بجانے والے سے اندر آنے کی درخواست کی۔ مکان کے دوسرے کمروں میں سے کسی کے بڑھتے ہوئے قدموں کی آواز ان لوگوں کو سنائی دی۔ سر سلطان نے عارف کا ہاتھ پکڑ کر، جو فرط تجسس سے کانپ رہا تھا اور جس کے دل کے زور زور سے دھڑکنے کی آواز سنائی دے رہی تھی، ایک جانب ہٹا دیا تاکہ اندر سے کوئی اسے کھڑا ہوا نہ دیکھ سکے اس دروازے کے بالکل مقابل میں، جس کے پیچھے وہ چھپے ہوئے کھڑے تھے، ایک دوسرا دروازہ تھا جو ان لوگوں کو کھلتا ہوا نظر آیا، لیکن ڈاکٹر عارف کو کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا کیوں کہ

سر سلطان نے اُسے آزاد کر دیا تھا۔

اور پھر سر سلطان کے سخت احکامات کے باوجود شام لال کانسٹبل سے نہیں رہا گیا اُس نے عارف کے کان سے مُنہ لگا کر بہت دھیرے سے، جسے عارف بھی مشکل سے ہی سن سکا، کہا۔۔۔

"سر! میں جانتا ہوں یہ کون ہے۔ میں نے اسے اکثر یہاں آتے دیکھا ہے۔ سر یہ اس عورت کی سوتیلی بیٹی صبیحہ سلطانہ ہے!!!

۱۹

وہ سارا منظر کسی خواب کا سا سماں پیش کرتا تھا۔ سبز ریشمی کپڑے سے ڈھکی ہوئی دیواریں قد آدم آئینے اور چھت پر خوبصورت فانوس کے قریب لٹکتا ہوا ہلکی دودھیا روشنی کا چھوٹا سا قمقمہ۔۔۔ ساری فضا عجیب مسحور کن سی نظر آتی تھی۔ اور کمرے میں آرام کرسی پر بیٹھی ہوئی عورت کے سامنے مس صبیحہ عجیب انداز سے کھڑی تھی!

اُس کے گالوں پر ہلکی سی سرخی کی جھلک دکھائی دیتی تھی اور سانس بھی کچھ تیز تیز چل رہی تھی جو غالباً تیزی سے زینہ طے کرنے کا نتیجہ تھا۔ اُسکے ہاتھ میں ہینڈ بیگ اور بادامی کاغذ میں لپٹا ہُوا ایک پیکٹ تھا۔ وہ اس وقت گہرے سیاہ رنگ کی ساری اور سفید بلاؤز میں ملبوس تھی۔ اُس کے ہونٹوں پر بڑی پیاری مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔

آرام کرسی پر بیٹھی ہوئی عورت نے صبیحہ کو دیکھ کر کہا۔

"میری پیاری صبیحہ! بخدا اس وقت تمہاری آمد سے مجھے بہت مسرت ہوئی۔"

پھر وہ آرام کرسی سے کھڑی ہو گئی اور عارف نے جواب مڑ کر پردے کے سامنے لگا تھا سامنے قد آدم آئینے میں اُس کا عکس دیکھا۔ وہ بوٹے سے قد کی ایک خوبصورت نازنین تھی۔

اس کے بال ایک لمبی چوٹی کی شکل میں سینے پر پڑے ہوئے تھے۔ ہونٹ خوبصورت اور پتلے پتلے تھے جنہیں دیکھ کر اور خواب آلود آنکھوں کی مناسبت سے عارف کو بے اختیار میر تقی میر کی ایک مشہور غزل کے دو شعر یاد آ گئے۔ وہ عمر میں صبیحہ سے زیادہ نہ رہی ہوگی اور قد میں بھی اس سے چھوٹی نظر آتی تھی۔ اس نے ہلکے ریشم کا شب خوابی کی نارنجی گاؤن پہن رکھی تھی۔ آگے بڑھ کر صبیحہ کو سینے سے لگاتے ہوئے اس کے گالوں کو چوم کر عورت نے کہا:

"کیوں صابی۔؟ اچھی تو ہو۔؟"

پھر صبیحہ کو خاموش دیکھ کر بولی "جیسا کہ میں نے تم سے وعدہ کیا تھا۔ اس وقت مکان میں کوئی نہیں ہے۔ میں بہت دن سے تم سے ملاقات کی خواہشمند تھی۔"

صبیحہ نے مسکرا کر کہا "لیکن آگرہ سے تو آپ شاید گذشتہ اتوار ہی کو واپس آئی ہیں آپی۔؟ کیسا رہا یہ سفر۔؟"

"بہت عمدہ۔ تاج محل میں پہنچ کر تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ جیتے جی بہشت میں آ گئے" "چلئے اچھا ہوا کہ آپ گھوم آئیں۔ ورنہ ایسے موقع بار بار کہاں آتے ہیں۔

خیر چھوڑو اس تذکرے کو۔ اور مجھے اس پراسرار پروفیسر خطیب کے بارے میں بتلاؤ۔ اخباروں میں پڑھا تھا کہ تم بھی اسے دیکھ چکی ہو۔ بلکہ ساتھ رہ چکی ہو اس کی وجہ سے تمہاری اچھی خاصی شہرت ہو گئی ہے۔ میرے خیال میں اس پروفیسر کی صورت میں خدا نے ہندوستانیوں پر ایک قہر نازل کیا ہے۔ اور تمہاری جرأت پر مجھے حیرت ہے کہ ایسے حالات میں اس کے ساتھ "پیلی کوٹھی" میں رہیں۔ اچھا ہوا کہ میں آگرہ میں تھی ورنہ ممکن تھا کہ تم مجھے بھی اپنے

ساتھ کھیت سے جاتیں ہیں تو مارے دہشت کے مر جاتے۔ اس کمبخت کو بچہ کراب بھی جب اُس عمارت کی طرف نظر جاتی ہے اتنا یاد آتا ہے کہ اس کے کیسے کیسے پراسرار طریقے سے موت کا شکار ہوئے ہیں تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔۔۔ ـــــ اور میں نے جب اخبار میں پڑھا کہ پروفیسر خطیب کی نگاہِ کرم تم پر بھی ہے تو دل کی عجیب حالت ہو گئی ـــــ"

"میری سہیلی نجمہ نے بتلایا تھا کہ ایک دن اُس نے تمہیں خطیب کے ساتھ "گولڈن ہوٹل" میں بھی دیکھا تھا۔ وہ کہہ رہی تھی کہ خطیب نے تمہارے ہاتھ کو بوسہ بھی دیا تھا ـــــ ہنہیں میں تمہیں کوئی نصیحت نہیں کرتی۔ آج کل کے فیشن میں تو یہ چیزیں بہت عام ہو گئی ہیں۔ لیکن میں پوچھتی ہوں کیا تمہیں خوف نہیں محسوس ہوا ـــــ ہاں ـــــ اور سنو ـــــ جب لوگوں کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ صبیحہ میری سوتیلی لڑکی ہے تو مجھے استعجاب کی نظروں سے دیکھتے ہیں ـــــ تم ذرا مجھے تفصیل سے اس شخص کے بارے میں بتلاؤ نا ـــــ ہاں"

"ذرا ٹھہریئے تو میں ابھی اطمینان سے آپ کو سب کچھ بتلاؤں گی ـــــ"

"اے لڑکی ـــــ!" عورت نے غصہ کی ایکٹنگ کرتے ہوئے کہا ـــــ "میں تم سے کتنی بار کہہ چکی ہوں، تمہارے والد کی زندگی میں بھی اور اب بھی، کہ مجھے امّی مت کہا کرو۔ مجھ سے سہیلی کا برتاؤ کیا کرو۔ مجھے نسرین کہہ کر پکارا کرو۔ لیکن تمہاری سمجھ میں نہیں آتا۔ اب اگر مجھے امّی کہا تو بہت ماروں گی ـــــ"

"بہت اچھا میری پیاری امّی۔ . . . اور نسرین باجی ـــــ"

"شریر کہیں کی ـــــ" نسرین نے اُسے گدگدی کرتے ہوئے کہا ـــــ "چلو یہاں بیٹھ کر مجھے

اطمینان سے تمام کہانی سناؤ۔" اس نے صبیحہ کا ہاتھ پکڑ کر ایک کرسی پر بٹھلاتے ہوئے کہا ۔۔۔ "ہاں تو بتلاؤ تمہارا خطیب کیسا آدمی ہے ۔ اور تمہارے ساتھ اس کے تعلقات کیسے رہے ہیں ۔ اور ہاں سنو ۔۔۔ تو وہ کمبخت نجمہ مجھے کیسا ڈرا رہی تھی کہتی تھی کہ پروفیسر خطیب چونکہ صبیحہ سے محبت یا ہمدردی رکھتا ہے اس لیے وہ مجھے قتل کر دے گا ، کیونکہ میں نے بقول اس کے جائداد پر خود قابض ہو کر تمہارے باپ کی جائداد سے تم کو محروم کر دیا ہے ۔۔۔ دیکھا تم نے دنیا میں کیسے کیسے کم ظرف اور پست ذہنیت کے لوگ بستے ہیں ، کتنی اوچھی بات ہے ، جیسے میں اور تم کوئی الگ الگ ہیں ۔۔۔ ۔ ارے ہاں یہ تمہارے ہاتھ میں پیکیٹ کیسا ہے ۔۔۔ ؟"

"آپ کے لیے ایک حقیر تحفہ لائی ہوں نسرین باجی ۔۔۔"

"میرے لیے ۔۔۔ ؟ اوہ صبیحہ تم کتنی اچھی ہو ۔۔۔ ہاں اچھا یاد آیا ، میں بھی آگرہ سے تمہارے لیے بہت سی چیزیں لائی ہوں ۔ انہیں سے ایک گھڑی تمہیں خاص طور پر پسند آئی تھی ۔ ان کی دوکان میں اس سے اچھی اور کوئی رسٹ واچ ہی نہیں تھی ۔ سونے کے ڈائیل پر نگینوں کے ہندسے جڑے ہوئے ہیں ۔۔۔ اور ہاں میرے لیے کون سا تحفہ لائی ہو ۔۔۔ ؟ کیا بمبئی میں لیا تھا ۔۔۔ لاؤ کھولوں ۔ ؟"

ابھی ایک منٹ میں دیکھ لینا ۔" صبیحہ نے جواب دیا اور پیکیٹ کو میز پر ایک جانب رکھ کر اپنی کرسی پر سے تکلیف سے اٹھنے لگی اس کے ہاتھ کپکپا رہے تھے ۔

کیا بات ہے صبیحہ ۔۔۔ ؟ تمہارے ہاتھ کیوں کانپ رہے ہیں ۔۔۔ ؟" نسرین نے حیرانی سے دریافت کیا ۔

"جی کچھ نہیں ۔۔۔ میں ذرا غسل خانے سے ہاتھ منہ دھو کر آتی ہوں ۔۔۔ "

"ایسی بات ہے۔" نسرین نے مسکرا کر جواب دیا اور پیار بھری نظروں سے جیبو کی طرف دیکھنے لگی۔ جیبو اپنا ہینڈ بیگ اٹھا کر داہنی جانب ایک دروازہ کھول کر، جو غسل خانے کا تھا، اندر چلی گئی اور دروازہ بند کر لیا۔ پھر اتنا گہرا سکوت طاری ہوا کہ ڈاکٹر عارف کو کسی گھڑی کے ٹِک ٹِک کرنے کی آواز صاف سنائی دی جس کے بارے میں بعد میں معلوم ہوا کہ بقول شیام کے کچھ دوستوں کے وہ شیام لال کی چونے کی ڈبیہ تھی۔ عارف کچھ سوچنا چاہتا تھا لیکن اس کا دماغ کام نہیں کر رہا تھا۔ ایک بار غیر ارادی طور پر اس کے قدم آگے بڑھے لیکن سر سلطان نے اُسے ہاتھ پکڑ کر پیچھے کر دیا۔

نسرین اپنی خوابگاہ میں قد آدم آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر چند لمحے اپنا عکس دیکھتی رہی اور پھر چھوٹے چھوٹے قدموں سے کمرے میں ٹہلنے لگی۔ پھر چھوٹے ٹیبل پر رکھے ہوئے خاصدان سے پان کی ایک گلوری نکال کر کھائی اور آرام کرسی پر بیٹھ گئی۔ پھر دو سیکنڈ بعد اٹھ کھڑی ہوئی اور ٹہلنے لگی۔ معلوم ہوتا تھا وہ جیبو کی زبانی پروفیسر خطیب کے حالات سننے کیلئے بہت مشتاق اور مضطرب تھی اور پھر غسل خانے کا دروازہ کھلا اور کمرے کی فضا یکایک اس طرح بدل گئی جیسے کسی جادوگر نے اپنا جادو کا ڈنڈا گھما دیا ہو۔

لیکن اس کے باوجود یہ بتلانا دشوار تھا کہ فضا کیسے تبدیل ہو گئی۔ ہر چیز اپنی پہلی حالت پر تھی صرف غسل خانے میں جلتے ہوئے بلب کی روشنی میں جیبو کی حالت جو دروازے کے درمیان کھڑی تھی، کچھ بدلی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔ اس کی سانس نسبتاً زیادہ تیز چل رہی تھی اور چہرے کا رنگ کچھ سفید پڑ گیا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ پشت کی طرف تھے۔ ایک ہاتھ سے دروازہ بند کر کے وہ غسل خانے سے باہر نکل آئی اور ایک قدم آگے بڑھی۔

"کیا بات ہے صبیحہ —؟ تم تو کسی فلم ایکٹریس کی طرح ایکٹنگ کر رہی ہو۔ طبیعت تو ٹھیک ہے نا —؟" نسرین نے زیر لب مسکرا کر پوچھا۔

صبیحہ ایک قدم اور آگے بڑھی۔ اُس کے ہاتھ اب بھی پیٹھ کے پیچھے تھے۔

"صبیحہ —؟"

"جی کچھ نہیں —" صبیحہ نے مسکرانے کی زبردست کوشش کرتے ہوئے جواب دیا — کوئی خاص بات نہیں ہے نسرین باجی۔ ۔ ۔ صرف۔ ۔ ۔ ۔"

وہ اُس وقت تک نسرین کے بالکل قریب پہنچ چکی تھی۔ اور پھر اچانک دروازے کے باہر پردے کی آڑ میں چھپے ہوئے اُن لوگوں کو کلوروفارم کی بو محسوس ہوئی۔ غالباً نسرین نے بھی اُس کو محسوس کر لیا ہو یا شاید یہ صبیحہ کے پراسرار انداز کا انجام تھا کہ مختلف آئینوں میں دکھائی دینے والے اُس کے عکس سے دہشت عظیم کا اظہار ہوتا تھا۔ صبیحہ کی آواز میں اب ایک عجیب سی تبدیلی پیدا ہو گئی تھی۔ ۔ ۔ ۔ ۔

"بات صرف اتنی ہے نسرین باجی کہ میں تمہیں قتل کرنا چاہتی ہوں —" اُس نے اپنا جملہ پورا کیا اور نسرین کے اوپر جھپٹی۔ اور قبل اِس کے نسرین چیخ سکے، صبیحہ نے اس کا گلا اپنی بغل میں دبا لیا پھر وہ دونوں ایک دوسرے سے گتھی ہوئی ایک صوفے پر گر پڑیں جس کی پشت سر سلطان وغیرہ کی طرف تھی۔ چند لمحوں تک صوفے کی اسپرنگوں کے اوپر نیچے ہونے کی آواز آتی رہی اور پھر اُن لوگوں کو نسرین کے پیر پھیلتے ہوئے نظر آئے پھر صبیحہ اُٹھتی ہوئی نظر آئی لیکن اب وہ پہلی صبیحہ سے بالکل مختلف تھی دھینگا مشتی میں بال بری طرح بکھر گئے تھے آنکھوں میں بڑی بھیانک چمک تھی جبڑے فرط جوش میں بھینچے ہوئے تھے اور کسی غصیلی شیرنی کی طرح دانت باہر نکلے پڑتے تھے۔ اس نے کھڑے

ہو کر منہ کے سامنے بکھرے ہوئے بالوں کو جھٹکا دے کر پیچھے کیا پھر اپنی حالت پر نظر ڈالی ساری کا پلّو ایک طرف سے کچھ لٹک گیا تھا اُسے درست کیا ۔ سانس بہت تیز تیز چل رہی تھی خود کو خاموش کرنے کیلئے اس نے اپنے ہونٹوں پر اُنگلی رکھ کر "شش" کی آواز نکالی اور پھر اپنا زرد چہرہ دیکھنے کے لئے آئینے کے سامنے جا پہنچی۔ اُس کی چال بہت محتاط تھی۔ اور انداز سے وحشی ہرن کا سا چوکنا پن جھلکتا تھا۔ آئینے میں کئی زاویوں سے اپنا چہرہ دیکھ کر اُسنے خود پر قابو پانے کی کوشش کی۔ مکان میں گہرا سناٹا چھایا ہوا تھا۔ کہیں کوئی کلاک بھی نہ تھا جس سے سکوت قطع ہوتا۔

پھر اچانک اُسے کچھ یاد آیا اور تقریباً بھاگ کر اُس نے خوابگاہ کا وہ دروازہ بند کر کے چٹخنی لگادی جس کی راہ سے وہ اندر آئی تھی۔ پھر واپس پلٹ کر اُس نے ٹیبل پر رکھا ہوا پیکٹ اُٹھایا اور اُس پر لپٹا ہوا بادامی کاغذ چاک کیا۔ اندر سے دفتی کا ایک ڈبہ برآمد ہوا جس میں بہت سی چیزیں رکھی تھیں۔ پہلے اُس نے ربر کے دستانے نکال کر اپنے ہاتھوں پر چڑھا لئے۔ پھر نسرین کو کچھ اُٹھا کر اور کچھ گھسیٹتے ہوئے اُس نے مسہری پر لاکر ڈال دیا اور پھر قہقہہ لگا کر پہلے کی بہ نسبت زور سے کہنے لگی۔

"اب مجھے تم کو برہنہ کرنا پڑے گا نسرین باجی۔ لوگوں کو اُسی طرح مارنے کے لئے جیسے کہ پہلے حلیم اور سلمیٰ مرچکے ہیں، پہلے برہنہ کرنا پڑتا ہے۔ اور اُس کے بعد اُن کے ہاتھوں اور پیروں کو ایسی ملائم پٹیوں سے باندھنا پڑتا ہے کہ وہ حرکت بھی نہ کر سکیں اور مرنے کے بعد اُن کے جسم پر کوئی نشان بھی نظر نہ آئے ۔" وہ دوبارہ ڈبے کے پاس گئی اور اُس میں سے کئی ایک ریشمی رومال اور کئی پٹیاں نکال لائی۔

"یہ رومال تمہارے منہ میں ٹھونس کر اوپر سے پٹی باندھنا پڑے گا۔ تاکہ تم چیخ نہ سکو

اپنی اسکیم کو کامیاب بنانے کے لئے ضروری ہے کہ مرنے سے قبل تم جاگ رہی ہو اور اپنے ہوش میں ہو۔"

اُس نے ایک گھومتی ہوئی نگاہ کمرے پر ڈالی، ایک لمحے کیلئے اُس کی نگاہ اُس پردے پر پڑی رہی جس کی پشت پر دروازے کے پیچھے سر سلطان وغیرہ پوشیدہ تھے، پھر مطمئن ہو کر بیہوش پڑی ہوئی نسرین سے کہنے لگی۔

"ہاں ــــ شاید چند سیکنڈ بعد تمہیں ہوش آجائے گا۔ لہٰذا میں دیکھ لوں کہ تمہارا بدن حرکت تو نہیں کرسکتا۔ یا منہ کی پٹی ڈھیلی تو نہیں ہے۔ . . . ہاں ٹھیک ہے۔ اب تم ہوش میں آنے کی یہ دوا سونگھو۔"

وہ ڈبے سے ایک شیشی نکال لائی اور نسرین کے بستر پر جھک گئی۔ پھر تھوڑی دیر بعد سیدھے کھڑے ہو کر بولی۔

"نسرین ــــ! نسرین ــــ! کیا تمہیں میری آواز سنائی دیتی ہے؟"

چھت دار مسہری کی وجہ سے نسرین کے جسم پر سایہ پڑ رہا تھا کہ اس لئے سر سلطان اور اُس کے ساتھی ٹھیک دیکھ نہیں سکے لیکن میمو کے اطمینان کی سانس لینے سے اُن لوگوں کو بھی معلوم ہوگیا کہ نسرین ہوش میں آچکی ہے۔ میمو نے خوابگاہ میں ایک کونے کی طرف نگاہ ڈالی جہاں ایک چھوٹے سے خوبصورت آبنوسی ٹیبل پر ریڈیو رکھا ہوا تھا۔ اُس کے قریب جاکر میمو نے سوئچ آن کیا لیکن، ریڈیو کا اندرونی بلب روشن نہیں ہوا۔ اُس نے ایک بار پلگ کو دیکھا جو ٹھیک لگا ہوا تھا، دوبارہ سوئچ دبایا لیکن ریڈیو نے کام نہیں شروع کیا۔

"نسرین! یہ ریڈیو کام کیوں نہیں دیتا ــــ ؟"

لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ وہ دوبارہ صبری کے قریب جا کر کہنے لگی۔" شاید تمہیں معلوم نہ ہو، میں پروفیسر خطیب کی تقریر، جو اس وقت ریڈیو سیلون سے براڈکاسٹ ہو رہی ہے سننا چاہتی ہوں۔ وہ احمق ریڈیو سے تمہارے قتل کا اعلان کرنے والا ہے، اور میں معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ وہ کس وقت تمہیں قتل کر دینے کا دعویٰ کرتا ہے۔ اُس کی "قوت ارادی" قطعاً بکواس ثابت ہو اگر میں اُس کی نادانستگی میں اُسے خفیہ امداد نہ دوں۔ ایک بار سیکریٹ سروس کے چیف انسپکٹر نے واقعی سچ کہا تھا کہ وہ بدھو پروفیسر اپنے خیالات کی ضرب پہنچا کر ایک چیونٹی تک کو نہیں مار سکتا۔ حالانکہ وہ اپنے طور پر پورا یقین رکھتا ہے کہ وہی سلیم اور سلمیٰ کا قاتل ہے۔ دراصل اُس ذہن میں یہ خیال بھر دیا گیا ہے۔"

نیہو نے نسرین کے اور قریب جا کر کہا۔" سچ کہتی ہوں نسرین! پروفیسر خطیب کو تمہارے قتل کے لئے رضامند کرنے کے لئے مجھے بہت محنت اور خوشامد کرنی پڑی ہے۔ ورنہ وہ ریڈیو سیلون سے ڈاکٹر عارف پر اپنا تجربہ آزمانے کے لئے تلا ہوا تھا۔ کتنی مشکل سے وہ رضامند ہوا ہے یہ میں ہی جانتی ہوں۔ عارف کے چیلنج پر اُسے بہت غصہ آ گیا تھا۔ اگر وہ راضی نہ ہوتا تو تمہارے قتل کرنے سے پہلے خطیب کی قوت ارادی کو سچ ثابت کرنے کے لئے مجھے عارف کے قتل کا انتظام بھی کرنا پڑتا۔ وہ بے وقوف مجھ پر عاشق ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ کہتا ہے اگر وہ بادشاہ ہوتا تو مجھے شاہجہاں کے آگے سرنگوں کرتا۔ میں نے کہا نہیں صرف نسرین کو قتل کر دو۔ محبت کے نام پر تو اچھے اچھے بے وقوف بن جاتے ہیں، وہ تو خیر پیدائشی احمق ہے۔ رضامند ہو گیا۔"

نیہو تھوڑی دیر تک دھیرے دھیرے ہنستی رہی۔ پھر اپنے ہاتھ گھما کر بولی یہ

رکھ کر وہ نسرین کے اوپر کسی مہربان ماں کی طرح جھک کر کہنے لگی۔

"نسرین! تم تمام واقعات تفصیل سے سننا چاہتی تھیں نا۔۔۔ کہ خطیب کون ہے اور کیا کرتا ہے۔۔۔؟ میں نے تم سے وعدہ بھی کیا تھا کہ سب حالات بتلاؤں گی۔ لہٰذا مرنے سے قبل تمہاری یہ خواہش بھی کیوں نہ پوری کر دی جائے۔۔۔؟"

اچانک بستر سے کوئی کپڑا پھٹنے کی آواز آئی۔ غالباً نسرین کے ہاتھ میں بندھی ہوئی ریشمی پٹی پھٹ رہی تھی۔ اُس نے جلدی سے ایک اور پٹی ڈبے سے نکال کر اُس کے ہاتھ پر کس دی۔۔۔

"نہیں پیاری نسرین۔۔۔!" اُس نے مسکرا کر کہا۔۔۔ "بیکار کوشش کر کے جان کو ہلکان مت کرو۔۔۔ ہاں سنو۔۔۔ خطیب کون ہے۔۔۔؟ اُس کی ماں افریقہ کی ایک جنگلی عورت تھی اور باپ انڈونیشیا کا ایک مانا ہوا سائنسدان۔ جو اپنی آخری عمر میں کچھ خبطی ہو گیا تھا اور افریقہ کے دورے پر ایک جنگلی عورت کو انڈونیشیا لا کر اُس سے شادی کر لی تھی۔ لہٰذا باپ کی طرف سے اُسے ورثہ میں وہ ذہانت ملی جس کے تحت اُس نے نفسیات، اور سائنس میں اعلیٰ ڈگریاں حاصل کیں۔ لیکن ساتھ ہی اُسے ورثے میں باپ کا خبط اور ماں کی ضعیف الاعتقادی بھی ملی تھی۔ اور اس طرح تم سمجھ لو کہ ذہانت، ضعیف الاعتقادی اور خبط کا کتنا عجیب و غریب امتزاج قدرت نے پروفیسر خطیب میں رکھا ہے۔۔۔!"

وہ تھوڑی دیر پھر رک گئی۔ معلوم نسرین، صبیحہ کی بات سمجھی یا نہیں لیکن دروازے کے باہر کھڑے ہوئے لوگ اپنے سابقہ تجربوں کی روشنی میں صبیحہ کی ایک ایک بات سمجھ رہے تھے اور اُن پر گذشتہ تمام معمہ کی ایک ایک گتھیاں یکے بعد دیگرے کھلتی جا رہی تھیں صبیحہ پھر بولی

تھے اُسے اخباروں اور رسالوں کی تصویروں میں دیکھا ہوگا۔ ذرا قریب سے دیکھیں تو چہرے کی ساخت نظر آتی۔ اُس کے بال، ناک اور جبڑے کی ساخت و ہونٹوں کی موٹائی اور بدن کی بناوٹ سے افریقہ اور انڈونیشیا کے ملے جلے اثرات دکھائی دیتے ہیں۔ تمدن اور رہن سہن کے طریقوں میں بھی وہ اعلیٰ تعلیم کے اثر سے تین چوتھائی مہذب اور ایک چوتھائی غیر مہذب ہے ـــــ اور اُس کے قریب رہ کر میں نے اُس کے مزاج کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا۔"

اب میکس نے پنے تلے چھوٹے چھوٹے قدموں سے کمرے میں ادھر اُدھر ٹہلنا شروع کر دیا ـــــ ساتھ ہی ساتھ وہ کہتی گئی ـــــ "بہر حال ان تمام باتوں کے باوجود اُسکے ذہین ہونے میں شک نہیں ہے۔ کوئی اُس کی ذہانت سے انکار نہیں کر سکتا۔ اُس کے باپ نے اُسے اعلیٰ تعلیم دیوائی تھی اور اُس کے لئے کافی روپیہ چھوڑ کر مرا تھا لیکن اس تمام اعلیٰ تعلیم کے باوجود اپنی ماں کی طرح اُسے بھی روحانی طاقتوں پر یقین کامل تھا۔ اور میں نے اُس کے اس اعتقاد کو اور بھی پختہ کر دیا تاکہ اُس سے مستفید ہو سکوں۔ وہ اپنی تعلیم مکمل کر لینے کے بعد اس کوشش میں یا اس خبط میں مبتلا ہوگیا کہ کسی طرح روحانی طاقتوں کو سائنس کی روشنی میں باقاعدہ اُصول پیش کر کے بھا سکے۔ وہ انڈونیشیا میں اپنی لیبوریٹری میں دماغ کی ساخت کے سلسلہ میں کافی تجربے کر چکا ہے اُس کا پختہ خیال تھا کہ دماغ سے خیالات کی ایسی لہریں پیدا کی جا سکتی ہیں جن کے ذریعے دور بیٹھے ہوئے آدمیوں کو ضرب پہنچا کر قتل کیا جا سکتا ہے شک اُس میں ایک عجیب۔ طاقت ضرور ہے۔ جسے میں نہیں سمجھ سکی۔ وہ بعض اوقات لوگوں کے خیالات معلوم کر لیتا ہے۔ معلوم نہیں مجھ کو شام کو اُسے کیسے معلوم ہوگیا کہ اختر آٹھ بجے سے قبل مر جائے گا۔ غالباً تم نے اس بارے میں اخبارات میں پڑھا ہو

"ہم لوگ اُس وقت فوارے کے قریب بیٹھے ہوئے تھے میں، سلمٰی، سلیم، ایم فیروز اور ڈاکٹر عارف بھی تھے۔ لیکن کوئی یہ نہ سمجھ سکا کہ سطح کے نیچے تہ میں کیا ہے —" "اور تنک مزاج سلیم اختر مسلسل پروفیسر خطیب کو چھیڑ رہا تھا۔ اُسی وقت ڈاکٹر عارف نے خطیب سے اِس قسم کا کوئی سوال دریافت کیا کہ کیا وہ اپنے خیالات کے ذریعہ کسی کو قتل بھی کر سکتا ہے؟

"پروفیسر خطیب کو اگر کوئی غیر مہذب یا جنگلی سمجھتا یا کہتا ہے تو اُسے بہت تکلیف ہوتی ہے اور سلیم اختر شروع ہی سے اُسے اِس قسم کی باتیں کہہ کر چھیڑ رہا تھا اور یہ ظاہر کر رہا تھا کہ وہ خطیب کو جنگلی اور غیر مہذب سمجھتا ہے۔ پھر اُس نے خطیب کو کھانے پکانے والا باورچی وغیرہ کہہ کر اور بھی مشتعل کر دیا پھر اُس نے برسرِ تذکرہ سلمٰی سے کہا کہ اگر وہ انڈونیشیا کے جنگلیوں کے درمیان رہ کر ڈنر سوٹ پہن سکتا ہے تو اپنے خاص گھر میں کیوں نہ پہنے — اِس طرح خطیب کو بات بات پر غصہ آتا رہا جیسے ماہر نفسیات ہونے کی وجہ سے وہ دبائے بیٹھا رہا لیکن میں اُس کے چہرے کے اُتار چڑھاؤ سے سمجھ گئی کہ وہ سلیم اختر کو قتل کرنے کا تہیہ کر چکا ہے۔

"پھر اُس نے اعلان بھی کر دیا کہ سلیم اختر آٹھ بجے کا کھانا نہیں کھا سکے گا۔ اور پھر جب میں اپنے کمرے میں تھی تو اُس نے آ کر مجھ سے کہا کہ اُس نے سلیم اختر کے کھانے میں زہر ملا دیا ہے اور عنقریب ہی اُسے اِس کے نتیجے میں پھانسی پہ لٹکا دیا جائے گا لہٰذا وہ قتل سے پہلے اظہار میرے روبرو کرنا چاہتا ہے کہ وہ مجھ سے از حد محبت کرتا ہے اور پھر اُس نے خود محبت جتا کر مجھے چھینے سے لگانے کی کوشش کی جس سے خوفزدہ ہو کر میں کمرہ کھلا چھوڑ کر بھاگ کر ڈاکٹر عارف کے کمرے میں جا پہنچی۔

"لیکن بعد میں ایسے حالات پیدا ہوئے کہ سلیم اختر زہر ملا کھانا کھانے سے قبل ہی مر گیا۔ پروفیسر خطیب نے وہ کھانا پھینک دیا اور بعد میں محض یہ خیال ظاہر کیا کہ چونکہ وہ اپنی پوری دماغی طاقت سے سلیم اختر کو قتل کرنے کے بارے میں سوچ رہا تھا اس لئے سلیم اختر خیالات کی ضرب سے ہی مر گیا۔ میں نے بھی اسی خیال کے تحت اُسے اس بات کا پورا یقین دلا دیا کہ وہ واقعی ایک ایسی پُراسرار قسم کی طاقت کا مالک ہے، جسے بعد میں اس نے "قوتِ ارادی" کا نام دیا، جس سے وہ دور بیٹھ کر کسی کو قتل کر سکتا ہے۔ حالانکہ درحقیقت وہ بیچارہ قطعاً بے گناہ ہے۔ میں نے صرف اُس کی نادانستگی میں اُس کے جذبات کو اُبھا کر اپنے لئے استعمال کیا۔

بعد ازاں حالات ایسے پیش آئے کہ مجھے خدشہ ہوا کہیں سلمیٰ اپنے شوہر کی موت کا اصل سبب نہ ظاہر کر دے ورنہ پھر میں پروفیسر خطیب کے پردے میں اپنے اصل مقصد کو نہیں حاصل کر سکتی تھی۔ اور میرا اصل مقصد تمہیں اپنی راہ سے ہٹا کر اپنے باپ کی جائیداد حاصل کرنا تھا اور یہ مقصد پروفیسر خطیب کی آڑ میں محفوظ رہ کر بڑی آسانی سے حاصل ہو سکتا تھا۔ اگر سلمیٰ اپنے شوہر کی موت کا اصل راز ظاہر کر دیتی تو بڑی آسانی سے پروفیسر خطیب کے دعوے غلط ثابت ہو جاتے اور میرے لئے محفوظ رہ کر تمہیں قتل کر سکنا ناممکن ہو جاتا۔ ویسے کچھ لوگ اب بھی ہیں جو پروفیسر خطیب کے دعووں کو باطل سمجھتے ہیں، لیکن اُن لوگوں کو میرے قاتل ہونے کے بارے میں ہرگز شک نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ اُن کا خیال ہے کہ سلیم اور سلمیٰ کا قاتل ایک ہی شخص ہے اور سلیم کے قتل کے وقت میری غیر حاضری کی شہادت دینے کیلئے ڈاکٹر عارف کی گواہی کافی تھی کیونکہ میں اسکے کمرے میں موجود تھی۔ [illegible] کے ساتھ کھیلی جا رہی تھی۔

سلیم کی موت کے بعد کسی نے کوئی خیال اُس وقت نہیں قائم کیا تھا جب تک

مجھے اُس کی موت کی اصل وجہ معلوم نہیں ہو گئی۔ سچ کہتی ہوں نسرین میں اُس وقت تک بالکل معصوم تھی جب تک کہ مجھے سلیم کے مرنے کا اصل سبب نہیں معلوم ہو گیا۔ ورنہ میں ڈاکٹر عارف کے کمرے میں اُس سے یہ کہنے کی جرأت ہرگز نہ کرتی کہ میں اپنی سوتیلی ماں کی موت کی خواہشمند ہوں۔ سلیم کی موت کا سبب مجھے اس طرح معلوم ہوا کہ اُس کے مرنے کے بعد میں دو راتوں کو سلمٰی کے ساتھ اُس کے کمرے میں سوئی تھی اور سلمٰی کے بارے میں سب کو معلوم ہے کہ وہ سوتے ہوئے خواب میں بڑبڑاہٹ کی عادی ہے۔ اور سوتے ہوئے اُس کی بڑبڑاہٹ سن کر ہی میں نے ذرا سی کوشش کے بعد سلیم اختر کی موت کا سبب معلوم کر لیا اور اُس کے بعد میں نے دیکھا کہ پروفیسر خطیب کے سہارے تمہیں قتل کر دینا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔

" قانونی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ سلیم اختر کی موت محض ایک ایکسیڈنٹ یا حادثہ ہے لیکن میں اُس کی موت کا ذمہ دار پروفیسر خطیب کو بھی سمجھتی ہوں۔ اگر پروفیسر خطیب نے اُس کی موت کی پیشین گوئی نہ کی ہوتی اور اُسے پہلے سے نہ بتلا دیا ہوتا کہ وہ آٹھ بجے کے بعد زندہ نہ رہے گا تو ہرگز سلیم کی موت واقع نہ ہوتی۔ یہ سب اُس کی پیشین گوئی کا نتیجہ تھا کہ سننے والوں کے اعصاب بُری طرح متاثر ہو گئے اور نتیجے میں سلیم اختر کی موت واقع ہوئی۔ اور اب تم دیکھو گی کہ سلیم اختر کی موت کس طرف ہوئی کیوں کہ تم بذات خود اُسی قسم کی موت کا شکار ہونے والی ہو۔"

صبیحہ کے چہرے پر عارف کو اُسی قسم کے جذبات طاری نظر آئے جیسے اتوار کی شام کو سلمٰی کی موت سے قبل اس کے مکان سے رخصت ہونے کے وقت اُس نے ڈرائنگ روم میں اُس کے چہرے پر دیکھے تھے۔ وہ ایک بار پھر شیلف کے پاس گئی اور دراز میں سے کچھ نکالنے لگی۔

اگر ریڈیو کام نہیں دیتا۔۔۔" وہ کہتی گئی ـــــ " تو کوئی بات نہیں، میرے پاس کافی وقت ہے قبل اس کے خطیب ریڈیو سیلون سے تمہاری موت کا اعلان کرے میں تمہیں قتل کروں گی ذرا غور سے سنو نسرین! لوگوں کو قتل کرنے کا سب سے پیارا طریقہ میں تم پر استعمال کرنے جا رہی ہوں۔ ایک ایسا طریقہ جو بظاہر بڑا پر اسرار اور عجیب معلوم ہوتا ہے لیکن در اصل کچھ بھی نہیں محض ایک معمولی سی بات ہے ـــــ لیکن ذرا ٹھہرو، میں ابھی آتی ہوں "

وہ تیزی سے غسل خانے میں داخل ہوئی اور تھوڑی دیر بعد واپس آگئی۔ اندر سے پانی کی دو دھاریں کسی برتن میں گرنے کی آواز آنے لگی غالباً صبیحہ نے نل کھول دیئے تھے۔ اس نے ہنستے ہوئے کہا ـــ

یہاں مجھے پانی کی ان دھاروں کے گرنے کی آواز کے بارے میں زیادہ خدشہ نہیں ہے کیونکہ انھیں سننے جانے کی کوئی امید نہیں۔ لیکن سلمیٰ کے قتل والی رات کو مجھے اس سلسلے میں کافی محتاط رہنا پڑا تھا اور انھیں آوازوں کے بارے میں احتیاط کے طور پر مجھے ایک اور پیش بندی کرنی پڑی تھی۔ میں نے پروفیسر خطیب کے چہرے کی شکل کا ایک نقاب تیار کیا تھا اور اسے پہن کر کھڑکی سے ایک جھلک ڈاکٹر عارف کو دکھلانے کے بعد فرار ہو گئی تھی تاکہ بعد میں ڈاکٹر عارف کو پانی گرنے کی آواز کے بارے میں کوئی شک نہ ہو اور وہ اسے اپنی قوت متخیلہ کا ایک کرشمہ سمجھے۔

یہ ڈاکٹر عارف بھی عجیب آدمی ہے۔ میں نے اسے اپنی محبت کے جال میں پھنسانے کی بہت کوشش کی لیکن ناکام رہی۔ کمبخت کسی ایسی لڑکی سے محبت کرتا ہے جس کے بارے میں اسے شک ہے کہ وہ کسی دوسرے سے عشق کرتی ہے۔ لیکن

لیکن اسکے باوجود میری خوش بختی ہوا کہتا تھا کہ میں کسی فلم کی ہیروئین جیسے ڈائلاگ بولتی ہوئی معلوم ہوتی ہوں۔ اُسے کیا معلوم تھا کہ میں واقعی ایکٹنگ کرتی تھی۔ لیکن اس کے باوجود میرا خیال ہے کہ اگر وہ اتوار کی رات کو جب میں نے سلمیٰ کو قتل کیا تھا مجھے پکڑ بھی لیتا تو میں اُسے بہ آسانی امداد پر راضی کر لیتی۔

"مجھے تم پر رحم آرہا ہے نسرین! لیکن میں تمہیں قتل کرنے پر مجبور ہوں کیونکہ افسوس مجھے اب تک اپنے باپ جیسا دولتمند عاشق کوئی نہیں ملا جس سے شادی کر کے میں اُسی طرح اطمینان کی زندگی بسر کرتی جیسی تم نے میرے باپ سے شادی کر کے بسر کرنی شروع کی ہے۔"

پھر وہ نسرین کے بستر کے قریب جا کر کہنے لگی ——— وہ میں بھی اُس بد بخت پروفیسر کی طرح بہت زیادہ بولنے کی عادی ہو گئی ہوں۔ جب کبھی وہ مجھ سے عشق جتاتا ہے تو باقاعدہ دو دو گھنٹے لکچر دیتا رہتا ہے . . . . . ہاں مجھے تم کو قتل کرنے سے قبل دو موم بتیاں سلگا کر رکھ لینی چاہئیں ورنہ بعد میں مصیبت ہو گی۔

وہ ڈبے میں سے دو موم بتیاں نکال لائی اور انھیں سلگا کر ٹیبل پر رکھ دیا اور پھر نسرین کو اُٹھانے کے لئے جھکی۔ نسرین بُری طرح ہاتھ پیر پھینکنے شروع کر دیئے۔

میں نے کہا ——— "نہیں نسرین! اس سے کچھ فائدہ نہیں ——— "

"فائدہ کیوں نہیں ——— ؟" نسرین نے کہا اور مسٹر سلطان کے قریب کھڑے ہوئے پروفیسر اور ڈاکٹر حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر مسٹر سلطان کو دیکھنے لگے۔ نسرین کہہ رہی تھی ——— "اتفاق سے میرے منہ کی پٹی ڈھیلی ہو گئی ہے تو میں تمہیں یہ

کیوں نہ بتلا دوں کہ تم میرا بال بھی بیکا نہیں کر سکتیں صبیحہ۔۔۔۔۔۔ ! ۔۔۔ سر سلطان غالباً اس کمرے میں میری امداد کو موجود ہیں۔ البتہ مجھے اُن سے یہ شکایت ضرور رہے گی کہ انھوں نے مجھ سے یہ نہیں بتلایا تھا کہ تم میرے ساتھ اس قسم کا رویّہ اختیار کرو گی ۔۔۔"

"ہاں دوستوں ! اب چلو۔۔۔۔۔۔" سر سلطان نے غیر متوقع طور پر کہا اور دروازے کو دھکا دے کر پردہ ایک طرف ہٹاتا ہوا کمرے میں داخل ہوا !

۲۰

"دشمن !" سر سلطان صدیقی نے اپنی چائے کی پیالی میں شکر ملاتے ہوئے کہا۔

"میں تمہیں پورا قصّہ سنائے دیتا ہوں۔ پہلے اِس وجہ سے تمہیں نہیں بتلا سکا کہ تم اپنے طرزِ عمل سے یا گفتگو سے صبیحہ کو ضرور بتلا دیتے کہ ہم لوگ اُس پر شک کرتے ہیں ہاں برخوردار ! یہ حقیقت ہے۔ تم بڑی جلدی جذبات کی رو میں بہہ جاتے ہو جو کہ ایک کامیاب جاسوس کو زیب نہیں دیتا۔۔۔۔ بہر حال سنو۔۔۔ یہ بڑی سیدھی سی کہانی ہے۔۔۔"

"ساتھ ہی ساتھ آپ طریقۂ قتل پر بھی روشنی ڈالیئے گا۔۔۔" ڈاکٹر فارد نے کہا۔

"بے شک تمہارے ہر سوال کا جواب ملے گا۔۔۔" سر سلطان نے جواب دیا۔

صبیحہ کی گرفتاری کے دوسرے دن وہ لوگ اس وقت بمبئی میں سرسلطان صدیقی کے بنگلے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ لوگ سب سے آخری کمرے میں تھے تاکہ انہیں بجنے والی ٹیلیفون کی گھنٹی کی آواز سے ان لوگوں کی گفتگو میں کوئی خلل نہ پڑے۔ جو آج صبح سے لگاتار بج رہی تھی۔ اور سرسلطان لوگوں کو جواب دیتے دیتے تنگ آگیا تھا——

"ہاں تو——" سرسلطان بولا —" یہ بہت معمولی سی کہانی ہے۔ جس کا مرکزی خیال معلوم ہوتے ہی سارا معمہ حل ہو جاتا ہے۔ اور مرکزی خیال وہی ہے چیف انسپکٹر! جس کے بارے میں تم "پیلی کوٹھی" میں میرا مذاق اڑا چکے ہو۔ یعنی وہ کونسا ذریعہ ہے جس کے استعمال سے مرنے کے بعد بھی انسان زندہ رہتا ہے۔ باوجود تمہارے مضحکہ اڑانے کے یہ ایک اصل حقیقت ہے۔ موت کا ایک ذریعہ واقعی ایسا ہے۔

لیکن بہتر یہ ہے کہ وہ طریقہ تم لوگوں کو سمجھانے کے بجائے میں پوری کہانی تم لوگوں کو سنا دوں، جس سے وہ ذریعہ بھی خودبخود تم لوگ جان جاؤ گے——

کہانی کا آغاز پروفیسر خطیب کی اس پیشین گوئی سے ہوتا ہے جس میں اس نے خیال ظاہر کیا تھا کہ سلیم اختر آٹھ بجے سے قبل مر جائے گا۔ خطیب کی بات سن کر سب سننے والوں کے اعصاب بری طرح متاثر ہو گئے تھے۔ وہ لوگ اس طرح گھبرائے ہوئے تھے۔ کہ بقول صبیحہ سلیم کا مرنا یقینی تھا۔

اب تم لوگ فرض کرو کہ جمعہ کی شام کو پیلی کوٹھی میں فوارے کے قریب بیٹھے ہوئے گفتگو کر رہے ہو... مرنے والے دونوں میاں بیوی بھی زندہ ہیں۔

اور تمام واقعات دوبارہ پیش آنے والے ہیں۔ پروفیسر خطیب کہانی کا آغاز یہ کہہ کر کرتا ہے کہ سلیم اختر آٹھ بجے رات سے قبل مر جائے گا۔ لیکن ذرا سوچو پروفیسر خطیب نے کہا کیا تھا — ؟ اس نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ وہ خود سلیم کو قتل کرے گا نہیں — وہ ان لوگوں کے جذبات اور ان کے بارے میں پہلے سے حاصل کردہ معلومات سے نتائج اخذ کرکے ان کے دلوں کی بات بتلا سکا تھا۔ صبح نے اس سے پوچھا بھی تھا کہ کیا کسی کے دل میں سلیم اختر کو قتل کر دینے کا خیال پیدا ہوا ہے اور خطیب نے کہا تھا شاید۔

اب تم میں سے ہر شخص اپنی اپنی فطرت کے مطابق ایک دوسرے کے بارے میں سوچنے لگے۔ تم میں سے کسی کے دل میں یہ شک پیدا نہیں ہوا کہ پروفیسر خطیب سلیم اختر کو قتل کرے گا۔ یہ شک تو دوسرے دن اس کے اعلان کے بعد لوگوں کے دل میں پیدا ہوا تھا کہ خطیب نے ہی سلیم کو قتل کیا ہوگا۔ اس وقت تو تم لوگ صرف یہ سوچ رہے تھے کہ کسی کے دل میں سلیم کو قتل کرنے کا خیال آتا ہے اور خطیب نے اس کو معلوم کرکے سلیم اختر کو مطلع کر دیا ہے — کیوں عارف ٹھیک ہے نا —؟"

جی ہاں۔ آپ درست کہتے ہیں —" ڈاکٹر عارف نے، جس کے ذہن میں تمام گزرے ہوئے واقعات کسی چلتی ہوئی فلم کی طرح یکے بعد دیگرے گزر رہے تھے تسلیم کیا۔

اور اب اس کا اثر کیا ہوتا ہے — ؟ سلیم اختر کا ذہن فوراً یہ خیال کرتا ہے کہ کہیں اس کی بیوی تو اسے قتل کرنا نہیں چاہتی کیونکہ وہ اس وقت اور اس سے

قتل بھی عام لوگوں کے درمیان سلمیٰ کی توہین کر دینے کا عادی تھا۔ بہرحال اس نے اپنا شک ظاہر کر دیا۔ یقیناً اس وقت اس میں پھسپھسی صدی مذاق کا عنصر شامل تھا بلکہ وہ اس سلسلے میں مذاق کے طور پر اشارتاً یہ بھی کہتا ہے کہ وہ اپنی ناول کے کسی کردار کی طرح اسے بھی قتل کر سکتی ہے۔ یہ ایک قسم کا اشارہ تھا جسے سلمیٰ سمجھ گئی کیونکہ اس قسم کا ایک پلاٹ اس نے اپنی یادداشت کی نوٹ بک میں لکھ رکھا تھا۔

اس وقت تک سلمیٰ سلیم پروفیسر خطیب کی کرامات کی بڑی حد تک معتقد تھی اسے یہ شک ہو گیا تھا کہ ہو سکتا ہے سلیم آٹھ بجے رات سے قبل واقعی مر جائے لیکن اب اس کے شوہر نے اپنے آدمیوں کی موجودگی میں اس پر شک ظاہر کر کے اسے بھی مشکل میں ڈال دیا تھا۔ یہاں اس بات کو میں صاف کر دینا چاہتا ہوں کہ سلیم کی تمام خامیوں کے باوجود سلمیٰ اس سے از حد محبت کرتی تھی ۔۔۔ بہرحال اب اسے خوف ہوا کہ اگر کسی دوسرے نے بھی سلیم اختر کو قتل کیا تو شک میں پھانسی سلمیٰ ہی کو دی جائے گی۔

"اور پروفیسر خطیب ۔۔۔ ؟ دراصل وہی اس کیس کا ذمہ دار ہے اس کی شخصیت جس کے گرد اس نے پراسرار طاقتوں کا مالک ہونے کا جالا لپیٹ رکھا تھا بہت مرعوب کن تھی۔ وہ کسی شخص کے سامنے یہ کہہ کر کہ وہ دل کی بات جان لینے کی قوت رکھتا ہے، اسے برے برے خیالات سوچنے پر مجبور کر سکتا ہے۔ یہ ہر شخص کر سکتا ہے لیکن پروفیسر خطیب نے کیا ۔۔۔ اس نے بھتیجی طلعت پروین کے بارے میں رضیہ کو اپنی سوتیلی ماں کے بارے میں بڑی باتیں سوچنے پر مجبور کیا۔ اس نے سلیم اختر کو اپنی معصوم بیوی سلمیٰ سے تقریباً خوفزدہ کر دیا۔

کہ بہت ممکن ہے وہ اُسے قتل کر ڈالے۔ اور سلمیٰ اپنے بڑھے ہوئے اعتقاد کی بناء پر، جو اُسے خطیب کی ذات سے تھا، یہ سوچنے پر مجبور ہو گئی کہ کہیں سچ مچ وہ اپنے شوہر کی قائل نہ ثابت ہو ـــــ اور اس قسم کے جذباتی طوفان کا نتیجہ کچھ نہ کچھ ہونا لازمی تھا۔

ساڑھے سات بجے دونوں میاں بیوی تبدیل لباس کی غرض سے اپنے کمرے میں جاتے ہیں۔ سلمیٰ اپنے دل میں خوفزدہ ہے اور سلیم اپنے دل میں مشکوک۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا اپنے کمرے میں پہنچتے ہی سلیم غسل کرنے لگا تھا۔ سلمیٰ نے اپنے بیان میں بتلایا کہ جب پونے آٹھ بجے ڈاکٹر عارف کے کمرے میں چینی لیمپ ٹوٹنے کی آواز ہوئی تھی تو سلیم غسل کر چکا تھا اور وہ اُس کے جوتوں کے بند باندھ رہی تھی۔ لیکن ہم ثابت کر چکے ہیں کہ وہ جھوٹ بول رہی تھی۔ اُس وقت ایم فیروز اور عارف نے سلیم کو گاؤن اور سلیپر پہنے ہوئے دیکھا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اُس نے پونے آٹھ بجے تک غسل نہیں کیا تھا بلکہ کمرے میں بیچ کر سلمیٰ کو ڈانٹا پھٹکارتا رہا تھا اور اس کے نتیجے میں سلمیٰ اور زیادہ سہم گئی تھی۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سلیم اختر نے پونے آٹھ بجے کے بعد غسل کیا۔ "ساتھ ہی ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ملیریا کا شکار ہونے کے بعد سلیم اکثر سردی محسوس کیا کرتا تھا اور مکان کی اکثر کھڑکیاں بند رکھتا تھا تاکہ سرد ہوا اندر نہ داخل ہو۔ اور ساڑھے سات بجے کے بعد عام طور پر ٹھنڈی ہوا چلا کرتی ہے۔ اس کے علاوہ وہ غسل خانے میں جا رہا تھا جہاں عام طور پر اور زیادہ "خنکی" ہوتی ہے۔"

سر سلطان نے عارف کی طرف دیکھ کر اپنی تقریر جاری رکھی ـــــ "تم یہ دانا دیکھ چکے ہو کہ اُس غسل خانے میں ایک الکٹرک ہیٹر ELECTRIC HEATER رکھا رہتا تھا جو یقیناً اُس شخص کے غسل خانہ میں موجود ہونا چاہئے جسے عام طور پر سردی

کی شکایت ہو۔ پھر بتلاؤ کہ وہ ہیٹر' جمعہ کی رات کو سلیم کے غسل خانے میں کیوں نہیں تھا۔۔۔ جب تم اُس کی موت کے بعد غسل خانے میں خواب آور دوائی گولیاں نکالنے کے لئے گئے تھے تو تمہیں وہ الکٹرک ہیٹر کیوں نہیں دکھلائی دیا۔۔۔؟

ڈاکٹر عارف کو اُس وقت کا خیال آیا جب کہ وہ سلیم کی موت کے فوراً بعد سلمیٰ کو لے کر اُس کی خوابگاہ میں گیا تھا اور اُسے سُلانے کے لئے نیند لانے والی گولیوں کی تلاش میں ملحقہ غسل خانے میں گیا تھا۔ اُس نے غسل خانے کی ہر چیز کو غور سے دیکھا تھا لیکن اُسے اُس وقت وہ ہیٹر غسل خانے میں نظر نہیں آیا تھا، جو بعد ازاں اُس غسل خانے میں رکھا ہوا دکھلائی دیا۔

"جی ہاں۔۔۔" عارف نے تمام واقعہ ذہن میں دُہرا کر سر سلطان سے کہا۔۔۔ "غسل خانے میں اُس وقت مجھے ہیٹر' نہیں دکھلائی دیا تھا اور اُس وقت تک وہاں نمی بھی تھی۔"

"ٹھیک ہے۔۔۔" سر سلطان نے مسکرا کر کہا۔۔۔ "اُس وقت تک غسل خانے کے گیلے ہونے کا باعث یہی تھا کہ تھوڑی منٹ قبل سلیم اختر نے وہاں غسل کیا تھا۔ چند ہی منٹ قبل، یعنی تمہارے کمرے سے واپس آکر سلیم اختر غسل کرنے کی غرض سے وہاں گیا نہاتے ہوئے اُس نے سردی کو صلواتیں سنانے کے بعد، اپنی بیوی کو، جیسا کہ ہمیں معلوم ہے کہ وہ شہنشاہوں کی طرح اُس پر حکم چلانے کا عادی تھا، حکم دیا ہوگا کہ وہ ہیٹر' کو ٹب کے اور قریب سرکا دے۔ اور سلمیٰ، جو قبل ازیں گذرے ہوئے واقعات کی بنا پر اس حد تک بھی ہوئی تھی کہ ایک گلاس بھی نہ اُٹھا سکے، ہیٹر کو کانپتے ہوئے ہاتھوں سے ٹب کے قریب رکھنے کی کوشش کرتی ہے۔ گھبراہٹ میں ہیٹر اُس ٹب کے اندر گر جاتا ہے جس میں سلیم اختر غسل کر رہا ہے۔ اور پھر نتیجے کے طور پر سلیم اختر

کی موت واقع ہو جاتی ہے۔۔۔!"

سرسلطان نے سگریٹ کیس سے ایک سگریٹ نکال کر سلگایا اور ایک طویل کش لے کر بولا ـــــ "تم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ یہاں ہیٹر میں بی۔ ای۔ ایس۔ اے کی جانب سے ایک زمانے میں غسل خانوں میں ہیٹر رکھنے پر پابندی عائد کر دی گئی تھی۔ اُس کی وجہ یہی تھی کہ اِس قسم کے حادثوں سے تحفظ ما تقدم ہو۔ بلکہ اب بھی غسل خانوں میں بجلی کا کوئی سوئچ لگانے میں احتیاط برتی جاتی ہے۔ اور پھر ایک الکٹرک ہیٹر کو اس طرح نہانے کے ٹب کے بالکل قریب رکھنا تو ایک طرح سے خودکشی کرنے کے مترادف ہے۔

"پانی کے بارے میں بھی جانتے ہیں کہ بجلی کا اچھا کنڈکٹر ہے یعنی اس میں سے بجلی بڑی آسانی اور تیزی سے گذر سکتی ہے۔ اب اگر پانی سے بھرے ہوئے ایک ٹب میں ہیٹر گر پڑتا ہے تو اُس میں بڑی تیزی سے بجلی دوڑ جاتی ہے اور اُس کا ایک چھوٹا سا سرکٹ بن جاتا ہے۔ اور اُس میں نہاتے ہوئے آدمی کو جو ویسے ہی شانوں تک پانی میں ڈوبا ہوتا ہے، ختم کر دیتی ہے۔ اِس طرح مرنے والے کے جسم پر کسی قسم کے جلنے کا نشان بھی نہیں پایا جاتا کیوں کہ بجلی پانی میں ہر طرف پھیلی ہوتی ہے جسم پر چاروں طرف سے اثر انداز ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں مرنے والے کی آنکھ کی پتلیاں البتہ کچھ پھیل جاتی ہیں۔ اِس قسم کے دو کیس ابھی تین سال قبل کراچی میں ہو چکے ہیں اور سلمیٰ کی یادداشت کی نوٹ بک "قتل کے نئے طریقے" میں اُن خبروں کا تراشہ بھی موجود تھا۔ ۲۲۰ وولٹ کی بجلی سے اس قسم کی موتیں بڑی آسانی سے واقع ہو جاتی ہیں۔

"اس طرح سلمیٰ کی غلطی سے یا سلیم اختر کی اپنی غلطی سے سلیم کی موت واقع ہوئی۔ اور سلمیٰ اپنے مردہ شوہر کے ساتھ تاریک غسل خانے میں تنہا رہ گئی ۔۔۔ نہیں سچ پوچھو

نیاز، میں تمہارے سارے شکوک کا ازالہ کردوں گا ـــــ ہاں تو میں کہہ رہا تھا آٹھ بجنے سے چند منٹ قبل سلمیٰ غسل خانے میں، جہاں ہیٹر کے پانی میں گرنے کیوجہ سے اُس کے شوہر کی موت واقع ہوگئی تھی اور فیوز بھی اُڑ گیا تھا، مردہ شوہر کے ساتھ تاریکی میں اکیلی رہ گئی لیکن چونکہ "بیلی کوٹھی" دو دو تین تین کمروں میں الگ الگ تقسیم ہوئے ہیں اس لئے صرف سلمیٰ اور سلیم کے کمروں اور غسل خانے کے علاوہ مکان کی اور دوسری جگہوں پر برقی بتیاں بدستور روشن رہیں۔

"اُس کے شوہر کے کمرے میں شمعدانوں میں دو موم بتیاں لگی ہوئی تھیں۔ وہ اُنہیں روشن کرکے اُٹھا لائی لیکن اِس دوران میں چونکہ فرطِ خوف و دہشت سے اُس کا ہاتھ کانپ رہا تھا اِس لئے پگھلے ہوئے موم کی بوندیں کچھ اُس کی گزرگاہ پر اور کچھ سلیم کے کمرے کے فرش پر ٹپک گئیں۔ تمہیں یاد ہوگا عارف کہ اُس دن سلیم کے کمرے میں اور غسل خانے کے دروازے کے پاس موم کی بوندیں پڑی ہوئی تھیں اور غسل خانے کے پاس والی موم کی بوند کو چھپانے کے لئے سلمیٰ اُس کے پاس کھڑی تھی تاکہ ہم لوگوں کی توجہ اُس جانب مبذول نہ ہوسکے ـــــ بہر حال ـــــ

"اب سلمیٰ کے دماغ میں تھوڑی دیر قبل گذری ہوئی خلیب اور سلیم اختر کی درمیان ہونے والی گفتگو کا خیال آیا۔ اِس صورت میں کوئی سلیم کی موت کو محض ایک سانحہ ماننے پر تیار نہ ہوگا۔ عدالت اُسے مجرم سمجھے گی اور پھر اُسے پھانسی کی سزا ملنی یقینی ہے۔ اور پھر اُس جگہ اپنے مردہ شوہر کے پاس کھڑے کھڑے شیطان اُسے ورغلاتا ہے۔ وہ سوچتی ہے کیا یہ ممکن نہیں کہ کسی طرح یہ ظاہر کیا جائے کہ سلیم کی موت سے اُس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ شیطان اُسے ترکیب بتلاتا ہے اور اُس کے دماغ میں خیال آتا ہے

کہ یہ اُس حالت میں ممکن ہو سکتا ہے کہ سلیم کی لاش کو وہاں سے ہٹا کر باہر کہیں رکھ دیا جائے اور غسل خانے سے اس حادثے کے تمام نشانات مٹا دیئے جائیں۔

"بعد کی باتیں بہت آسان تھیں۔ اِس سے قبل وہ اپنی ایک ناول میں دکھلا چکی تھی کہ کس طرح ایک آدمی قتل کسی اور جگہ کیا جاتا ہے اور لاش کہیں اور پائی جاتی ہے اور لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ مقتول وہیں مارا گیا ہے۔ اُس وقت ناول لکھتے ہوئے اُس نے محض تصور سے کام لیا ہوگا لیکن سلیم کی حادثے کے وقت اُس نے اُسی لائن پر کام کیا۔ فیوز بکس اُس کی خوابگاہ کے دروازے پر تھا۔ لہذا فیوز آسانی سے درست کر دیا گیا۔ موم بتیاں گل کر کے اپنے مقام پر رکھ دی گئیں۔ لیکن اِس کے بعد کا کام بڑا ہولناک تھا۔ اُسے اپنے مردہ شوہر کو کپڑے یعنی ڈنر سوٹ میں ملبوس کرنا تھا۔ ایک تنہا عورت کے لئے یہ بہت وحشتناک بات ہے لیکن محض پھانسی سے بچنے کے لئے اُسے یہ سب کچھ کرنا پڑا۔ بعد میں اُس کی لاش کو اُٹھا کر لے جانا زیادہ مشکل نہیں تھا۔ سلمیٰ اتنی کمزور قویٰ کی عورت بھی نہ تھی اور سلیم بھی دہرے بدن کا آدمی نہ تھا۔ عام طور پر شرابخانوں میں تانگ بدن عورتوں کو توندیل شرابیوں کا وزن سنبھالتے اور سہارا دیتے ہوئے دیکھا جاتا ہے۔ بقیہ کام انجام دینے کے لئے اُس کے پاس تقریباً دس منٹ کا وقت تھا۔ لاش کو مکمل ڈنر سوٹ میں ملبوس کرنے کے بعد وہ اُسے اُٹھا کر یا کھینچ کر کمرے سے باہر زینے تک لائی اور اُسے ریلنگ کے سہارے سے کھڑا کر دیا۔

"اِس کے بعد ہی مکان میں موجود دوسرے لوگوں نے اُسے اِس طرح چیختے ہوئے سنا جیسے وہ پاگل ہو گئی ہو۔ اور جب عارف نے کمرے سے نکل کر دیکھا تو وہ وحشت کے عالم سے اپنے کمرے کے دروازے پر کھڑی ہوئی چیخ رہی تھی۔ اُس وقت وہ ایکٹنگ

نہیں کروی تھی بلکہ واقعی اُس کی حالت پاگلوں سے بدتر تھی اور اُس پر عظیم خوف اور دہشت طاری تھی۔ کیوں ـــــ؟

"کیوں کہ جب اپنے کرے میں داخل ہونے سے قبل اُس نے پلٹ کر اپنے مردہ شوہر کی طرف دیکھا تو اُس کی لاش حرکت کر رہی تھی!

"عارف! تم بھی یاد کر کے دیکھ لو۔ کسی گواہ نے سلیم اختر کو سیدھے کھڑے ہوئے نہیں دیکھا۔ وہ زینے کے ریلنگ پر لٹکا ہوا تھا۔ تم سلمیٰ کے چیخنے کی آواز سن کر فوراً کمرے سے باہر نکل آئے تھے۔ کیا تم نے بھی سلیم کو ناچنے کی سی حرکات کرتے ہوئے دیکھا تھا ـــ؟ جب کہ سلمیٰ نے محض اپنے بچاؤ کے لئے بیان دیا تھا۔ ــ تم نے محض سلیم اختر کو ریلنگ پر جھکے ہوئے اور ہاتھ اُٹھا کر مٹھی کھولتے اور بند کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ اور کیا یہ علامات ایک خاص بات کی طرف اشارہ نہیں کرتیں ـــ؟"

سر سلطان نے چیف انسپکٹر سے مخاطب ہو کر کہا ـــ

"نیاز! شاید تمہاری سمجھ میں نہیں آیا ہوگا۔ ڈاکٹر عارف تمہیں بتلائیں گے کہ بعض حالات میں کسی شخص کی موت کے بعد اور دل کی حرکت بند ہونے کے باوجود بھی چند منٹ بعد لاش میں حرکت پیدا ہوتی ہے اور زندگی کی علامات نظر آتی ہیں یعنی اُس وقت جب کسی شخص کی موت بجلی کا جھٹکا لگنے سے واقع ہو؎۱ یعنی اگر کسی شخص کی

؎۱ اس مقام پر بھی قاری کے ذوقِ تجسس کی تسکین کے لئے محض ایک فرضی حقیقت نہیں گڑھ لیا گیا بلکہ اس بات کی تصدیق کے لئے "ٹیلرس پرنسپلس اینڈ پریکٹس آف میڈیکل جیورسپروڈنس آن الکٹریسٹی" (جلد نمبر ۱ صفحہ ۵۶۰ تا ۵۷۳) دیکھی جا سکتی ہے جس میں ایسی موتوں کا تفصیل سے تذکرہ کیا گیا ہے۔ مظفر حنفی مسوی

موت محض بجلی کے ایک جھٹکے سے واقع ہو جائے تو بدن پر مالش کرنے اور مصنوعی سانس پہنچانے سے اُس کے جسم میں زندگی کی علامات پائی جا سکتی ہیں۔ خیال رہے چیف انسپکٹر صاحب میرے کہنے کا مطلب ہے کہ محض زندگی کی علامات پائی جا سکتی ہیں، یہ نہیں کہ مردے کا دل دوبارہ اپنا کام کرنے لگے گا۔ صرف ویسی حرکت چند منٹ بعد مردے کے جسم میں ہونے لگے گی جیسی کہ عارف نے اور سلمیٰ نے سلیم اختر کے مردہ بدن میں دیکھی تھی کیونکہ نادانستگی میں سلیم اختر کو ڈنر سوٹ پہناتے ہوئے سلمیٰ نے اُس کے بدن سے پانی وغیرہ پونچھ کر ایک طرح سے مالش کی تھی۔ علاوہ ازیں جب زینے سے لاش کے نیچے گر جانے پر عارف اُس کے قریب پہنچا تھا تو وہ لاش کے جبڑوں کی محض ہیجان حرکت تھی جسے عارف نے سلیم اختر کی آخری ہچکیاں سمجھا تھا۔ اور اُس وقت عارف کے لئے شک کرنے کا کوئی موقع بھی نہ تھا کیونکہ سلیم اختر کی لاش ہر قسم کے بجلی کے آلات سے پرے تھی اور ذہن میں اِس قسم کا خیال بھی پیدا ہونا ناممکن تھا کہ وہ بجلی کے جھٹکے سے مرا ہے اِس طرح سلیم کی موت اور اُس کی موت کے وقت کے بارے میں بالکل غلط خیال قائم کیا گیا۔ کیونکہ بہر حال عارف کوئی جاسوس نہیں محض ایک ڈاکٹر ہیں۔ خیر ـــــ تو اِس طرح سلمیٰ کے بارے میں کسی قسم کا شک کرنے کی گنجائش ہی نہ رہ گئی تھی۔"

"جی ہاں ـــــ آپ کا خیال درست ہے ـــــ" عارف نے سر سلطان سے کہا "جب میں لاش کے پاس سے ہٹا کر سلمیٰ کو اُس کی خوابگاہ میں لے گیا تھا وہ گھبراہٹ میں کہہ رہی تھی ـــــ نہیں، اُن کی موت نہیں ہوئی۔ وہ مرے نہیں ہیں، میں نے دیکھا تھا ـــــ آپ ایک ڈاکٹر ہیں۔ آپ کو تو معلوم ہو گا۔ کیا وہ واقعی مر چکے ہیں ـــــ؟ ـــــ اِس سے آپ کے خیال کی تصدیق ہوتی ہے سر سلطان!

"شکریہ ——— اور اِس کے بعد جب پروفیسر خطیب کو معلوم ہوتا ہے کہ سلیم اختر کی موت اُس کے تیار کردہ زہریلے کھانے کے بغیر ہی واقع ہوگئی ہے تو وہ اُس کا ضعیف الاعتقاد دماغ یہی سمجھتا ہے کہ واقعی یہ اُس کی 'قوت ارادی' کا معجزہ ہے۔ زہر آلود کھانا پھینک کر وہ بڑے اطمینان سے یہ اعلان کرتا ہے کہ اُس نے سلیم کو اپنے خیالات کی ضرب پہنچا کر قتل کیا ہے۔ اُسے رتن پور کے نامی بیرسٹر ایم فیروز نے بھی اطمینان دلا دیا تھا کہ اگر خیالات کی ضرب پہنچا کر قتل کرنا واقعی کسی طرح ممکن ہے تو قانون ایسے قاتل کو کوئی سزا نہیں دے سکتا۔ لہٰذا وہ اپنے قاتل ہونے کا یہ بانگ دہل اعلان کرتا ہے اور سلمیٰ کی طرف کسی کا خیال بھی منعطف نہیں ہوتا۔

"یہی وجہ ہے کہ خطیب کے اِس اعلان کے فوراً بعد ہی سلمیٰ کا سارا اعتقاد اُس پر سے ہٹ جاتا ہے اور وہ فوراً اُسے دغاباز اور مکار کہنے لگتی ہے کیونکہ اُسے معلوم تھا کہ خطیب نے سلیم کو نہیں قتل کیا بلکہ وہ خود سلمیٰ کی غلطی سے موت کا شکار ہوا ہے۔ علاوہ ازیں وہ ایک نا جلسٹ تھی اور شہرت کی طلبگار تھی۔ خطیب کے دعووں کو لوگوں پر جھوٹا ثابت کر کے وہ بڑی آسانی سے عالمگیر شہرت حاصل کر سکتی تھی۔ اُسے معلوم تھا کہ خطیب کے پاس کوئی ایسی طاقت نہیں جس سے خیالات کی ضرب پہنچا کر وہ کسی کو قتل کر سکے۔ اپنے شوہر کی موت کا اصل سبب وہ بتلا نہیں سکتی تھی۔ لہٰذا اُس نے خطیب کو جھوٹا ثابت کرنے کی ایک نئی ترکیب سوچ نکالی اور یہ آسے چیلنج دیا کہ وہ سلمیٰ کو قتل کر دے۔

"یہاں ہم سلمیٰ کو الگ ہٹائے دیتے ہیں۔ وہ قاتل نہیں تھی۔ خاصی شریف عورت تھی اور اُس نے جو کچھ کیا اپنی حفاظت کے لئے کیا۔ اُس نے غائب لاش کو غسلخانے

سے نکال لینے سے قبل الکٹرک ہیٹر کو کہیں چھپا دیا تھا۔ تاکہ کبھی کو شک نہ ہو اسکے بعد اس نے نوٹ بک سے مخصوص تراشہ نکالکر جلادیا اور نوٹ بک کو فیوز بکس میں چھپا دیا کہ اس پر شک نہ کیا جا سکے۔ یہاں سے سلمیٰ کا پارٹ اِس ناٹک میں ختم ہوتا ہے۔

"اب ہم اس کیس کے اصل قاتل یعنی صبیحہ کے بارے میں غور کریں گے جس نے سلمیٰ کو قتل کیا اور بعد میں اپنی سوتیلی ماں نسرین کو قتل کرنے کی کوشش کی تاکہ اُس کی موت کے بعد اپنے باپ کی جائداد حاصل کر سکے۔"

عارف اور چیف انسپکٹر نیاز جعفری دم بخود ہو کر سر سلطان کا بیان سن رہے تھے۔ سر سلطان نے اپنا چشمہ اتار کر صاف کیا اور پھر ناک پر جما کر عارف کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے دوبارہ اپنی تقریر شروع کی ــ "میں شروع ہی سے اُس سے نفرت کرتا تھا۔ اُس کا باپ بھی کچھ اچھا آدمی نہیں تھا۔ لیکن عارف! میں نے پہلے تم سے اِس لئے نہیں بتایا کہ تم ایک معصوم لڑکی پر بیجا شک کرنے کے لئے مجھے ملعون کرتے اور میں اپنی بات کا کوئی معقول ثبوت تمہیں نہ دے سکتا۔ بے شک تم اُس سے محبت نہیں کرتے تھے لیکن تمہیں اُس سے ہمدردی ضرور تھی۔ حالانکہ صبیحہ نے تمہیں اپنی محبت کے جال میں پھانسنے کی کوشش ضرور کی تھی کیونکہ تم کسی وقت اُس کے لئے مفید ثابت ہو سکتے تھے۔ مجھے خوشی ہے کہ تم ایک ایسی لڑکی کے عشق کے چکر میں نہیں پڑے جو آج پھانسی کے تختے پر چڑھنے جا رہی ہے۔"

عارف کے چہرے پر عجیب سی مایوس اور پھیکی مسکراہٹ دوڑ گئی۔ سر سلطان نے بھی اُسے محسوس کر لیا اور بولا۔

"افسوس کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے عارف! وہ اسی کی مستحق تھی۔ اور پھر

تم کو صلاح دوں گا کہ جون میں طلعت پروین کی ایران سے واپسی پتے اُس سے صبیحہ کے بارے میں کوئی تذکرہ بھی نہ کرنا ۔۔۔ اور تم پھر صبیحہ کے منہ سے اُس وقت خود اپنے کانوں سے سن چکے ہو، جب کل رات اُسے گرفتار کیا گیا تھا، کہ وہ تم کو محض بے وقوف بنا رہی تھی۔ اُس نے پروفیسر خطیب کو بھی بے وقوف بنایا تھا۔ وہ اُس کی ذہنی کیفیت سے اچھی طرح واقف ہو چکی تھی لہٰذا اپنی اسکیم کو کامیاب بنانے کے لئے اُس نے اُس کے کاندھے پر بندوق رکھ کر اپنی سوتیلی ماں کو قتل کرنے کا پلان بنایا۔ اُس کے ضعیف الاعتقاد سے فائدہ اُٹھا کر صبیحہ نے خطیب کو یہ باور کرایا کہ یہ وہی تھا جس کی پراسرار دماغی طاقت اور "قوت ارادی" سے سلیم اختر کی موت واقع ہوئی ہے۔ خطیب نے اِسے سچ تسلیم کر کے خود کے سلیم اختر کا قاتل ہونے کا دعویٰ کرنا شروع کر دیا۔

"اور پھر بدقسمتی یا خوش قسمتی سے تم لوگوں نے مجھے اِس معاملے میں اُلجھا دیا۔ میں برجیس نگر اِس لئے گیا تھا کہ وہاں ایک دن تفریح میں بسر کروں کیونکہ مرکزی حکومت مجھے مرکزی انٹیلیجنس کا چیف مقرر کرنے پر اصرار کر رہی تھی۔ اور وہاں اِس جھنجھٹ میں جا پھنسا۔ اور تم لوگ مجھے بتلاتے ہو کہ اب ایک شخص ایسا بھی پیدا ہو گیا ہے جو اپنی قوت ارادی سے دوسروں کو قتل کر سکتا ہے۔ شیلی سلیم اپنی آنکھوں میں آنسو بھر کر مجھ سے التجا کرتی ہے کہ میں پروفیسر خطیب کی اصلیت معلوم کروں اور ساتھ ہی ساتھ وہ مجھ کو واقعات بتلاتے ہوئے غلط راستے پر ڈالنے کیلئے جھوٹ کا طومار باندھ دیا۔

"پھر بتلاؤ ۔۔۔ میں کیا نظریہ قائم کرتا ۔۔۔؟ مجھے چیف انسپکٹر نیازی کے اِس خیال سے متفق ہونا پڑا کہ اگر سلیم اختر کو قتل کیا گیا ہے تو پھر شیلی ہی اُس کی قاتل ہے۔ اسی لئے میں نے "بیبی کوٹھی" سے رخصت ہوتے ہوئے اتنے یقین کے ساتھ تم سے

کہا تھا کہ سلمیٰ اتنی ہی محفوظ ہے جتنی کہ ریزرو بینک میں رکھی ہوئی کوئی چیز۔۔۔

"لیکن اُس کے باوجود بھی مجھے پروفیسر خطیب کی جانب سے پریشانی تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اگر سلمیٰ نے اپنے شوہر کو قتل کیا ہے تو ایسے کون سے طریقے سے قتل کیا ہے کہ اُس کی موت کا سبب سمجھ میں نہیں آتا؛ بس اتنا میری سمجھ میں آیا تھا اس سلسلے میں غسل خانے کا تعلق کہیں ضرور ہے۔ سارے سراغ غسل خانے سے متعلق تھے۔ موم کی بوندیں اُس کے دروازے پر دیکھی گئیں یعنی اتنا معلوم ہوا کہ اپنے شوہر کے غسل کرتے وقت سلمیٰ موم بتیاں روشن کرکے وہاں گئی تھی۔ عادت نے اپنے بیان میں بتلایا کہ جب وہ سلیم کی موت کے بعد سلمیٰ کو کمرے میں چھوڑنے کے بعد غسل خانے تک گیا تھا تو وہاں الیکٹرک ہیٹر نہیں تھا، لیکن جب میں اتوار کی سہ پہر کو وہاں گیا تو مجھے غسل خانے میں ایک بڑا سا الکٹرک ہیٹر رکھا ہوا نظر آیا اور یہ سمجھ میں آنے والی بات بھی نہ تھی کہ ایک شخص، جیسا کہ سلیم تھا، اتنی سردی محسوس کرتا ہو اور اپنے غسل خانے میں ہیٹر نہ رکھے۔ جہاں کہ سردی زیادہ محسوس ہوتی ہے۔

"میرے پریشانی کی انتہا نہ تھی۔ ایک ذمہ دار ڈاکٹر قسم کھا کر بیان کر رہا ہے کہ سلیم اُس کے سامنے ہارٹ فیل ہو کر مرا ہے اور میرا دماغ دوسری سمتوں میں بھٹک رہا تھا۔ اُس دن اتوار کو رات میں اپنے مکان پر آکر میں بڑی دیر تک سوچتا رہا۔ بار بار یہ خیال آتا تھا کہ ان موم بتیوں کا راز کیا ہے۔ اور پھر اچانک سوچتے سوچتے ہی میرے ذہن میں خیال پیدا ہوا کہ شاید موم بتیاں روشن کرکے غسل خانے میں اس لئے لے جائی گئیں کہ وہاں بجلی کا فیوز اُڑ جانے کی وجہ سے اندھیرا ہوگیا تھا۔ اور فیوز اُڑ جانے کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ سلیم کے نہانے کے ٹب میں الکٹرک ہیٹر گر گیا ہوگا، جس کا وہاں موجود

ہونا ضروری تھا۔ صرف اسی ایک بات سے لاش کے دوبارہ متحرک ہونے کا اخلاقی تحلیلیا کے چھپے ہونے کا مسئلہ حل ہوتا تھا۔

"اس سے یہ نتیجہ نکلتا تھا کہ پروفیسر خطیب، جو خود کو قاتل کہتا پھرتا ہے، سلمٰی سلیم کے ساتھ سازش میں شریک ہے۔ خطیب 'قوت ارادی' سے قتل کرنے کا دعوٰی کر کے سلمٰی کو شک سے محفوظ رکھنا چاہتا ہے اور اس آڑ میں سلمٰی اپنا کام کر گذری ہے۔ یہ نتیجہ اخذ کر کے میں دل ہی دل میں مسرور ہوتا ہوا اطمینان سے سو گیا اور صبح اٹھتا ہوں تو ایک نیا طوفان تیار ملتا ہے۔

"معلوم ہوتا ہے کہ سلمٰی قتل ہو چکی ہے۔ اور قتل کے وقت سے کافی دیر قبل اور بعد تک پروفیسر خطیب جائے واردات سے دور چار آدمیوں کی نگرانی میں موجود تھا۔ بس اُس وقت میرے دماغ کی یہ کیفیت تھی کہ معلوم ہوتا تھا پاگل ہو جاؤں گا اس کے بعد میں مرکزی حکومت کے نمائندوں سے گفتگو میں اتنا مصروف رہا کہ منگل سے قبل مجھے سلمٰی سلیم کی موت کے بارے میں مفصل معلومات حاصل نہ کر سکا۔ لیکن مجھے تمام تفصیل منگل کو عارف کے ساتھ ہوٹل میں کھانا کھاتے ہوئے معلوم ہوئیں۔ وہیں میں نے نیاز کا بیان بھی سنا اور مجھے پھر اپنے نظریئے کی صداقت کا ثبوت ملا کیونکہ نیاز کے بیان سے معلوم ہوا کہ موم بتیاں ایک بار پھر جلائی گئی ہیں اور عارف کے بیان سے یہ پتہ چلا کہ رات کو "بینی کوٹھی" کے ایک کمرے میں بیٹھے ہوئے اُس نے پانی کے کُل کُل کر کے گرنے کی آواز سنی تھی، جو فوارے کے اُبلنے سے نہیں پیدا ہوتی تھی۔ کیونکہ وہ اُس وقت بند تھا"

"اضطراب میں کہا" عارف نے کہا "شاید وہ نہانے کے ٹب کا پانی

بھرنے کی آواز رہی ہوگی؟"

"نہیں برخوردار ——"

"جی —— ! پھر آپ کیا کہنا چاہتے ہیں ——؟"

"وہ اُس پانی کے گرنے کی آواز تھی جو ٹب سے انڈیل کر پھینکا گیا تھا ——"

سر سلطان نے مسکرا کر جواب دیا۔ "با تھ ٹب میں خاموشی سے پانی بھر لینا کوئی زیادہ مشکل کام نہیں ہے اور قاتل نے اسے بخوبی انجام دے لیا ہوگا۔ تم نیچے تھے۔ اوپر غسل خانے میں ٹب میں دھیرے دھیرے پانی بھرنے کی آواز تمہیں سنائی نہیں دے سکتی تھی۔ لیکن قاتل کے پاس اُن آوازوں کو روکنے کا کوئی چارہ نہ تھا جو کہ ٹب کا پانی انڈیلنے پر پانی کے پائپ کی راہ سے نیچے گرنے پر پیدا ہوئیں۔ ٹب کا خالی کرنا بھی اشد ضروری تھا ورنہ لوگوں کو یقیناً شک پیدا ہوتا۔ تمہیں یاد ہوگا کہ سلیم اختر کے غسل خانے سے لگا ہوا پانی نکلنے کا پائپ ڈرائنگ روم کی دیوار کی پشت پر ہے۔ اسی لئے تمہیں پانی کے گرنے کی آواز سنائی دی اور اسی سے صاف ظاہر ہو گیا کہ جیو ہی سلمیٰ کی قاتل ہے۔"

"ذرا ٹھہریئے سر سلطان! میری سمجھ میں نہیں آیا کہ اس بات سے جیو کا قاتل ہونا کیسے ثابت ہو گیا ——؟" نیاز نے کہا۔

"اس لئے کہ اس واقعہ کو دوسرے واقعات کے ساتھ ملانے سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے ——" سر سلطان نے جواب دیا۔ "اتوار کی رات کو "نیلی کوٹھی" میں پیش آنے والے واقعات کے بارے میں جو کچھ ڈاکٹر عارف نے ہمیں بتلایا اس کے مطابق معلوم ہوتا ہے کہ پہلے عابدہ نے سلمیٰ کو خواب آور گولیاں کھلائیں، پھر اُسے بستر پر سلا دیا اور تقریباً دس بجے کر بیس منٹ پر بالائی منزل سے اُتر کر نیچے کمرے

میں آگیا۔ ساڑھے گیارہ بجے کے بالکل قریب وہ پانی گرنے کی آواز سنتا ہے۔ اور ساتھ ہی اُسے کھڑکی کے شیشے میں سے پروفیسر خطیب کا چہرہ جھانکتا ہوا نظر آتا ہے۔ وہ کھڑکی کھول کر باہر دیکھتا ہے لیکن کوئی دکھلائی نہیں دیتا۔ وہ پھر یہ دیکھنے کے لئے کہ سلمیٰ خیریت سے ہے یا نہیں، اوپری منزل پر جاکر سلمیٰ کی خوابگاہ کا کمرہ کھول کر اطمینان کر لیتا ہے کہ وہ سکون کے ساتھ سو رہی ہے۔

لیکن اگر واقعی یہ بات تھی تو پھر سلمیٰ کی موت کب واقع ہوئی؟ کیونکہ اس کے پندرہ منٹ بعد تک عارف کمرے کے بالکل قریب زینہ کی سب سے اوپری سیڑھی پر بیٹھا نگرانی کرتا رہا۔ وہ جگہ سلمیٰ کے کمرے سے آٹھ دس فیٹ سے زیادہ دوری پر نہ تھی۔ اگر کوئی یہ کہنا چاہے کہ اِسی پندرہ منٹ کے وقفہ میں قاتل نے سلمیٰ جیسی نیم بیہوش عورت کو کھینچ کر غسل خانے میں داخل کیا، ٹب میں پانی بھرا، پھر سلمیٰ کو اُس میں ڈال کر الکٹرک ہیٹر، ٹب میں گرایا، جس سے یقینی طور پر کافی آواز ہوتی ہے جسے آٹھ فیٹ دور بیٹھا ہوا آدمی ضرور سن سکتا ہے۔ پھر وہ لاش کو نکال کر واپس بستر پر ڈال دیتا ہے اور تمام نشانات صاف کرنے کے بعد اطمینان سے رخصت ہو جاتا ہے اور وہ بھی اُس حالت میں اُسے کمروں کی بتیوں کا فیوز درست کرنے کے لئے باہر نکل کر عارف کی نگاہوں کے سامنے فیوز بکس کھولنا پڑتا ہے۔ اور نہ ہی وہ عارف کو نظر آتا ہے نہ کسی قسم کی آواز عارف کو سنائی دیتی ہے جو اُسی طرف کان لگائے بیٹھا تھا —— تو بھی میں اِس قسم کی بجواس پر یقین کرنے کا روادار نہیں ہو سکتا۔ اور اگر وہ یہ کہے کہ قاتل نے یہ تمام کام اُن دو یا تین منٹوں میں انجام دیا جب عارف سیڑھی پر سے اُٹھ کر فون کا جواب دینے نیچے گیا اور پھر واپس آنے میں دو تین منٹ لگے۔

تو میں اُس شخص کو محض پاگل سمجھوں گا ــــــ اصل بات تو یہ ہے کہ سلمیٰ کی موت اُس وقت واقع ہوئی، سلمیٰ کو اُس وقت قتل کیا گیا جب عارف نے نیچے بیٹھے ہوئے پانی گرنے کی آواز سنی۔ یعنی تقریباً ساڑھے گیارہ بجے۔"

"یعنی دوستو ــــــ ! پانی گرنے کی آواز سننے کے پہلے سلمیٰ مر چکی ہے اور جب وہ آواز سننے کے بعد عارف بالائی منزل پر جا کر دیکھتا ہے تو اُسے سلمیٰ کے بستر پر ایک زندہ عورت کے سونے سے چادر کے اوپر نیچے ہونے کا منظر دکھلائی دیتا ہے۔ ہم اُس کی بات کو جھٹلاتے نہیں ہیں۔ واقعی سلمیٰ کے بستر پر ایک زندہ عورت موجود تھی جس کے سانس لینے سے چادر اوپر نیچے ہو رہی تھی۔ لیکن کیا عارف نے چادر کھول کر دیکھا تھا کہ وہ سلمیٰ تھی یا کوئی دوسری عورت۔ اُس کے عورت ہونے میں تو کوئی شک نہیں تھا کیوں کہ عارف نے پلنگ کے نیچے چوٹی لٹکتی ہوئی دیکھی۔ لیکن یہ یقین کرنے کے لئے ہمارے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے کہ وہ سونے والی عورت سلمیٰ ہی تھی۔ دوسرے کمرے میں سوتے وقت جلنے والا بہت ہلکی روشنی کا بلب روشن تھا جس میں صاف صاف کوئی بات عارف کو دکھلائی بھی نہیں دے سکتی تھی۔ اور اب تم لوگ سوچ کر بتلاؤ کہ اگر وہ عورت جسے چادر اوڑھے ہوئے بستر پر لیٹے ہوئے مدھم روشنی میں عارف نے دیکھا تھا وہ اگر سلمیٰ نہیں تھی پھر کون ہو سکتی تھی۔"

وہ رک کر نیاز اور عارف کو دیکھنے لگا جو ایک دوسرے کو تاک رہے تھے ــــ

"مارسے بھی صبیحہ کے علاوہ اور کون ہو سکتا تھا ــــــ" سر سلطان نے کہا۔ "وہ محض اُس کا ایک بہانہ تھا کہ ہم سمجھیں وہ بر جیس نگر میں موجود نہیں ہے۔ اسی لئے وہ اتوار کی شام کو ہمارے ساتھ اسٹیشن تک گئی۔ اور پھر جب ہم وہاں سے چلے آئے تو وہاں

واپس آگئی۔ سلمی کے رویے سے اُسے یقین ہو گیا تھا کہ وہ پروفیسر خطیب کو اپنے قتل کرنے کے لئے چیلنج ضرور دے گی۔ اس کے بعد پروفیسر خطیب سے مل کر یہ معلوم کر لینا کہ وہ سلمی کو قوت ارادی سے کس وقت قتل کرے گا، معلوم کر لینا اُس کے لئے چنداں مشکل نہ تھا کیوں کہ بیوقوف پروفیسر اُس کی زلف گرہ گیر کا اسیر تھا۔ اب وہ نگاہ بچا کر پھر "پیلی کوٹھی" میں واپس آگئی۔ اُسے معلوم تھا کہ اتوار کی اُس رات کو سلمی اور عارف کے علاوہ اُس مکان میں اور کوئی نہ ہو گا۔ بالفرض محال اگر عارف نے اُسے وہاں رات کو پکڑ لیا تو اُسے یقین تھا کہ وہ ڈاکٹر کو کسی طرح اِس بات کو پوشیدہ رکھنے پر رضامند کرے گی۔

"وہ مکان کے باہر ہی سے اُس زینے سے بالائی منزل پر پہنچی جو کہ سلیم اختر کے کمرے کی پشت سے نیچے گراؤنڈ میں اُترنے کے لئے بنا ہوا ہے۔ اُس کی راہ سے بالکنی پر پہنچ کر وہ مناسب وقت کے انتظار میں وہیں چھپی بیٹھی رہی۔ کیوں کہ یہ تو یقینی بات تھی کہ عارف حفاظت کے خیال سے تمام رات تو ایک عورت کی خوابگاہ میں گذار نہیں سکتا۔ اور یہی ہوا بھی۔

جس وقت عارف نیچے ڈائننگ روم میں بیٹھا ہوا چائے اور سگرٹ سے شغل کر رہا تھا، وہ سلیم اختر کے کمرے میں اُس عقبی دروازے کی راہ سے داخل ہوئی جو کہ بالکنی کی طرف کھلتا ہے۔ وہ مکان سے اپنی روانگی کے قبل ہی اُس دروازے کو کھول گئی ہو گی۔

بعد ازاں تمام کام آسان تھا۔ سلمی خواب آور دوا کے نشے میں مدہوش پڑی تھی۔ اُس نے اُسے ویسے طریقے سے جیسے کہ تم گذشتہ شب نسرین کے کمرے میں دیکھ

چکی ہو، برہنہ کرکے اور ریشمی پٹیوں سے کس کر غسل خانے کے نہانے کے ٹب میں پانی بھر کر لٹایا اور الیکٹرک ہیٹر گرا کر قتل کر دیا۔ پھر موم بتیاں روشن کر کے اپنے شکار کو ٹب میں سے نکال کر بدن خشک کیا۔ پٹیاں کھولیں اور اُس کے کپڑے پہنانے لگی اور پھر اچانک اُسے ایک خیال آگیا۔ اب تک تمام کام بڑی خاموشی سے ہوا تھا لیکن اب باتھ ٹب کا پانی انڈیلنے میں ڈاکٹر عارف پائپ سے پانی گرنے کی آواز ضرور سن لے گا۔

"لہٰذا اُس نے سلمیٰ کو وہیں غسل خانے میں چھوڑا، فیوز بکس میں جا کر فیوز درست کیا اور بعد میں غسل خانے میں واپس جا کر ٹب کا پانی انڈیل دیا۔ اور وہ نقاب پہن کر جو وہ اِسی غرض سے اپنے ہمراہ لائی ہو گی، اُسی عقبی زینے کی راہ سے نیچے جا کر شیشے کی راہ سے عارف کو اپنی جھلک دکھا کر واپس آگئی۔ تاکہ اِس طرح بعد میں یہ معلوم ہونے پر کہ عارف نے جس وقت خطیب کا چہرہ کھڑکی میں دیکھا تھا، وہ نشاط ریستوران میں موجود تھا، لوگوں کو اور خود عارف کو یہ خیال ہو کہ اُس رات کو خوف و دہشت کی وجہ سے عارف کو ایسی باتیں دکھلائی اور سنائی دے رہی تھیں جن کا کوئی وجود نہ تھا اور اِس طرح پائپ سے پانی کے گرنے کی آواز کے بارے میں بھی کسی کو یقین نہیں آئے گا۔

"اب اِس کے بعد یقینی تھا کہ خطیب کا چہرہ کھڑکی میں دیکھ کر عارف ضرور بالائی منزل پر آ کر سلمیٰ کے کمرے میں دیکھے گا کہ وہ محفوظ ہے یا نہیں اور اُس وقت اگر اُسے معلوم ہو جاتا کہ سلمیٰ مر چکی ہے تو پھر جیبو کی ساری اسکیم ہی ناکام ہو جاتی علاوہ ازیں اُس وقت "بیلی کوٹھی" میں اپنی موجودگی کے بارے میں اُسکے لئے کسی قسم کی صفائی

پیش کرنا بھی ناممکن ہوتا۔ تمام سامان جس سے سلمیٰ کے قتل کرنے کا ذریعہ معلوم ہوسکتا تھا غسل خانے میں بکھرا پڑا تھا۔ سلمیٰ کی لاش، بیکار فیوز کا ٹکڑا، موم بتیاں، "پٹیاں" ہیٹر اور سبھی کچھ ـــــ پھر تو اُس کے قاتل ثابت کرنے میں کوئی مشکل ہی نہ رہ جاتی۔ اور پھر پروفیسر خطیب کے "قوت ارادی" اور خیالات کی ضرب" والا دعویٰ بھی باطل ثابت ہو جاتا۔

"اُس نے پھر ایک ترکیب سوچی۔ یا ممکن ہے یہ ترکیب پہلے ہی سے اُس کے ذہن میں رہی ہو۔ اوپر آکر اُس نے سلمیٰ کی شب خوابی کا لباس خود پہنا، اُس کی خوابگاہ میں داخل ہو کر غسل خانے کا دروازہ اندر سے بند کر لیا اور پھر اُسی کے بستر پر لیٹ کر چادر اوڑھ لی۔ اسنے اپنی چوٹی بھی لٹکتی ہوئی چھوڑ دی، تاکہ عارف کو کسی قسم کا شک نہ ہو۔ ایک یا دو منٹ بعد عارف نے اوپر آکر سلمیٰ کی خوابگاہ کھولی اور اسے اطمینان سے بستر پر سوتا ہوا سمجھ کر اور یہ اطمینان کر لینے کے بعد کہ اندر داخل ہونے کے تمام راستوں یعنی کھڑکی اور غسل خانے کے دروازے کی چٹخنیاں اندر سے لگی ہوئی ہیں، مطمئن ہو کر باہر چلا گیا اور دروازہ مقفل کر کے اوپر مطمئن ہو کر زینے کی سیڑھی پر جا بیٹھا۔ اگر اُسی وقت وہ چادر اُلٹ کے دیکھ لیتا تو اسے سلمیٰ کے بستر پہ صبیحہ لیٹی ہوئی نظر آتی اور اگر غسل خانہ کھول کر دیکھتا تو وہاں سلمیٰ کی لاش اور اس کے قتل کا تمام سامان مل جاتا لیکن فطری طور پر جب اُسنے ہر بات اپنی معمولی حالت پر دیکھی تو کچھ ضرورت محسوس نہ کی اور صبیحہ کی اسکیم کامیاب ہو گئی۔ میں جو کچھ بیان کر رہا ہوں اُس کی تصدیق اُن باتوں سے بھی ہوتی ہے جو کہ صبیحہ نے کل اپنا سوتیلی ماں کو قتل کرنے کی کوشش کرتے ہوئے جوش میں آکر کہانی سناتے ہوئے کہی تھیں ـــــ"

"جی ہاں ـــــ" ڈاکٹر عارف نے تسلیم کیا۔

"آپ کہتے چلئے سر سلطان ـــ" عارف نے بےچینی سے کہا۔

"بس پھر اُس کے بعد صبیحہ کو معلوم تھا کہ خطیب بارہ بجے کے چند منٹ پہلے سلمیٰ کی موت کا اعلان کرے گا اور ڈاکٹر عارف ایک بار پھر سلمیٰ کو دیکھنے آئے گا۔ لہٰذا جب نیچے ٹیلیفون کی گھنٹی سننے کے بعد عارف سیڑھی سے اُتر کر نیچے گیا صبیحہ نے سلمیٰ کو لا کر بستر پر لٹا دیا اور خود غسل خانے میں چلی گئی۔ ٹیلیفون پر سلمیٰ کی موت کے بارے میں خطیب کا اعلان سن کر جب عارف دوبارہ اوپر آیا تو سلمیٰ مر چکی تھی۔ اس کے بعد اُس کی دہشت اور مایوسی کو مدّ نظر رکھتے ہوئے عارف کو قابلِ معافی سمجھا جا سکتا ہے اگر اُس نے اس جلدی میں، کہ اُسے پولیس کو فون کرنا اور ضروری کارروائیاں کرنا ہے، غسل خانے کی چٹخنی پر نظر نہیں ڈالی جو پہلے اُسے اندر سے بند نظر آئی تھی ـــ اگر وہ اُس طرف دیکھتا تب بھی کھلی ہوئی چٹخنی کی وجہ سے صبیحہ کا پکڑا جانا لازمی تھا۔ لیکن خیر اُن حالات کے پیش نظر ہم عارف کو کوئی دوش نہیں دے سکتے۔

"اس کے بعد عارف سلمیٰ کے کمرے سے نکل کر دروازہ کھلا چھوڑتا ہوا نیچے چلا گیا اور بہت دیر تک ٹیلیفون کرنے اور اُن کے جوابات دینے میں مصروف رہا۔ اتنی دیر میں سلیم اختر کے کمرے کا دروازہ کھول کر صبیحہ پہلے اُس دروازے کی راہ سے سلمیٰ کے کمرے میں آئی جو عارف کھلا چھوڑ گیا تھا۔ پھر اندر سے غسلخانے کی چٹخنی لگانے کے بعد اُس نے وہ تمام نشانات بڑے اطمینان سے صاف کئے جن سے اُس کمرے میں کسی کی آمد کا ثبوت مل سکتا تھا۔ پھر وہ سلیم اختر کے کمرے میں

واپس گئی۔ دروازہ بدستور بند کر لیا۔ غسل خانے اور بالکنی وغیرہ سے اپنی آمد کے تمام نشانات بڑی احتیاط کے ساتھ صاف کئے اور پھر خاموشی کے ساتھ "بیلی کوٹھی" سے رخصت ہو گئی ــــ اور کسی صبح کی گاڑی سے بمبئی روانہ ہو گئی۔"

اتنا کہہ کر سر سلطان صدیقی دم لینے کے لئے رُک گیا۔ اپنی عینک صاف کر کے دوبارہ ناک پر لگائی، نیا سگرٹ سلگا کر دو تین لمبے لمبے کش لئے اور پھر عارف و نیاز کی طرف دیکھ کر جو بغور اُس کی گفتگو سن رہے تھے۔ مسکرا کر کہنے لگا۔

"اب تم پوچھو گے کہ للی کو قتل کرنے سے صبیحہ کا کیا فائدہ ہوا ــــ؟ ــــ تو سنو۔ اُسے اِس طرح دو فائدے حاصل ہوئے۔ ایک تو یہ للی جو کہ پروفیسر خطیب کے اِس دعوے کو باطل کرنے کے لئے ثبوت پیش کر سکتی تھی کہ سلیم اختر کی موت خطیب کی قوتِ ارادی، سے نہیں بلکہ دوسری طرح واقع ہوئی ہے، راہ سے ہٹ گئی دوسرے یہ کہ عوام اور پولیس کے ذہن میں پروفیسر خطیب کی پراسرار طاقت (قوتِ ارادی، یا 'قوتِ متخیلہ' اور خیالات کی ضرب، والے دعوے پر اعتقاد پختہ ہو گیا۔ اور یہی بات اُس کی اسکیم کو کامیاب بنانے کے لئے اشد ضروری تھی۔ اِس طرح ہم صبیحہ کی اتوار کی رات والی حرکات و سکنات اور اُس کا سبب اچھی طرح سمجھ چکے۔

"اور اب پروفیسر خطیب کو دیکھو ــــ میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں وہ دل کا بُرا آدمی نہیں ہے۔ نفسیات اور سائنس کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے باوجود اُس کے دماغ میں ضعیف الاعتقادی تھی اور اُس کی اِس کمزوری سے صبیحہ نے پورا پورا فائدہ اٹھایا اُسے قطعاً علم نہ تھا کہ وہ صبیحہ کے کسی جُرم میں اُس کی معاونت کر رہا ہے۔ اُس کے

دماغ میں تو اِس خیال کو پختہ کر دیا گیا تھا کہ وہ خود ہی اِس قسم کی پُر اسرار طاقت کا مالک ہے کہ اُس کے خیالات کی ضرب سے لوگوں کی موتیں واقع ہو سکتی ہیں۔ اور وہ واقعی بڑی ایمانداری کے ساتھ خود کو سلمیٰ اور سلیم کا قاتل سمجھتا تھا۔

"اور اِس کے بعد صبیحہ کے لئے بہت آسان تھا کہ وہ اُسی طرح اپنی سوتیلی ماں نسرین کو قتل کر دے اور پروفیسر خطیب مقررہ وقت پر سیلون ریڈیو سے یہ اعلان کرے کہ میں نسرین کو قتل کر رہا ہوں۔ تو اُن دونوں میں کسی کے اوپر کوئی جُرم عاید نہیں ہوگا۔ اُس دن ہوٹل میں تم نے دیکھا ہوگا کہ جب چیف انسپکٹر نے خطیب سے سوال کیا تھا کہ وہ ریڈیو اسٹیشن سیلون سے کس کے قتل کا اعلان کرے گا، اور خطیب بتلانے ہی جا رہا تھا لیکن صبیحہ نے کس صفائی سے گفتگو کا رُخ پلٹ دیا تھا کہ پولیس کا خیال کسی حالت میں نسرین کی طرف مبذول نہ ہونے پائے۔ میں اُسی وقت صبیحہ کی چالاکی سمجھ گیا تھا۔

اُس سے قبل ہی میں صبیحہ کی اسکیم تاڑ گیا تھا مجھے معلوم تھا کہ وہ اپنی سوتیلی ماں نسرین کو راہ سے ہٹانے کے لئے یہ سب کچھ کر رہی ہے۔ لیکن ثبوت — ہمارے پاس کوئی ثبوت اپنی بات کو ثابت کرنے کے لئے نہ تھا۔ لہٰذا میں نے ایک ہی تیر سے دو شکار کرنے کی ترکیب سوچی میں نے طے کیا کہ اپنے رسوخ کو کام میں لا کر کاروِنہ کی عدالت میں خطیب کا داخلہ ممنوع کروا دوں گا۔ اِس سے قبل اخبارات میں خطیب کے معاملے میں جو اتنا واویلا مچایا گیا اور معاملے کو اتنی ہوا دی گئی سیکریٹ سروس، پولیس اور چیف انسپکٹر نیاز وغیرہ کے خلاف جو مضامین چھپوائے گئے اُن سب میں میری اپنی مرضی کو دخل تھا۔ تاکہ سلیم کی موت کے بارے میں فیصلہ کرنے والے جج بھی اُس سے اس حد تک متاثر ہو جائیں کہ کوئی قانون موجود نہ ہوتے ہوئے بھی اپنی ہی ذمہ داری پر پولیس کو اس قسم کے مخصوص

اختیارات دے دیں کہ ریڈیو اسٹیشن سے تقریر کر چکنے کے فوراً بعد اسے گرفتار کیا جا سکے اور ادھر صبیحہ اپنی سوتیلی ماں کو قتل کرنے کی کوشش کرتی ہوئی گرفتار کر لی جائے۔ بس پھر سارا قصّہ پاک ہو جاتا۔ ہر بات کا جواب دیا جا سکتا تھا اور ہر چیز کا ثبوت مل سکتا تھا۔

"لیکن ہوتا یہ ہے کہ ہمارے برخوردار عارف صاحب درمیان میں کود پڑتے ہیں اور سب کے سامنے خطیب کو ہوٹل میں چیلنج دے بیٹھتے ہیں کہ وہ انھیں قتل کرے۔ اُس وقت صبیحہ کی اسکیم کی خطرے میں پڑ گئی تھی۔ اُس نے تمہیں ہوٹل میں چیلنج دینے سے قبل تمہیں منع کرنے کی کوشش بھی کی تھی لیکن تم نہ مانے اور چیلنج دے بیٹھے۔ میری اپنی ساری تجویزیں خاک میں ملتی نظر آئیں۔ اتنا غصہ مجھے عارف پر آیا کہ خطیب کے بجائے میں خود انھیں قتل کر دوں ـــــ کیوں کہ ریڈیو اسٹیشن سے خطیب کے اِس اعلان کے باوجود کہ وہ 'قوتِ ارادی' کی مدد سے عارف کو قتل کر رہا ہے۔ عارف زندہ رہتا۔ کم از کم صبیحہ کو اِس بات کا موقع ہم لوگ ہرگز نہ دیتے کہ وہ سلمیٰ کی طرح ہمارے بیوقوف لیکن پھر بھی پیارے عارف کو قتل کر دے۔ نہ ہی وہ اِس قسم کی جرأت ہی کرتی ـــــ پھر انجام سوچو ـــــ بے شک خطیب کے سارے دعوے باطل ہو جاتے۔ لیکن اصل قاتل کے خلاف ثبوت مہیا کرنا اور اُسے گرفتار کر لینا ہمارے لئے قطعاً ناممکن تھا۔ اُدھر صبیحہ کا اپنا پروگرام بگڑتا نظر آ رہا تھا۔

"تم کہہ سکتے ہو کہ بگڑے ہوئے 'ہیٹر' اور یادداشت کی وہ نوٹ بک ثبوت کے طور پر پیش کی جا سکتی تھی۔ لیکن نہیں میرے دوست۔ ہم کسی عدالت کے سامنے ایک بگڑا ہوا 'ہیٹر' پیش کر کے یہ نہیں کہہ سکتے تھے کہ اِسی سے سلیم اور سلمیٰ کو قتل

کیا گیا ہے اور نہ کوئی جج اِسے تسلیم کر کے صبیحہ کو قاتل قرار دیتا۔ علاوہ ازیں یادداشت کی نوٹ بک سے بھی کوئی فائدہ نہ تھا ورنہ اتوار کی رات کو سلمٰی کے قتل کے بعد جب صبیحہ نے فیوز بکس کھولا تھا، اُسے وہ نوٹ بک بھی دکھلائی دی ہوگی اور وہ اگر اُس کے حق میں نقصان دہ ثابت ہوتی تو صبیحہ اُسے بڑی آسانی سے اپنے ساتھ لے جا سکتی تھی۔ لیکن اُسے معلوم تھا کہ اس نوٹ بک سے کوئی بات اُس کے خلاف ثابت نہیں ہوسکتی بلکہ سارا معاملہ اور بھی پیچیدہ ہو جائے گا لہٰذا اُس نے اُس نوٹ بک کو وہیں پھر واپس رکھ دیا۔

"خیر تو صبیحہ کے لئے اپنی اسکیم میں کامیاب ہونے کے لئے ضروری تھا کہ پروفیسر خطیب کو ڈاکٹر عارف کے قتل کے اعلان سے باز رکھے اور غالباً اُس نے خطیب سے مل کر شاید اپنی محبت کا واسطہ دے کر یا کسی اور طرح اس بات پر راضی کر لیا کہ وہ ریڈیو سیلون سے عارف کے نہیں بلکہ نسرین کے ہی قتل کا اعلان کرے گا۔

"لیکن اُدھر میرے سامنے ایک بڑی مشکل اور تھی۔ میں نے کاروونر کی عدالت اسی لئے خفیہ طور پر منعقد کروانے کے احکامات حاصل کئے تھے تاکہ جیوری سے پروفیسر خطیب کی گرفتاری کا اختیار مل جانے کے باوجود خطیب کو اس وقت گرفتار کیا جائے جب وہ ریڈیو پر تقریر کر چکے۔ اگر کھلی عدالت میں پریس رپورٹروں اور اور خطیب کے سامنے یہ حکم دیا جاتا تو مجبوراً خطیب کو وہیں پر گرفتار کرنا پڑتا، اخبارات کے ذریعہ اُس کی گرفتاری کی خبر صبیحہ کو ملتی اور انجام ہوتا دو ہی ٹائیں ٹائیں فش ــــ

"لیکن میری تمام کوششوں کے باوجود عدالت میں عوام کے داخلے کی ممانعت

کے اعلان کے بعد بھی، خطیب کے پاس امتناعی احکامات ہوا دینے کے باوجود وہ خبطی پروفیسر پھر بھی عدالت کے کمرے کے سامنے پہنچ گیا۔ لوگوں نے اُسے دیکھ لیا۔ پولیس افسر اُسے دیکھ چکے۔ پھر اگر اُسی وقت اندر اجلاس میں اُس کی گرفتاری کا حکم جاری کیا جاتا، تو کیا پولیس افسران کو یہ حق حاصل ہوتا کہ وہ خطیب کو گرفتار نہ کر کے لٹکا جا کر اپنی تقریر براڈکاسٹ کرنے کی اجازت دے سکتے۔ اِس لئے مجبوراً میں نے اُسے اجلاس میں بلوا لیا اُس کی گرفتاری کا مخصوص اختیار محض میری کوششوں کے ردعمل کے طور پر پولیس کو دیا گیا۔ خطیب گرفتار ہوا اور پھر اُسے تنہائے کر اُس چھوٹے سے کمرے میں گیا جہاں . . "

"جہاں مجھے داخل ہونے کی اجازت نہیں تھی ـــــ" عارف نے منہ لٹکا کر جملہ پورا کیا۔

"ہاں ـــــ کیونکہ تمہیں ہرگز صبو کے قاتل ہونے کے بارے میں یقین نہ آتا۔ میں تمہیں اُسے رنگے ہاتھوں دکھلانا چاہتا تھا۔ خیر تو اُس تنگ کمرے میں میں نے بڑی مشکلوں سے خطیب کو اپنی بات سمجھائی اور بتلایا کہ کس طرح اُس کے شانے پر بندوق رکھ کر اصل قاتل بے گناہوں کا خون کرتا پھر رہا ہے۔ پھر میں نے اپنے خاص ڈھنگ سے حقیقت کے اظہار پر مجبور کیا۔ خطیب نے یہ بھی تسلیم کر لیا کہ وہ اُن لوگوں کے بارے میں پہلے ہی سے معلومات حاصل کر لیتا ہے جن کے دِل کی بات وہ بعد میں بتلاتا ہے۔ وہ نفسیات میں ایم۔اے بھی کر چکا ہے۔ اِس لئے کچھ باتیں لوگوں کے جذبات اور حرکات وسکنات کا معائنہ کرنے کے بعد بھی بتلا دیتا ہے۔ اور یہی وجہ تھی کہ اُسے اپنی "قوت ارادی" کے ذریعہ لوگوں کو قتل کر سکنے کے بارے میں اتنا پختہ یقین تھا۔

"خیر تو میں نے پوری وضاحت کے ساتھ اُسے سمجھایا کہ سلیم اور سلمٰی اُس کے خیالات

کی ضرب سے نہیں مرے بلکہ انھیں دوسرے طریقے سے قتل کیا گیا ہے۔ اور جب اُسے معلوم ہوا کہ اُسے صبیحہ نے کس طرح بیوقوف بنایا ہے تو اُس کے غصے کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ اُس نے تسلیم کیا کہ وہ آج رات کو ریڈیو سیلون سے نسرین کے قتل کا اعلان کرنے والا ہے اور اس کی ترغیب صبیحہ ہی نے اُسے دی ہے۔ خیر میں نے اُسے اطمینان دلایا کہ صبیحہ کو اُس کے کیفرِ کردار تک پہنچایا جائے گا۔ بشرطیکہ وہ میری مدد کرے۔ میں نے اُسے رضا مند کر لیا کہ وہ ریڈیو سیلون سے مقررہ وقت پر اپنی تقریر براڈکاسٹ کرے اور نسرین کو قتل کرنے کا اعلان کرے۔ ہم لوگ عین وقت پر صبیحہ کو گرفتار کر لیں گے وہ رضا مند ہو گیا۔ میں نے پھر اپنے رسوخ اور اختیارات کو کام میں لا کر حکومت سے اُس کی رہائی کی اجازت حاصل کی اور اُسے ایک ذمہ دار افسر کی نگرانی میں لنکا پہنچا دیا گیا۔ لیکن وہ دل ہی دل میں صبیحہ سے نفرت کرنے لگا تھا، جو اُسے مسلسل بیوقوف بناتی رہی تھی، کہ لنکا سے ہمارے اُس افسر کو دھوکا دے کر دوسرے طیارے سے پھر واپس آ گیا اور صبیحہ کے قتل کے ارادے سے نسرین کے مکان پر پہنچا۔ اور تم نے کل رات کو دیکھا ہو گا کہ اگر ہم لوگ روک نہ لیتے تو اُس نے صبیحہ کی گرفتاری کے وقت اُسے چاقو بھونک دیا ہوتا۔ چونکہ اخبارات میں یہ اعلان پڑھ کر پروفیسر خطیب ریڈیو سیلون سے تقریر کرنے کے لئے وہاں پہنچ گیا ہے۔ بالکل مطمئن ہو گئی تھی۔ اور پورے انتظام کے ساتھ اپنی سوتیلی ماں کو قتل کرنے کے لئے اُس کے مکان پر جا پہنچی تھی۔ بعد کے حالات تمہیں معلوم نہیں کہ اُسے کس طرح گرفتار کر لیا گیا۔ اور اب ہمارے پاس عدالت میں اُسے قاتل ثابت کرنے کے لئے اور خطیب کے دعوؤں کو باطل ثابت کرنے کے لئے مکمل ثبوت موجود ہیں۔ صبیحہ کے ہینڈ بیگ میں وہ نقاب بھی مل گئی ہے

جیسے بہن کر تمہیں ایک جھلک دکھلانے کے بعد اُس نے تمہارے دل میں یہ خیال پیدا کیا تھا کہ پروفیسر خطیب اتوار کی رات کو "نیلی کوٹھی" میں موجود تھا اور اس طرح خطیب کی شخصیت کو اور زیادہ پُراسرار بنا دیا تھا۔"

"اچھا تو اب جیمو کے لئے پھانسی کی سزا تو یقینی ہے لیکن اس خطیب کو کیا سزا دی جائے گی ——؟"

چیف انسپکٹر نے سر سلطان سے دریافت کیا۔

"کچھ نہیں —— میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ وہ شخص بے قصور ہے۔ اُسے بے وقوف بنایا گیا، یہی کوفت اس کے لئے کافی ہے۔" سر سلطان نے کہا۔ "وہ غالباً آج انڈونیشیا واپس جا رہا ہے۔"

"اُفوہ!" عارف نے ہنستے ہوئے کہا —— "ان چند دنوں کے عرصے میں یہ شخص کتنا مشہور ہو گیا تھا۔ جسے دیکھو پروفیسر خطیب اور اُس کی پُراسرار "قوتِ ارادی" کا ذکر کرتا نظر آتا تھا۔ سارا معاملہ اس قسم کے دبیز اسرار کی تہہ میں پوشیدہ تھا کہ کبھی خیال بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ اِسے سلجھایا جا سکتا ہے۔"

"لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ محض دو تین دن کی تفتیش میں سر سلطان نے اِسی تمام اسرار کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں۔ اصل قاتل کو گرفتار کر لیا اور اُس کے خلاف ثبوت بھی مہیا کر لئے۔ جو عام حالت میں بالکل ناممکن تھا۔" چیف انسپکٹر نے توصیفی نظروں سے سر سلطان کو دیکھ کر کہا۔

"تو پھر کیوں نہ ہم لوگ یہ سمجھیں کہ سر سلطان صدیقی کے علاوہ ہندوستان ملٹری انٹیلیجنس ڈیپارٹمنٹ کے چیف کا عہدہ سنبھالنے کے لئے کوئی اور شخص

ملنا مشکل ہے۔"

"بے شک۔ بے شک بلکہ میں تو سمجھتا ہوں کہ اس بار انگلینڈ کے شہرہ آفاق جاسوس شرلاک ہومز نے سر سلطان کی شکل میں ہندوستان میں جنم لیا ہے۔"

اور وہ دونوں ہنستے ہوئے سر سلطان کو دیکھنے لگے جو اپنی گنجی چندیا کو بڑی سنجیدگی سے کھجلانے میں مصروف تھا۔

مظفر حنفی ہسوی

ختم شد

خان محبوب طرزی کے ناول مطبوعہ نسیم بکڈپو

نئی زندگی	سماجی	2/8/-	قدسیہ بیگم	تاریخی	3/-
الجھن	//	3/-	دوشیزۂ روم	//	3/-
گلنار	//	2/4/-	نازک ادا	//	3/-
شعلہ	//	5/-	قمر طلعت	//	4/-
رسی جل گئی	//	3/-	مقدس لہو	//	3/-
لیلیٰ کی کتیا	//	2/-	گیتی آرا بیگم	//	3/-
بنت البحر	//	2/-	مہر افروز	سائنسی	3/-
پانچ ہزار سال قبل	//	2/-	افق کے اس پار	//	3/-
صنوبر	//	3/-	دوسری دنیا کا انسان	//	2/8/-
دیوانہ	//	3/-	سفر زہرہ	//	2/-
سیلاب	//	3/-	روح رواں	//	3/-
صنم کدہ	//	4/-	دو دیوانے	//	2/8/-
قزلباش	//	3/-	حادثہ	//	3/-
گل بانو	//	3/-	زبیدہ	جاسوسی	3/8/-
صبح اندلس	تاریخی	4/-	سبز مینار	//	3/8/-
حور اندلس	//	5/-	پیغام اجل	//	2/8/-
شباب قرطبہ	//	5/-	حلقۂ نور	//	2/8/-
مرد مجاہد	//	4/-	ترپائی	//	4/8/-
جانباز	//	3/-			

صادق سردھنوی کے تاریخی ناول

حور مراقش	4/-
محبوبہ حلب	4/8/-
ماہ طلعت	3/-
نقاب پوش پیغمبر	4/-
بہادر دوشیزہ	3/-
محبوبہ اور خاقان	4/-
اندلس کے دو چاند	6/-
عجیب جنگ	4/-
عروس بغداد	4/-
جنگ اصفہان	4/-
عربی دوشیزہ	6/-
خروش انتقام	5/8/-
سسلی کی ساحرہ	4/-
شریف مجاہد	4/-
شیر سوڈان	4/-
جوش اسلام	5/-
نازنین عرب	4/-
عماد الدین زنگی	4/8/-

مائل ملیح آبادی کے ناول

ہجرت		تاریخی	3/8/-
کعبہ سے کربلا تک		"	3/-
مرگ یزید		"	2/8/-
نیزک طرخان		"	3/8/-
پاسبان		"	4/-
نیا آدمی		سماجی	2/-
زیتون		"	3/-
یہ زندگی کے میلے		"	2/8/-
آبرو		"	1/8/-
بازار		"	3/-
تیسری منزل		"	3/-
ڈبل بس	مزاحیہ	شوکت تھانوی	2/-
مہمہ خاتون	"	"	1/8/-
گرگٹ	"	"	1/8/-
شیطان کی ڈائری	"	"	1/8/-
مسکراہٹیں	"	"	2/8/-
برق تبسم	"	"	3/-
ذوق	"	"	2/8/-

نسیم بکڈپو کے شائع کردہ

مختلف مصنفین کے ناول

کسک ۔ مجاہد لکھنوی ۔ سوشل 4/8/.
حجابی ۔ وحشی محمودآبادی ،، 3/8/.
ساجدہ ،، ،، 5/.
شباب ،، ،، 4/.
تنویر ،، ،، 3/.
جاوید ،، ،، 3/.
قیصر باغ ،، تاریخی 4/8/.
فردوسی ،، ،، 3/8/.
شمشیر مجاہد ،، ،، 2/.
شکیلہ بیگم ۔ خان عزمی ۔ سماجی 1/8/.
سرشام رضیہ سجاد ظہیر ،، 2/8/.
ہارجیت سید محمد جعفر ،، 2/.
محل سرا ۔ نادم سیتاپوری ،، 3/8/.
گنج سلیمان ۔ مظہر الحق ۔ حیرتناک 3/.
عالم گم گشتہ ،، ،، 3/.
لالۂ صحرا ،، ،، 5/.
چاند چاندی ،، ،، 4/.

مجرم کون ۔ بدنام رفیعی ۔ جاسوسی 4/.
جرائم کے اسرار ،، ،، ،، 4/.
دغاباز حسینہ ،، ،، 2/.
گنہگار جاسوس ،، ،، 3/.
شیطانی ٹولی ،، ،، 4/.
پراسرار روح ۔ مسعود جاوید ،، 3/.
لاشوں کا کھیل ،، ،، 3/8/.
آنکھ کی چوری ،، ،، 3/8/.
پتلیاں ،، حیرتناک 3/8/.
چٹان ،، سماجی 5/.
اور بجھ گئے شبنے ،، ،، 3/.
پراسرار قتل ۔ مظفر حنفی ۔ جاسوسی 3/.
دہری سازش ،، ،، 3/.
پراسرار پارسل ۔ محمود نیازی ،، 3/.
قلب آتش ،، ،، 4/.
۳۰ گھنٹے ۔ محمد حسین لکھنوی ،، 4/.
چار نقاب پوش ،، ،، 2/8/.

بچوں کے لئے کلیاں بکڈپو کی شائع کردہ دلچسپ اور نصیحت خیز کتابیں

شمیم انہونوی کی لکھی ہوئی مذہبی کتابیں

پیغمبرؐ اسلام ۶/ — صدیقؓ اکبر ۶/ — فاروقؓ اعظم ۸/

عثمانؓ غنی ۶/ — شیر خداؓ (زیر طبع) — خاتونؓ جنت ۴/

شمیم انہونوی کی کہانیاں

کہانی میں کہانی ۴/ — جادو کا ہنس ۳/ — پریوں کی کرامات ۴/

شہزادی نسرین ۴/ — شہزادی زرنگار ۴/ — انوکھا پھول ۶/

الیاس سیتاپوری کی کہانیاں

جن پکڑا گیا ۳/ ۔ ظالم بادشاہ ۳/ ۔ مسٹر بھوت ۴/ ۔ ماں کا ظلم ۴/

آفت کا پرکالا ۳/ ۔ چھو منتر ۳/ ۔ خونی پجاری ۴/ ۔ ہیبت خاں ۳/

محبوب طرزی کی کتابیں

اسپین کی لڑائی ۴/

جادو کی بوتل ۳/

الصارم عبد العلی کی کتابیں

انگلیوں کی چوری ۶/

سفید بھرتی ۵/

جنگل کا راجہ ۔ محبوب طرزی کا بچوں کے لئے ناول 2/8/0

[illegible]